# موسیقی اور نغمہ سنجی کے احکام

# فقہ اسلامی میں

علامہ یوسف القرضاوی

| | |
|---|---|
| نام کتاب: | موسیقی اور نغمہ سنجی کے احکام ـ فقہ اسلامی میں |
| اصل نام : | فقہ الغناء والموسیقی فی ضوء الکتاب والسنۃ |
| مصنف: | علامہ یوسف القرضاوی |
| مترجم: | محمد اسعد ندوی |
| صفحات: | ۳۲۶ |
| قیمت: | |
| اشاعت: | |

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# قانون الٰہی

تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی اس زینت کو اور پاکیزہ رزق کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے تو کہہ یہ نعمتیں اصل میں دنیوی زندگی میں بھی خاص اہل ایمان کے واسطے ہیں اور قیامت کے دن بھی خالص رہیں گی، اس طرح ہم مفصل آیتیں بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے میرے رب نے صرف بے حیائی کی باتوں کو جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور چھپی ہوئی ہیں حرام کیا ہے، اور حرام قرار دیا ہے گناہ کو ناحق زیادتی کو اور اس بات کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ شریک کرنے کو جس کی اس نے سند نہ اتاری ہو، اور اس بات کو رب کریم کے حوالہ سے کہنے کو جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہ ہو۔

وہ لوگ جو ایسے رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی ہیں جنہیں وہ لوگ اپنے پاس توریت میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور حرام چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں اور ان سے ان طوق وسلاسل کو اتار پھینکتے ہیں جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

# فہرست مضامین


| | |
|---|---|
| مقدمہ | ۷ |
| **(۱) خوبصورتی اور فنکاری اسلام کی نظر میں** | ۱۵ |
| قابل سماعت جمال۔ گیت اور میوزک | ۳۲ |
| **(۲) حرمت کے قائلین کے دلائل اور ان کی معتبریت کا تحلیل وتجزیہ** | ۳۷ |
| اول : قرآن کریم کے دلائل | ۳۹ |
| دوم : احادیث کے دلائل | ۵۵ |
| سوم : اجماع سے استدلال : جائزہ اور حقیقت کی نشاندہی | ۹۰ |
| چہارم : قاعدہ ''سدالذرائع'' سے استدلال | ۹۷ |
| پانچویں دلیل : احتیاط پر عمل اور مشتبہات سے گریز | ۱۰۲ |
| **(۳) اباحت کے قائل علماء کے دلائل اور ان کے اعتبار کا جائزہ** | ۱۰۵ |
| اباحت کے قائل علماء کے دلائل | ۱۰۹ |
| قرآنی دلائل | ۱۱۰ |
| احادیث کے دلائل | ۱۱۵ |
| صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار | ۱۲۴ |
| وہ تابعین جن کے نزدیک سماع وغناء دونوں جائز ہیں | ۱۴۲ |
| حلت غناء مقاصد شریعت کی روشنی میں | ۱۶۷ |

| | |
|---|---|
| **(۴) تنقیدی جائزہ اور تجزیاتی نوٹس** | ۱۸۱ |
| سوم : حرمت غناء کے قائل حضرات پر تنقیدی نوٹس | ۱۹۲ |
| اختلافی مسائل میں انکار کی گنجائش نہیں | ۲۱۴ |
| مخالفین پر سخت حملوں کی کوئی معقول وجہ نہیں | ۲۲۶ |
| نغمہ سنجی کے مسئلے میں امام غزالیؒ کا فقہی اعتدال | ۲۴۳ |
| **(۵) چند شرائط اور ضوابط جن کی رعایت ضروری ہے** | ۲۴۹ |
| **(٦) مذہبی نغمے یا صوفیاء کے نغمے** | ۲۶۳ |
| **(۷) اسلامی تاریخ میں گانے اور رقص و سرور کی حقیقت** | ۳۱۵ |
| گانا بجانا اور مسلم سماج | ۳۲۳ |

# مقدمہ

**الحمد لله كما ينبغي لجلال وجهه وعظيم سلطانه، والصلاة والسلام على رحمته للعالمين، وحجته على الناس أجمعين، سيدنا وإمامنا وأسوتنا وحبيبنا ومعلمنا محمد وعلى آله وصحبه ومن سار على نهجه ودربه إلى يوم الدين، أما بعد!**

میرے دوست محترم صالح کامل صاحب جن کی علوم اسلامیہ کے میدان میں اچھی خاصی پیش رفت رہی ہے، بیس سال کی زائد مدت سے انہوں نے ایک اچھی شروعات کی ہے وہ اس طرح کہ ہر سال معاشی مسائل سے متعلق فقہی سیمیناروں کا انعقاد کرتے ہیں، جن کے لئے فقہ اسلامی کے ان علماء کرام کو مدعو کرتے ہیں جو لین دین کے امور سے خاصی دلچسپی رکھتے ہیں، ان حضرات کے ساتھ معاشیات اور انتظامی امور کے ماہرین بھی شریک ہوتے ہیں، ہر سمینار کے واسطے چند ان اہم موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جن کے شرعی حل کے لئے بحث وتحقیق، باہمی مناقشہ اور اجماعی اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے، ان موضوعات کا گہرائی سے مطالعہ کیا جاتا ہے اوران پر نقاش کیا جاتا ہے پھر ہر سمینار کے اختتام پر چند ایسی تجاویز اور سفارشات پیش کی جاتی ہیں جن سے عموماً مسلمان اور خصوصاً اسلامی معاشیات کو تحقیق کا موضوع بنانے والے اصحاب علم وفن اور اسلامی بینک کے لئے استفادہ ممکن ہو سکے۔

تین سالوں سے محترم شیخ صالح کی توجہ جنہیں اللہ تعالی اچھے اعمال کی توفیق دے ایسے موضوعات پر مرکوز رہی ہے جن کی اہمیت معاشی موضوعات سے کم نہیں ہے، اور جن میں زندہ جاوید معاصر فقہ کی روشنی میں غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے ان موضوعات میں ایک اہم موضوع میڈیا کا ہے جسے ''فقہ الاعلام''، ''ذرائع ابلاغ کی شرعی حیثیت'' بھی کہتے ہیں، خصوصاً

جب انہوں نے از خود عملی طور پر اس موضوع کو پرکھا اور عرب ریڈیو اور ٹیلی ویژن قائم کر کے اس موضوع کی عمومیت میں شامل ہو گئے جس کی وجہ سے انہیں شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا، پھر انہوں نے ''اقرأ'' کے نام سے اسلامی ہدایات کی روشنی میں ایک چینل بھی قائم کیا۔

اسی پس منظر میں ہمارے دوست کی یہ کوشش ہوئی کہ ہر سال رمضان کے موقع پر فقہی سمیناروں کا اہتمام کیا جائے جن میں ذرائع ابلاغ کے سلگتے ہوئے موضوعات پر بحثیں کی جائیں، چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا سمینار خصوصیت کے ساتھ تفریح کے موضوع پر منعقد ہوا اور گانے بجانے کے مسئلوں پر بھی خصوصی توجہ دی گئی، ان کا کونسا پہلو جائز ہے اور کونسا ناجائز؟ اور جائز پہلو کو جائز قرار دینے کے واسطے مطلوب قواعد وضوابط کیا ہیں؟ جیسے امور زیر بحث لائے گئے۔

سمینار کے منتظمین نے جیسا کہ وہ لوگ بہت پہلے سے میری اس موضوع سے گہری دلچسپی سے واقف تھے، درخواست کی کہ میں اس موضوع پر ایک مقالہ سپرد قلم کروں، کیونکہ میں اس موضوع پر اپنی کتاب ''الحلال والحرام''، ''فتاوی معاصرة''، ملامح المجتمع المسلم''، اور ''الاسلام والفن'' میں لکھ چکا تھا۔

چنانچہ میرا یہ مقالہ جو البرکہ کی جانب سے ذرائع ابلاغ کے موضوع پر فقہی نقطہ نظر سے غور وخوض کرنے کی غرض سے رمضان ۱۴۱۹ھ میں منعقد ہونے والے پہلے سمینار کے لئے لکھا گیا گیا تھا، وہ اس کتاب کی اساس قرار پایا، جن کی تکمیل وتوسیع کا میں نے بیڑہ اٹھایا، تاکہ میں ایک زمانہ سے اپنے قارئین سے کئے ہوئے وعدہ کو مکمل کردوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میری یہ کتاب جب منظر عام پر آئے گی تو اس وقت مختلف طرح کے ردعمل لوگوں کی جانب سے سامنے آئیں گے، کچھ لوگ اس کی تعریف کریں گے اور کتاب کے اندر پیش کردہ نتائج سے کھل اٹھیں گے، اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے تنگدل ہو جائیں گے، اور اس کتاب کے مضامین اور مصنف پر پے در پے حملے کریں گے، جیسا کہ ہر شدید حساس موضوع پر جیسے گانے بجانے اور آلات طرب کے موضوع پر لکھی جانے والی

ہر علمی کتاب کے تعلق سے لوگوں کا برتاؤ رہا ہے۔

اور اللہ تعالی اس سے بخوبی واقف ہے کہ میرا مقصد نہ ایک فریق کو خوش کرنا ہے اور نہ دوسرے فریق کو ناراض کرنا ہے بلکہ میرا مقصد صرف اور صرف حقیقت بیانی ہے اور عصری مسائل سے مناسبت رکھنے والے شرعی اجتہاد کی وضاحت ہے، وہ بھی ایسے مسئلہ میں جس میں زمانہ قدیم سے شدید اختلاف رہا ہے، اقوال کی کثرت رہی ہے اور طوفان کی حد تک کشمکش جاری رہی ہے۔

سچائی یہ ہے کہ اب تک میری نظر سے کوئی ایسا موضوع نہیں گزرا جس میں اس درجہ اختلاف رہا ہو جتنا کہ (غنا) گانے بجانے کے موضوع میں رہا ہے، چاہے گانا بجانا کسی آلہ طرب کے ذریعہ ہو جیسے کہ میوزک یا بغیر کسی آلہ کے ہو، اور ایسا ہی خیال امام ابن جماعہ اور مسلک شافعی کے بڑے عالم علامہ ابن حجر ہیثمی وغیرہما کا ہے۔ یہ حضرات پہلے گانے بجانے کے عمل کو لفظ سماع سے تعبیر کرتے تھے کیونکہ سماع گانے بجانے کے لوازمات میں شامل ہے کیونکہ گانے والا اس لئے گاتا ہے کہ سنا جائے۔

مختلف مسلک کے پیروکار فقہاء نے اپنے اپنے مسلک کی روشنی میں غنا آلات غنا اور احکام غنا جیسے موضوعات پر خاصی توجہ دی ہے کبھی کتاب البیوع میں لہو ولعب کے آلات کی خرید بکری آیا جائز ہے یا ناجائز؟ جیسے موضوعات کو بیان کرتے ہوئے ان امور سے تعرض کیا ہے، تو کبھی کتاب النکاح میں اعلان نکاح اور اس کی خاطر دف بجائے جانے کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے تو کبھی شہادات کے باب میں قبول شہادت کے واسطے مطلوب شرائط اور کیا گانے بجانے والے اور گانا سننے والے کی گواہی قبول کی جائے گی یا نہیں؟ جیسے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے اس موضوع پر بھی گفتگو کی ہے۔

اسی طرح تغییر منکر بالید یعنی برائی کو طاقت سے روکنے والی حدیث کی تشریح کے ذیل میں جہاں یہ گفتگو کی جاتی ہے کہ تغییر منکر یعنی برائی کو روکنے کے شرائط کیا ہیں؟ وہیں یہ گفتگو

بھی کی جاتی ہے کہ گانا بجانا بھی منکر میں شامل ہے یا نہیں؟

اسی طرح میں نے بھی غنا آلات غنا اور متقدمین کی اصطلاح میں سماع کے موضوع پر بڑی تعداد میں چھوٹی بڑی کتابیں اور رسائل تصنیف کی ہے جن میں اس موضوع کے مختلف احکام جیسے استحباب اباحت کراہت چاہے مطلقاً ہو یا مقید بیان کئے گئے ہیں، ساتھ ہی متعلقہ نقطہ نظر کی حامل جماعت نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے ان کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔

علامہ کتانی نے بھی دو قیمتی کتابوں (التراتیب الاداریۃ) یا (الحکومۃ النبویۃ) میں ان تمام مصنفین کی تصنیفات کا جامع تذکرہ کیا ہے جنہوں نے غنا یا سماع کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

اس زمانہ میں بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر لکھا ہے جن میں کچھ لوگ علی الاطلاق اور خصوصاً آلہ موسیقی کے ساتھ گانے بجانے کو حرام قرار دیتے بعض حضرات مطلقاً اباحت کے قائل ہیں بعض حضرات کراہت کے قائل ہیں، تو ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے چند شرائط وقیود کے ساتھ جواز وعدم جواز کے قائل ہیں اور میں بھی انہیں لوگوں میں شامل ہوں۔

یہ وہ موضوع ہے جس کی مزید وضاحت اور اس کے مختلف گوشوں کی مختلف اسلوب بیان میں صراحت کی ضرورت زمانے سے محسوس کی جارہی تھی، خصوصاً ریڈیو اور ٹیلی ویزن کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس چیز کی ضرورت دوگنی ہوگئی، کیونکہ ان دونوں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نشر کی جانے والی خبریں لوگوں کے اندرون خانہ بھی سنی اور دیکھی جاتی ہیں، ایک طرح سے عوام الناس کی ایک ضرورت بن گئی ہے، اور پوری امت کو ان مسائل میں جن میں محکم نصوص اور واضح دلائل موجود نہیں ہیں آسان راہ کی تلاش ہے، اور خصوصاً اس پس منظر میں اس نقطہ نظر کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کہ اسلام پورے عالم کے لئے رہنما پیغام ہے جس میں ہر زمانہ کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت موجود ہے، وہ نہ روئے زمین کی صرف ایک مخصوص ریاست تک

محدود ہے اور نہ انسانی برادری کی خاص نسل تک سمٹا ہوا ہے، اس لئے اس نے بالعموم قانون سازی کرتے وقت لوگوں کے مختلف حالات مختلف طبائع اور بدلتے عرف کا پورا خیال رکھا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''**إن الأنصار يعجبهم اللهو**'' (انصار کو کھیل کود پسند ہے)، اسی طرح اہل حبشہ کو یہ اجازت دی کہ وہ لوگ اپنے نیزوں سے مسجد جیسی مقدس جگہ میں رقص کا کھیل کھیل سکتے ہیں، حضرت عائشہؓ کے گھر میں جب دو لونڈیوں نے کچھ گا کر سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہود کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے مذہب میں اس سلسلہ میں توسع ہے اور میں سیدھی سادی حنیفیت کے ساتھ اس دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔

لہذا ایسا فقیہ جو اس موضوع پر تحقیق کر رہا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس موضوع کے ان تمام تر پہلوؤں کی رعایت کرے، صرف ایک گوشہ اور ایک پہلو پر اس طرح سے کہ تمام افریقی ممالک گانے بجانے اور اس سے متعلق لہو ولعب سے بے نیاز نہیں ہیں اور پورا یورپ بلکہ پورا مغرب گانے بجانے کو اور بالخصوص اس کی بعض قسموں کو شعور ووجدان اور روحانیت کی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی توجہ مرکوز نہ کرے۔

اس کا معاذ اللہ قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم کسی ایک انسان کو خوش کرنے کی غرض سے اپنے مذہب میں تبدیلی کرلیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم ان تمام معتبر پہلوؤں کو اس حساس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت یا تحقیق کرتے وقت پیش نظر رکھیں جس کا تعلق تمام نسل انسانی سے ہے۔

کچھ لوگوں نے میرے بارے میں یہ بات عام کردی ہے کہ میں گانے بجانے کے عمل کو مطلقاً مباح سمجھتا ہوں، یہ سراسر میری جانب ایک غلط انتساب ہے میں نے کبھی نہ ایسا کہا اور نہ ایسا لکھا ہے۔

میں نے زمانہ قدیم سے اپنی کتاب ''**الحلال والحرام في الإسلام**'' یا ''**فتاوی**

معاصرة'' یا اپنی کتاب ''ملامح المجتمع المسلم الذی تنشده'' کی فصل ''اللهو واللعب'' اسی طرح اسلامی بیداری کو صحیح رخ دینے سے متعلق تصنیف شدہ پمفلٹس میں سے ''الاسلام والفن'' کا پمفلٹ وغیرہ جو کچھ تحریر کی ہے ان سب کو جو کوئی بغور پڑھے گا تو اسے صاف نظر آئے گا کہ میں کبھی بھی اس معاملے میں مطلق اباحت کا قائل نہیں رہا، بلکہ اس کی اباحت کے لئے چند شرائط وضوابط اس کی مقدار ونوعیت اس میں بیان کردہ مضمون، شکل وصورت اور ادائیگی کے لہجوں اور اس کے ساتھ شامل ہونے والے چند ایسے امور جن کی وجہ سے وہ حلال سے حرام کا درجہ اختیار کرلیتا ہے اور جواز سے عدم جواز میں تبدیل ہوجاتا ہے کے اعتبار سے طے کئے ہیں۔

اسی بناء پر میں پوری وضاحت سے یہ کہتا ہوں کہ گانا بجانا اپنی موجودہ شکل میں جس طرح آج مغرب کے ٹیلی ویزن پر یا دوسرے فضائی چینلز پر پیش کیا جاتا ہے جس میں رقص وبے حیائی کا مظاہرہ ہوتا ہے ساتھ ہی بے پردہ نازوانداز کا مظاہرہ کرنے والی نیم برہنہ یا بالکل برہنہ خواتین کی بھڑکیلی تصویریں بھی شامل ہوتی ہیں اور بدتمیزی وبے حیائی کے یہ سارے مظاہر جو موجودہ دور کے نغموں کا حصہ بن چکے ہیں محرمات میں شامل ہوچکے ہیں اور یہ حرمت اس بناء پر نہیں ہے کہ گانا کے اندر بذات خود کوئی علت حرمت پائی جارہی ہے، بلکہ اس کے اندر پائے جانے والے انہی سارے گمراہ کن محرکات وعوامل ہیں، چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ نغمہ اب سنا نہیں جاتا بلکہ دیکھا جاتا ہے بالفاظ دیگر نغمہ نے اس زمانے میں بے حیائی پر مبنی ناچ کی شکل اختیار کرلی ہے۔

## شیخ البانی کے خیر خواہانہ جذبہ کا اظہار اور ان کی بعض غلطیوں کی نشاندہی:

عالم اسلام کے مشہور محدث علامہ ناصر الدین البانی جنہوں نے میری کتاب ''الحلال والحرام فی الإسلام'' میں ذکر کردہ روایتوں کی تخریج کی ہے، اور اس کا نام ''غایۃ الحرام'' رکھا ہے، انہوں نے حدیث نمبر ۳۹۹ جو دو باندیوں کے گانا گانے سے متعلق ہے کی

تخریج کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ مصنف کو اس روایت کے سلسلے میں جو انہوں نے ابن حزم اور ابن العربی سے نقل کی ہے دوبارہ غور کرنا چاہئے، اور اس موضوع کا پوری باریکی کے ساتھ علمی طور پر مطالعہ کرنا چاہئے، کیونکہ جس چیز کی حرمت پر مذاہب اربعہ متفق ہوں اور صحیح روایتیں بھی اس کی مؤید ہوں اس کی حرمت کا قائل ہونا ایسا امر ممدوح ہے کہ اس کے خلاف کسی قول کو اختیار کرنا کسی بھی فاضل شخص کو زیب نہیں دیتا۔

میں شیخ البانی کے اس خیر خواہانہ جذبہ کی قدر کرتا ہوں اور اس موضوع پر دوبارہ غور کرتا ہوں، اور بالاستیعاب پوری باریکی و گہرائی سے اس موضوع کا مطالعہ کرتا ہوں پھر بھی اس مطالعہ کا وہ حاصل نہیں نکل پاتا جو شیخ البانی کی اصل چاہت ہے۔

اس جگہ میں یہ چاہتا ہوں کہ شیخ البانی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا کئی اعتبار سے تنقیدی جائزہ لوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مذاہب اربعہ گانا گانے کی حرمت پر متفق نہیں ہیں، خصوصاً مسلک شافعی اور امام غزالی نے اس سلسلہ میں جو قول نقل کیا ہے وہ یہ ہے **"اللھو مکروہ یشبہ الباطل"** (کھیل کود ایک ناپسندیدہ عمل ہے ناجائز سے مشابہ معلوم ہوتا ہے) اور اس طرح کمال ادفوی نے (امتاع) میں ائمہ اربعہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ گانا گانے کی حرمت پہ ائمہ اربعہ کا اجماعی مسئلہ نہیں ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ایسے موقع پر یہ کہا جاتا ہے کہ ایسے مسائل میں کوئی ایسی راہ نہ اپنائی جائے جس سے فقہاء کا اجماع ٹوٹ رہا ہو کیونکہ امت گمراہی پر کبھی متفق نہیں ہو سکتی، رہی بات مذاہب اربعہ کی یا مذاہب ثمانیہ کی تو ان کے حق میں معصومیت کی کوئی ضمانت نہیں لی گئی ہے، چنانچہ یہ دیکھا گیا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ طلاق وغیرہ کے مسائل میں مذاہب اربعہ کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور اس کی پاداش میں انہیں قید و بند کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا ہے، او ر یہ بات محقق ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے بلکہ اس کا شمار ان بیشتر مسائل میں رہا ہے — اگرچہ

ان میں اکثر کا معاملہ ایسا نہیں رہا ہے — جن کے بارے میں ائمہ کرام کی رائے ہمیشہ سے ایک دوسرے سے مختلف رہی ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ شیخ البانی بذات خود تمام علماء میں مسلکی قید و بندش سے آزاد رہنے کے سب سے زیادہ قائل رہے ہیں، بلکہ مسلکی دائرہ میں رہنے والوں پر کھری تنقید کرتے رہے ہیں، اور اتنا ہی نہیں بلکہ کتنے ایسے مسائل ہیں جن میں انہوں نے مذاہب اربعہ کے بالکل برعکس رائے اختیار کی ہے، اور کبھی تو اس اجماع کی بھی خلاف ورزی کی ہے جس کے اجماع ہونے پر بہت بڑی تعداد متفق رہی ہے، جیسا کہ "**تحریم الذهب المحلق علی النساء**" وغیرہ مسئلے میں ان کا طریقہ کار رہا ہے، تو پھر وہ یہاں اس مسئلہ میں اگر مذاہب اربعہ کی مخالفت کی جا رہی ہے تو تنقید کیوں کر رہے ہیں؟

اس پس منظر میں میں نے چند صفحات مرتب کئے ہیں اس امید کے ساتھ کہ ان کے ذریعہ انشاء اللہ صحیح صورتحال واضح ہوگی اور خدمت دین کا فریضہ بھی انجام پائے گا اور یہ دین لوگوں کے دل میں گھر کر جائے گا، اور عالمی سطح پر عوام کے رجحانات کی اس دین میں پاسداری اس کی بقاء و دوام اعتدال اور احکام کی سہولت و آسانی کا بھی اظہار ہوگا، اللہ تعالی سے دست بدعا ہوں کہ وہ مجھے صحیح توفیق بخشے، اور اگر مجھے حقیقت تک رسائی حاصل کرنے میں کامیابی مل جائے تو دوہرا اجر عطا فرمائے، اور اگر اپنی کوشش میں ناکام رہوں تو بھی اجر سے محروم نہ کرے۔

**وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب۔**

یوسف القرضاوی

صفر ۱۴۲۲ھ / مئی ۲۰۰۱ء

# (۱)

# خوبصورتی اور فنکاری اسلام کی نظر میں

# (۱) خوبصورتی اور فنکاری اسلام کی نظر میں

## حقیقت افراط وتفریط کی نذر ہوگئی:

سب سے زیادہ پیچیدہ ومبہم موضوع جو گرچہ حقیقت میں نہ سب سے زیادہ مبہم ہے اور نہ پیچیدہ، جس کا تعلق اسلامی زندگی سے ہے وہ ہے کھیل کود اور اپنے خاص فن کے مظاہرہ کا موضوع۔

ایسا اس لئے ہوا کہ اکثر لوگ اس مسئلے میں افراط وتفریط کے شکار رہیں کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق انسان کی قوت احساس اور وجدان سے زیادہ ہے، اور انسانی عقل وفکر سے کم ہے، اور جس مسئلہ کی پوزیشن ایسی ہو اس میں ایک جانب جہاں غلو پسندی سے کام لیا جاتا ہے تو دوسری جانب حد درجہ سختی برتی جاتی ہے۔

لہذا وہ لوگ جن کے نزدیک اسلامی سماج کا تصور یہ ہے کہ اسلامی سماج عبادت وریاضت سخت کوشی سے عبارت ہے، ان کے نزدیک کھیل کود ہنسی مذاق، گانے بجانے کی بالکل نہ گنجائش ہوگی اور نہ مسکرانے اور ہنسنے اور نہ تفریح ومذاق اور نہ خوشی ومسرت کے اظہار کی اجازت ہوگی۔

اور ان لوگوں کے اس تصور کو بعض ان دینداروں کے رویے سے قوت ملے گی، جو آپ کو ہمیشہ اس حال میں نظر آئیں گے کہ وہ ترش رو ہوں گے، ان کی پیشانی پر بل پڑے ہوں گے، اور غصے سے مغلوب درندوں کی طرح دانت نکالے ہوں گے، اور وہ ایسی کیفیت سے اس لئے دوچار رہتے ہیں کہ یا تو سخت مزاج ہوتے ہیں سہولت پسند نہیں ہوتے یا مایوس ہوتے ہیں یا ناکامی سے حیران وپریشان رہتے ہیں یا سست روی اور نفسیاتی انقباض کے مریض ہوتے

ہیں،لیکن وہ لوگ اپنے اس معیوب طرزعمل پر دین کا لیبل لگا کر اسے جائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی اپنی انقباض پسند خوف زدہ بدقماش فطرت کو دین پر تھوپنے کی مذموم حرکت کرتے ہیں، اور دین کا اس سلسلے میں کوئی گناہ نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ یہ لوگ دین کے تعلق سے غلط فہمی کے شکار ہیں اور نصوص کے ایک حصے پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے حصے کو نظرانداز کردیتے ہیں۔

ان حضرات کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اوپر سختی کریں جب انہیں اس پر پورا اطمینان حاصل ہوجائے، لیکن خطرہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے اس سخت طرز زندگی کو پورے سماج پر عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سماج کو اپنی رائے پر عمل کرنے پر مجبور کرتے ہیں وہ بھی ایسے مسئلے میں جس کا تعلق تمام لوگوں سے ہوتا ہے چاہے وہ شہر کے ہوں یا دیہات کے یا جنوب کے ہوں یا شمال کے یا مشرق کے ہوں یا مغرب کے۔

ان لوگوں کے برعکس جنہوں نے اپنے آپ کو خواہشات کے حوالے کر رکھا ہے، اور پوری زندگی لہو ولعب میں تبدیل کردی ہے، اور جائز وناجائز مقبول ومردود اور حلال وحرام کی تفریق ختم کردی ہے، ایسے لوگ آزادخیالی کے داعی ہوتے ہیں، ہرشیئ میں اباحت کے قائل ہوتے ہیں اورفنی مظاہرہ یا تفریح کے نام پر بے حیائی کی چیزیں چاہے وہ کھلی ہوں یا چھپی ہوں انہیں پھیلاتے ہیں اوران کی تشہیر کرتے ہیں، اوراس اصل کو بھول بیٹھتے ہیں کہ ہرشیئ میں نام یا عنوان کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اصل مضمون اور اصل مسمی (اصل شیئ یا شخصیت) کا اعتبار ہوتا ہے، اور معاملات کے جواز وعدم جواز کا معاملہ معاملات کے پس پردہ مقاصد پر مبنی ہوتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ افراط وتفریط پر مبنی ان دونوں طرح کے آراء وافکار سے بچتے ہوئے ان نصوص کی روشنی میں جو صحیح طرق سے ثابت ہیں اور صراحت کے ساتھ اپنے معانی کو بیان کرتے ہیں اور اسی طرح مقاصد شریعت اور فقہی اصول وضوابط کی روشنی میں اس موضوع پر منصفانہ نگاہ ڈالی جائے۔

اس موضوع پر میں صرف اتنا کرسکتا ہوں کہ اختصار کی تفصیل بیان کردوں کیونکہ موضوع کے الگ الگ گوشوں پر ایک سے زائد کتابیں لکھ چکا ہوں، جن میں خصوصیت کے ساتھ ''الحلال والحرام فی ال إسلام''، ''فتاوی معاصرۃ'' کی پہلی اور دوسری جلد جن میں خاص طور پر دوسری جلد اور ''ملامح المجتمع المسلم'' کی ''اللہو واللعب'' والی فصل جسے میں نے کچھ اضافوں کے ساتھ ''الاسلام والفن'' کے نام سے مستقل رسالہ کی شکل شائع کردیا ہے قابل ذکر ہیں۔

## فنی مظاہرہ کا نظریہ اور اس کے بنیادی اسباب:

جو چیز میں یہاں خلاصہ کے طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ ان اسباب وحقائق میں جلوہ گر ہیں:

## انسانی برتاؤ میں اسلام کی حقیقت پسندی:

اسلام ایک حقیقت پسند دین ہے، جس کا معاملہ تمام انسان کے ساتھ ہوتا ہے، چاہے اس کا جسم ہو اس کی روح ہو اور اس کی عقل ووجدان ہو ہر ایک کے متعلق وہ خطاب کرتا ہے اور انسان سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان تمام کو اعتدال کی حد میں اتنی غذا پہنچائے جس سے ان کی ضرورت کی تکمیل ہوسکے، اور اعتدال پسندی یہ رحمن کے بندوں کی صفت ہے: ''**والذین إذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما**'' (الفرقان: ٦٧)۔

اور ان کا یہ طریقہ کار صرف مالی معاملات ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ یہ طرز عمل تمام معاملات میں بنیادی طریقہ کار کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی دراصل امت معتدل کا معتدل طریقہ کار ہے۔

جب یہ بات مسلم ہے کہ ورزش جسم کو غذا پہنچاتی ہے، عبادت روح کو غذا پہنچاتی ہے اور علم عقل کو غذا پہنچاتی ہے، تو اسی طرح فنی مظاہرہ وجدان کو غذا فراہم کرتا ہے، فنی مظاہرہ سے ہماری مراد وہ ترقی یافتہ قسم ہے جو انسان کو بلندی سے ہمکنار کرے نہ کہ اسے

پستی کی راہ دکھائے۔

## قرآن کریم اور اس کی کائناتی جمال ومنفعت سے استفادہ کرنے کی دعوت:

یہ بات طے پا چکی ہے کہ فنی مظاہرہ کی اصل روح یہ ہے کہ جمالیاتی پہلو کو محسوس کیا جائے اور اس سے محظوظ ہوا جائے تو اس جانب قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر انسانوں کو متنبہ کیا ہے اور اس پہلو سے استفادہ کرنے کی دعوت دی ہے، چنانچہ پوری قوت کے ساتھ حسن وجمال کے اس عنصر کی جانب توجہ مبذول کراتا ہے جسے اس نے پوری مخلوق میں ودیعت فرمادی ہے ساتھ ہی اس میں منفعت بخش عناصر سے بھی فائدہ اٹھانے کی تاکید فرماتا ہے، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے لئے یہ بالکل درست ہے کہ وہ کسی بھی شیئ سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ اس کی خوبصورتی سے بھی لطف اندوز ہو، اللہ تعالی چوپایوں کی تخلیق کے ذریعہ انسانوں پر جو احسان فرمایا ہے اسے جتلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے :"**والأنعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تأكلون**"(النحل ۵:)۔

اس میں منفعت کے اس پہلو کا اظہار ہے اور آگے "**ولكم فيها جمال حين تريحون وحين تسرحون**"(النحل ۶:) میں جمالیاتی پہلو کا تذکرہ ہے، وہ اس طرح کہ رب کریم ہمیں اس ربانی خوبصورت تختہ کی جانب متوجہ فرمارہا ہے، جسے کسی مخلوق فن کار نے تیار نہیں کیا ہے، بلکہ وہ خالق سبحانہ وتعالی کا تخلیق کردہ ہے، اس سیاق میں ارشاد فرماتا ہے :"**والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة**"(النحل:۸)۔

سواری کے ذریعہ انسان کی مادی منفعت کی تکمیل ہوتی ہے، اور رہی بات زینت کی تو یہ فنی اور جمالیاتی طور پر لطف اندوز ہونے کا نام ہے جس سے تمام بنی نوع انسانی کی تمام تر ضروریات عملی شکل میں پوری ہوتی ہیں۔

اس سورہ کے اسی سیاق میں سمندر کی تسخیر پر احسان جتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

"وهو الذی سخر البحر لتأکلوا منه لحماً طریاً وتستخرجوا منها حلیة تلبسونها"۔

اس آیت کریمہ میں رب کریم نے سمندر کے فائدہ کو کھائے جانے والے تروتازہ گوشت میں پائے جانے والے مادی عنصر پر منحصر نہیں فرمایا تاکہ اس سے صرف جسم انسانی ہی فائدہ اٹھاسکے، بلکہ اس میں ان زیورات کو بھی شامل فرمایا جو زیب وزینت کی خاطر پہنے جاتے ہیں، تاکہ اس کی خوبصورتی سے آنکھ اور دل دونوں ہی فیضیاب ہوں۔

اس طرح کی قرآنی ہدایت قرآن کریم میں ایک سے زائد موضوعات پر متعدد بار وارد ہوئی ہیں، جن میں نباتات کھیتی باغات انگور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے ہیں کے موضوعات شامل ہیں، اللہ تعالی سورہ انعام میں ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے: "**کلوا من ثمرہ إذا أثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا إنہ لا یحب المسرفین**" (الانعام: ۱۴۱) (ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آوے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو اور حد سے مت گذرو یقینا وہ حد سے گزرنے والے کو ناپسند کرتے ہیں)۔

اسی سورہ کے ایک دوسرے مقام پر کھیتی، کھجور اور انگور کے باغات کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے : "**انظروا إلی ثمرہ إذا أثمر وینعہ إن فی ذلکم لآیات لقوم یؤمنون**" (انعام: ۹۹) (ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو ان میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں)۔

تو جس طرح جسم کو پھل نکلتے وقت پھل کھانے کی چاہت ہوتی ہے اس طرح دل کو پھل کو پھلتا اور پکتا دیکھ کر آسودگی حاصل کرنے کی چاہت ہوتی ہے، اس تصور کے نتیجے میں انسان اس سطحی سوچ سے بالاتر ہوجاتا ہے کہ اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے وہ ہے پیٹ کی آسودگی۔

مثال کے طور پر ارشاد باری تعالی ہے: "**یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل**

**مسجد وکلوا واشربوا ولا تُسرفوا إنه لا یُحب المسرفین قُل من حرّم زینة الله التی أخرج لعبادہ والطیبات من الرزق**" (الاعراف:۳۱-۳۲) (اے اولاد آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت زینت اختیار کیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو بے شک اللہ تعالی پسند نہیں کرتے حد سے نکلنے والوں کو آپ فرمائیے کہ اللہ تعالی کی پیدا کی ہوئی زیب وزینت کو جسے اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے)۔

زیب وزینت اختیار کرنا یہ وجدانی ضرورت ہے اور کھانا اور پینا جسمانی ضرورت ہے اور دونوں ہی مطلوب ہے۔

اسی طرح دوسری آیت میں استفہام انکاری دوامر سے متعلق ہے، ایک زینت الٰہی کو حرام ٹھہرانے سے دوسرے پاکیزہ رزق کو حرام قرار دینے سے، اور زینت الٰہی اس منفعت کے پہلو میں جو رزق حلال کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جمال کے اس عنصر کو پیش کرتی ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے واسطے فراہم کیا ہے، ساتھ ہی یوں بھی غور کریں کہ "زینة الله" کی ترکیب اضافی ہے جس میں لفظ "زینة" کی اضافت ذات باری تعالی کی جانب ہے جس سے اس لفظ کی عظمت وبلندی کا اظہار ہوتا ہے۔

اس سیاق میں ان دونوں آیتوں سے پہلے لباس کے سلسلے میں اللہ تعالی کا یہ قول بھی مذکور ہوا ہے: "**یا بنی آدم قد أنزلنا علیکم لباساً یواری سوءآتکم وریشا ولباس التقوی ذلک خیر**" (الاعراف:۲۶) (اے اولاد آدم ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقوی کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے)، آیت کریمہ نے اس لباس کی (جسے پیدا فرما کر اللہ تعالی نے بندوں پر احسان کیا ہے) کئی قسمیں بتائی ہے اگر آپ چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ آیت کریمہ میں لباس کے کئی مقاصد بیان کئے گئے ہیں، ستر کا مقصد "یواری سوءاتکم" کے ذریعہ بیان کیا گیا زیب وزینت اور

آراستگی کا مقصد ''وریشاً'' کے ذریعہ بتلایا گیا تو گرمی اور خنکی سے حفاظت کا مقصد ''ولباس التقوی'' کی ترکیب سے واضح کیا گیا۔

## مؤمن کائنات زندگی اور انسان کی خوبیوں کو بڑی گہرائی کے ساتھ محسوس کرتا ہے :

قرآنی باغات کی سیر کرنے والا پوری وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے کہ قرآن کریم کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہر صاحب ایمان کے قلب ودماغ کی اس طرح آبیاری کرنا چاہتا ہے جس سے اسے کائنات میں موجود تمام تر خوبصورتی چاہے وہ اس کے اوپر ہو یا اس کے نیچے یا اس کے اردگرد آسمان زمین نباتات حیوانات اور انسان کے ظاہر وباطن سے متعلق ہو کا پوری طرح احساس ہوتا رہے۔

آسمان کی خوبصورتی سے متعلق ارشاد باری تعالی ہے :

**''أفلم ينظروا إلى السماء فوقهم كيف بنيناها وزيّناها ومالها من فروج''** (ق:۶) ( کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا ہم نے کیسا اس کو بنایا اور اس کو رونق دی اور اس میں کوئی رخنہ نہیں )۔ **''ولقد جعلنا فى السماء بروجا وزيّناها للناظرين''** (الحجر:۱۶) (اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اسے رونق دی )۔

زمین اور اس کے نباتات کی خوبصورتی کے بارے میں ارشاد ہے :

**''والأرض مددناها وألقينا فيها رواسي وأنبتنا فيها من كل زوج بهيج''** (ق:۷) (اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ ڈال دیئے اور اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز اگائی )، **''أنزل لكم من السماء ماء فأنبتنا به حدائق ذات بهجة''** (النحل : ۶۰ ) (اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس سے رونق والے باغ اگائے )۔

حیوانات کی خوبصورتی کا تذکرہ سورہ انعام کی اس آیت میں ہے جو اس سے پہلے ذکر

کی جا چکی ہے :"ولکم فیها جمال حین تریحون وحین تسرحون" (النحل :٦) (اوران میں تمہارے لئے رونق ہے جبکہ شام کے وقت ان کو لاتے ہو اور جب صبح کے وقت چھوڑتے ہو اور انسان کے جمال کا اظہار یوں کیا گیا ہے :

"وصورکم فأحسن صورکم" (التغابن: ٣) (اور اس نے تمہاری صورت بنائی تو نہایت اچھی بنائی)، "الذی خلقک فسواک فعدلک فی أی صورة ما شاء رکبک" (الانفطار: ٧،٨) (اے انسان تجھ کو کس چیز نے اپنے رب کی طرف سے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو پیدا کیا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو متناسب بنایا جس صورت میں چاہا تم کو ترتیب دے دیا)۔

ایمان والا بندہ اس انوکھی کائنات میں جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس میں اسے رب کریم کا منفرد طرز تخلیق نظر آتا ہے، اور ہر شیئ کی تخلیق اور اس کی صورت گری میں پنہاں خوبصورتی کے اندر اللہ تعالی کے جمال کا نظارہ کرتا ہے اور ان آیات کریمہ "صنع الله الذی أتقن کل شیئ" (النمل: ٨٨) (یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو محکم کیا) اور "الذی أحسن کل شیئ خلقه" (السجدہ: ٧) (اس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی) کی عملی تفسیر اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے اسی بنا پر ایمان والا اپنے اردگرد کی ہر شیئ کی خوبصورتی سے محبت کرتا ہے کیونکہ وہ خوبصورتی باری تعالی کے جمال کا پرتو ہوتی ہے اور اس طرح وہ ذات اقدس بھی جمال کو پسند کرتی ہے کیونکہ جمیل اس کے اسمائے حسنیٰ اور بلند و بالا صفات کا ہی ایک جز ہے اس لئے وہ بھی (بندہ مؤمن) خوبصورتی کو پسند کرتا ہے کیونکہ یہ اس کے رب کی خوبی ہے لہذا یہ بھی جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے :"إن الله جمیل یحب الجمال"۔

اللہ تعالی خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے یہی تعلیم نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو دی تھی، بعض صحابہ کرام کو یہ وہم ہوا کہ کہیں خوبصورتی سے غایت درجہ محبت ایمان کے منافی نہ ہو یا خوبصورتی پسند انسان اس تکبر و برتری میں شامل نہ ہو جائے جو اللہ تعالی اور

عامۃ الناس کے نزدیک بھی ناپسندیدہ اور موجب وبال رہی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر " (جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر وتکبر ہوگا)، اس پر ایک صحابیؓ نے دریافت فرمایا اگر کوئی شخص یہ پسند کرے کہ اس کا کپڑا خوبصورت ہو اور جوتا چپل بھی خوبصورت ہو تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا : "إن الله جمیل یحب الجمال " (بے شک اللہ تعالی خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے) اور تکبر یہ ہے کہ حق کو محض کبر کی بنا پر ناپسند کرنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا۔

## قرآن کریم جمالیاتی معجزہ کا نمونہ ہے :

قرآن کریم اسلام کی بڑی نشانی ہے اور رسول اکرم ﷺ کا بڑا معجزہ ہے، قرآن کریم عقلی طور پر جہاں معجزہ ہے وہیں جمالیاتی اعتبار سے بھی معجزہ ہے، کیونکہ اس کا اسلوب بیان، عبارت کی خوبصورتی، لہجہ کی انفرادیت اپنے آپ میں اس درجہ خوبیوں سے مالا مال ہے کہ سارا عرب اس کے سامنے سر تسلیم خم کر چکا ہے یہاں تک کہ بعض عرب نے اسے جادو سے تعبیر کیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ عبد القاہر سے لے کر سید قطب اور بنت الشاطئ وغیرہ تک جو ہمارے اس دور کی نمایاں شخصیات رہی ہیں عربی زبان کے تمام ادباء اور بلاغت کے ماہر علماء نے قرآن کریم کے اعجاز بیانی اور جمالیاتی پہلو پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

اور قرآن کریم کی تلاوت میں بھی یہ مطلوب ہے کہ اسلوب وعبارت کی خوبصورتی کے ساتھ آواز اور طرز ادائیگی کا حسن بھی شامل ہو، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا یہ فرمان ہے: "ورتل القرآن ترتیلاً" (المزمل: ۴) (اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا :"زيّنوا القرآن بأصواتكم" (قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے سنوارو)۔ یہی روایت دوسرے الفاظ میں یوں آئی ہے: "فإن الصوت الحسن يزيد القرآن حسناً" (کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے)۔ دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے :"ليس منا من لم يتغنّ بالقرآن" (وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے قرآن کریم کو خوبصورت آواز میں نہ پڑھا ہو)، لیکن خوبصورت آواز میں پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآنی الفاظ وعبارت سے کھلواڑ کیا جائے یا اس میں کسی قسم کی تحریف کو جائز سمجھا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ ؓ سے فرمایا اگر تم مجھے دیکھتے جب میں کل رات تیری تلاوت سن رہا تھا مجھے آل داؤد کی زبور دی گئی تو حضرت ابوموسیٰ ؓ نے فرمایا اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو میں اور زیادہ اچھی آواز میں تلاوت کرتا، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالی نے کسی چیز کی اتنی اجازت نہیں دی جتنی ایک نبی (ﷺ) کو خوش الحانی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی اجازت دی۔

مجھ سے میرے استاذ ڈاکٹر محمد عبد اللہ دراز (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک مرتبہ سپریم کونسل برائے نشریات کی ایک میٹنگ میں جس کے وہ ممبر تھے اپنے پیش کردہ موقف کے تعلق سے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ ذمہ داران اور دوسرے ممبر حضرات کی یہ چاہت تھی کہ پروگرام کے آغاز اور اختتام اور دوسرے اوقات میں قرآن کریم کی جو تلاوت نشر کی جاتی ہے بس اس کو دین کے خانے میں شمار کر لیا جائے تو میں نے ان حضرات سے یہ عرض کیا کہ قرآن کریم کا سننا بس اتنا ہی دین نہیں ہے بلکہ اس کی فنی خصوصیتوں اور اس میں ودیعت شدہ خوبیوں سے متاثر ہونا بھی دین کا جزء ہے اور یہی حقیقت بھی ہے کیونکہ قرآن کریم دین علم ادب اور فن کا مجموعہ ہے، وہ روح کو غذا فراہم کرتا ہے، عقل کو مطمئن کرتا ہے اور ضمیر کو بیدار کرتا ہے، عاطفہ کو لذت بخشتا ہے اور زبان کو صیقل کرتا ہے۔

## اظہار جمال بھی مشروع ہے :

جب یہ بات طے پائی کہ اسلام جمال وکمال اور ظاہری و باطنی حسن کو پسند کرنے اس سے متاثر ہونے اور لطف اندوز ہونے کی دعوت دیتا ہے، تو وہیں اس نے اس امر کو بھی مشروع قرار دیا ہے کہ حسن کے اس تاثر کو اور خوبصورت شیئ پر اپنی فریفتگی اور شیفتگی کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر بیان کیا جائے اور دوسروں کے اندر بھی ایسا ہی احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

## فن قولی اور فن ادبی :

جمالیاتی پہلو سب سے زیادہ فن قول میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے چاہے وہ شعر وشاعری اور نثر نگاری کی صفت ہو یا مقامات (وہ خطبہ یا روایت جو مجمع عام میں بیان کی جائے) قصہ گوئی جنگ وجدال اور تمام ادبی انواع کی صفت ہو، نبی کریم ﷺ نے اشعار سنا ہے اور ان سے متاثر بھی ہوئے ہیں جن میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ "بانت سعاد" اور اس قصیدہ کی ایک مشہور غزل اور قصیدہ نابغہ جعدی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ شاعر کی شعری بلندی کے لئے دعا بھی فرمائی ہے، اشعار سے آپ ﷺ نے دعوت دین کا کام بھی انجام دیا ہے جیسا کہ حضرت سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار کے ساتھ آپ کا تعامل رہا ہے، اور اس طرح اپنی گفتگو میں اشعار سے استدلال بھی کیا ہے جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی وہ ہے لبید کا یہ شعر **"ألا کل شيئ ما خلا الله باطل"** (سن لو اللہ تعالی کے علاوہ ساری چیز باطل ہے)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی اشعار کو بطور دلیل پیش کیا ہے، اشعار کے ذریعہ قرآن کی تفسیر بھی کی ہے، بلکہ ان میں تو بعض ایسے بھی تھے جنہیں اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی جیسا کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے اسی طرح صحابہ

کرام کی ایک بڑی تعداد شاعر تھی، وقت کے بڑے بڑے ائمہ میں بھی بہت سے لوگ شاعر تھے جیسے امام عبداللہ بن مبارک، امام محمد بن ادریس شافعی وغیرہ۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا : شعر وشاعری میں حکمت وموعظت کی چیزیں شامل ہوتی ہیں، ''بیان میں جادو جیسی تاثیر ہوتی ہے''، دوسری روایت میں ہے : ''بیان میں جادوئی اثر ہوتا ہے اور شاعری میں حکمت پنہاں ہوتی ہے''۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ شاعری جو حکمت وموعظت سے پرے ہو بلکہ اس کے برعکس مضامین پر مشتمل ہو جیسے وہ اشعار جن میں لہو ولعب کو خوبصورت بنا کر پیش کیا گیا ہو، اور فخر وانانیت کے جھوٹے دعوے کئے گئے ہوں، حد درجہ کسی کی ہتک عزت کی گئی ہو، غزل میں بے حیائی کا عنصر غالب ہو اور انہی جیسے دیگر وہ مضامین جو اخلاق عالیہ سے ذرہ برابر میل نہ کھاتے ہوں غیر معتبر سمجھے جائیں گے۔

اس لئے قرآن کریم نے ان شعراء کی مذمت کی ہے جو تقوی و پرہیزگاری سے دور ہوتے ہیں، بیہودہ باتوں کو شعری قالب میں ڈھال کر خوبصورت بنانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے اقوال وافعال میں تضاد ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے :

**''والشعراء یتبعهم الغاؤون ألم تر أنهم فی کل واد یهیمون وأنهم یقولون ما لا یفعلون إلا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وذکروا الله کثیراً وانتصروا من بعد ما ظلموا''** (الشعراء: ۲۲۴، ۲۲۷) (اور شاعروں کے پیچھے بے راہ لوگ چلتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے اللہ کو بہت یاد کیا اور انہوں نے بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا)۔

شاعری اور ادب عمومی طور پر اور فن اور بھی زیادہ عمومیت کے ساتھ اپنے مقاصد اور ذمہ داری کے دائرہ میں آتے ہیں انہیں کسی طرح کی آزادی حاصل نہیں ہے لہذا شاعری ہو ادب ہو یا فن یہ سب کے سب اصول وضوابط کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں، رہی بات اس شعری

اور ادبی اسلوب کی جس کے ذریعہ شعر وادب کا وجود ہوتا ہے، اس میں ترمیم کرنے اور اس سلسلہ میں اس سے استفادہ کرنے کی راہ میں کوئی چیز شرعی طور پر مانع نہیں ہے، اصل چیز مقصد مضمون اور ذمہ داری کا درست ہونا ہے۔

عرب نے زمانہ قدیم میں شعر گوئی کی ایک صنف ایجاد کی تھی جسے موشحات کے نام سے جانا جاتا ہے جن میں اشعار خاص اوزان وقوافی پر نظم کئے جاتے ہیں مگر اس میں ناظم ایک ہی قافیہ کا پابند نہیں ہوتا اور یہ ایجاد دراصل اندلسی شعراء کی ہے، اس لئے جس طرح آج کل آزاد شاعری کی جاتی ہے اس کے اسلوب کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ شاعری کا مضمون شرعی طور پر صحت مند ہو۔

اس طرح عرب نے اسلامی دور میں نئے نئے ادبی اسلوب ایجاد کئے جو ہمیں مقامات اور خیالی قصوں کی صنف میں نظر آتے ہیں، ''رسالۃ الغفران'' اور ''ألف لیلہ ولیلہ'' یہ دونوں کتابیں اس اسلوب کے نمونے کے طور پر ذکر کی جاسکتی ہیں۔

''کلیلۃ ودمنۃ'' اور متاخرین ادباء نے قبائلی جنگوں کے واقعات جس ادبی اسلوب میں ''قصۃ عنترہ'' اور سیرۃ ''بنی ہل'' جیسی کتابوں میں لکھا ہے اسے بھی عرب کے اسلامی دور کی ایجاد قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس زمانہ میں بھی ہمیں اس کی پوری آزادی حاصل ہے کہ اپنی خواہش کے مطابق نئے اسلوب ایجاد کریں اور اس سلسلہ میں غیروں کی بھی اتنی تقلید کریں جتنی ہمارے لئے فائدہ مند ہو، جیسے کہ ڈرامہ روایت اور چھوٹے چھوٹے قصوں کو لکھتے وقت اس تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سمت میں پیش رفت کی جاسکتی ہے۔

مگر اس وقت ہم جس چیز کی تاکید کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم اپنی تمام نگارشات میں فصیح عربی لکھنے کا التزام کریں، اور عامیانہ اسلوب نگارش کو رواج دینے سے گریز کریں اور نہ اس طرح کی کسی بھی مشتبہ کوشش کا حصہ بنیں کیونکہ یہ اسلوب جہاں ایک طرف

عرب اقوام کے لئے نامانوس ہے وہیں دوسری طرف عرب قوم کو کتاب وسنت سے دور کرنے کی اور انہیں علاقائی وریاستی بنیادوں پر بانٹنے کی گہری سازش کا حصہ ہے جسے اسلام اور عرب دشمن طاقتیں رواج دے کر اپنے مذموم مقاصد کو عملی شکل دینا چاہتی ہیں۔

مگر عربی زبان کا وہ آسان اسلوب جسے عرب عوام الناس سمجھتے ہیں اور اس میں روز ناموں میں ریڈیو اور ٹیلی ویزنوں پر خبریں نشر کی جاتی ہیں اس دائرہ میں نہیں آتا۔

فصیح عربی میں لکھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ عرب اور دیگر ان مسلمانوں کو جو عربی سیکھتے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے قریب کرتے ہیں کیونکہ غیر عرب مسلمان فصیح عربی ہی سیکھتے ہیں اور وہ اس اسلوب میں ہی ایک دوسرے سے ہم کلام ہو سکتے ہیں۔

مجھ سے کئی ایک جگہ پر یہ سوال کیا گیا کہ ڈرامہ اور قصہ نگاری کے بعض ان اسالیب کی شرعی طور پر کیا حیثیت ہے؟ جن میں قصہ نگار یا ڈرامہ لکھنے والا مصنف چند فرضی شخصیات کا تذکرہ کرتا ہے اور ان سے ایسے اقوال وافعال منسوب کرتا ہے جو حقیقت سے دور ہوتے ہیں تو کیا یہ طرز نگارش شرعی طور پر اس دروغ بیانی میں شامل ہے جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے؟

تو میں نے جواب دیا کہ یہ طرز عمل اس دروغ بیانی کا حصہ نہیں ہے جو شرعاً حرام ہے کیونکہ سننے والا اچھی طرح سے یہ جانتا ہے کہ مصنف کا مقصد قطعاً یہ نہیں کہ وہ قاری کو ایسے واقعات سے مطلع کرے جو حقیقت میں وقوع پذیر ہوئے ہوں، بلکہ یہ منہج اس طرز کلام کے مشابہ ہے جس میں پرندوں اور جانوروں کی زبانی گفتگو کی جاتی ہے، لہذا اسے فنی صورت گری کا نام دیا جاسکتا ہے اور لوگوں کی زبانی ان خیالات کا اظہار ہے جنہیں وہ ایسے موقع پر بیان کرسکتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم نے چیونٹی کی بات چیونٹی کی زبانی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ہدہد کی بات ہدہد کی زبانی نقل کی ہے جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں نے اس طرح فصیح عربی میں گفتگو نہیں کی تھی، تو یہ قرآن کریم کی دراصل ترجمانی ہے کہ ان دونوں نے ایسے موقع پر ایسی ممکنہ گفتگو کی ہے۔

ڈرامہ نگاری میں ذاتی طور پر میری بھی حصہ داری ہے وہ اس طرح کہ میں نے دو طرح کے ڈرامے لکھے ہیں ایک شعری ڈرامہ جو حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق ہے، جو میری ادبی زندگی کے ابتدائی دور کا سرمایہ ہے اس وقت میں ثانویہ اولی کا طالب علم تھا، اوران دنوں شوقی کے مشہور ڈراموں سے بہت زیادہ متاثر تھا۔

دوسرا حضرت سعید بن جبیر اور حجاج بن یوسف سے متعلق ہے جو تاریخی ہے جس کا نام ''عالم وطاغیۃ'' ہے، پہلے کے برعکس اس کی خوب پذیرائی ہوئی، کیونکہ پہلا ایک نبی مرسل کے قصے سے متعلق تھا اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جگہ دوسرے کو بطور مثال پیش نہیں کیا جاسکتا۔

# قابل سماعت جمال

## گیت اور میوزک

جونصوص میں نے ذکر کئے ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام نے جمال وخوبصورتی کو نہ صرف یہ کہ نمایاں انداز میں بیان کیا ہے بلکہ انسان کے اس حاسہ کی خصوصی تربیت بھی کی ہے جس کے ذریعہ انسان اس پوزیشن میں ہوجاتا ہے کہ وہ خوبصورتی کا احساس کرسکے اور اپنی زندگی کے مختلف میدانوں میں اس کا چٹخارہ لیتا رہے۔

جمال کا ایک پہلو وہ ہے جو انسان کے حاسہ سامعہ سے متعلق ہے اور دوسرا پہلو وہ ہے جو حاسہ باصرہ سے متعلق ہے اور بھی پہلو ہیں جو دیگر حاسوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس وقت ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم قابل سماعت جمال کے بارے میں گفتگو کریں دوسرے الفاظ میں گیت راگ چاہے وہ میوزیکل آلہ کے ذریعہ ہو یا بغیر کسی آلہ کے، ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اس بڑے سوال کا جواب دیں کہ گیت اور میوزک کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

### غناء کی لغوی تعریف :

قاموس اور اس کی شرح میں لکھا ہے : ''غناء یہ کِساء کے وزن پر ہے اس آواز کو کہتے ہیں جو انسان کو خوش کردے، الصحاح میں مذکور ہے : الغناء — کسرہ کے ساتھ ہے — قابل سماعت سر کو کہتے ہیں، ''النہایۃ'' میں ہے کہ غِناء تسلسل کے ساتھ آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں، ابوسلیمان خطابی (رحمۃ اللہ علیہ) رقم طراز ہیں جو کوئی تسلسل کے ساتھ بلند آواز میں کوئی

بات کہے تو اسے ہی غناء کہتے ہیں، اکثر وبیشتر اس لفظ کا استعمال اس سر کے لئے ہوتا ہے جس کا سننا دشوار ہو یا اس لہجہ کے لئے جسے سن کر آدمی غمزدہ ہو جائے، اسی لئے عرب یوں استعمال کرتے ہیں غنت الحمامۃ ( کبوتری نغمہ سرا ہوئی ) وتغنی الطائر ( پرندہ نے گانا گایا ) مجنون کہتا ہے :

ألا قاتل الله الحمامة غدوة　　على الغصن ما ذا هيجت حين غنت

تغنت بصوت أعجمي فهيجت　　هواى الذى كانت ضلوعى أجنت

( سن لو! اللہ تعالی اس کبوتری کا برا کرے جس نے صبح کے وقت ٹہنیوں پر بیٹھ کر اس طرح نغمہ سرا ہوئی کہ اس سے کتنی دبی ہوئی چیزیں برانگیختہ ہوگئیں، ایک نامانوس آواز میں اس طرح چہچہانے لگی کہ اس سے میری وہ تمام ترخواہشات تازہ ہوگئیں جنہیں ہماری پسلیوں نے مدتوں سے چھپا رکھا تھا )۔

ابن القوطیہ نے اپنی کتاب میں مقصور وممدود یعنی وہ کلام جسے دبے لفظوں میں پڑھا جاتا ہے اور جسے کھینچ کر پڑھا جاتا ہے کے باب میں لکھا ہے کہ وہ گیت جو سنا جاتا ہے اسے کھینچ کر پڑھتے ہیں، فراء کہتا ہے :

تغن بالشعر أما كنت قائله

إن الغناء بهذا الشعر مضمار

(اس شعر کو کھینچ کر پڑھو جو تم نے کہا ہے، یقینا اس شعر کو کھینچ کر پڑھنا محاذ آرائی کے برابر ہے )۔

اور المحکم میں لکھا ہے کہ وقد غنّى بالشعر وتغنّى به وبينهم أغنية يتغنون بها، جس میں بلند آوازی کا عنصر شامل ہے یہ بھی گیت کی ہی ایک قسم ہے۔

## گانا اور میوزک کے سلسلہ میں اسلام کا حکم کیا ہے؟

یہ دراصل ایک سوال ہے جو بار بار مختلف اوقات میں مختلف میدانوں میں کام کرنے والے افراد کی زبانوں پر آیا کرتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں جمہور مسلمان کا نقطہ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہے، اور اس سلسلہ میں ان حضرات کا تعامل بھی نقطہ نظر کے اختلاف سے باہم مختلف ہے، ان میں سے بعض حضرات وہ ہیں جو ہر طرح کے گانا اور ہر طرح کی میوزک کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ ان حلال و پاکیزہ اشیاء کے زمرہ میں آتا ہے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے واسطے مباح بنایا ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو ریڈیو سے کسی بھی قسم کا گیت نشر ہوتے وقت اپنے دونوں کان بند کر لیتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ گانا یہ شیطان کا آلہ طرب ہے، لہوالحدیث کے دائرہ میں آتا ہے، اور اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کر دیتا ہے اور اس کی قباحت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب گانے والی عورت ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک عام حالت میں عورت کی آواز بھی پردہ میں داخل ہے تو پھر گیت کی صورت میں بدرجہ اولی ایسی آواز کا سننا حرام ہوگا، یہ حضرات اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے واسطے چند آیات روایات اور اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔

ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو ہر طرح کی میوزک کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

تیسرا فریق مذکورہ دونوں فریقوں کے درمیان تذبذب کی حالت میں ہے، کبھی اس کا میلان فریق اول کی جانب ہوتا ہے تو کبھی فریق ثانی کی طرف، اس اہم موضوع پر علماء اسلام سے دوٹوک تشفی بخش جواب کا منتظر ہے، کیونکہ یہ موضوع جہاں ایک طرف لوگوں کے جذبات اور روزمرہ کی زندگی سے جڑا ہوا ہے تو دوسری طرف ریڈیو ٹیلی ویزن کی نشریات چاہے سنی جانے والی ہو یا دیکھی جانے والی آج تمام لوگوں کے گھر میں سنجیدہ وغیر سنجیدہ شکل میں داخل ہوچکی ہیں، اور اپنی میوزک اور گیتوں کے ساتھ لوگوں کے لئے باعث کشش بن چکی ہیں چاہے لوگ اس پر برضا ورغبت آمادہ ہوں یا نہ ہوں۔

گیت آلہ طرب یعنی میوزک کے ساتھ ہو یا بغیر کسی آلہ کے اس کی حلت وحرمت کے سلسلہ میں زمانہ قدیم سے علماء اسلام کے درمیان اختلاف رہا ہے، اگر کچھ پہلوؤں پر ان کا اتفاق

رہا ہے تو کچھ پر اختلاف۔

علماء اس پر متفق ہیں کہ ہر وہ گیت جس میں بے حیائی فسق وفجور کا تذکرہ ہو اور گناہ کی دعوت دی جا رہی ہو تو حرام ہے کیونکہ گیت بھی کلام کی ایک صنف ہے لہذا جو کلام اچھے مضامین کا حامل ہوتا ہے اسے اچھا کہا جاتا ہے اور جو برے مضامین پر مبنی ہوتا ہے اسے برا کہا جاتا ہے، اور اگر عام نوعیت کا کلام بھی حرام امور پر مشتمل ہوتا ہے تو اسے بھی حرام سمجھا جاتا ہے تو پھر وہ بات یا وہ کلام جس میں موزونیت نغمگی اور تاثیر کا عنصر شامل ہو جائے تو اسے کہیں زیادہ حرام ہونا چاہئے۔

اس طرح کے گیت کے علاوہ وہ گیت جو تمام تصنعات سے پاک ہو، آلات طرب سے اور انسانی جذبات کو چھیڑنے والے عناصر سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو تو اس کے مباح ہونے پر علماء کرام کا اتفاق ہے، وہ بھی ایسے خوشی کے موقع پر اس طرح کے نغمہ گانے سننے کی اجازت ہے جسے شریعت نے مشروع سمجھا ہو جیسے کہ شادی بیاہ کا موقع ہو یا کسی گمشدہ شخص کے گھر لوٹنے کا موقع ہو یا پھر عیدین کا موقع ہو، بشرطیکہ غیر محرم کی محفل میں نغمہ سرائی کرنے والی کوئی خاتون نہ ہو۔

اس مسئلہ میں چند صریح نصوص بھی موجود ہیں جو پوری صراحت کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت کر رہے ہیں جنہیں ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

اس صورت کے علاوہ دوسری تمام صورتوں میں علماء کرام کا اختلاف ایک طرح سے جگ ظاہر ہے، ایک طبقہ وہ ہے جس نے ہر طرح کی نغمہ سرائی کو چاہے آلہ طرب کے ذریعہ ہو یا بغیر کسی آلہ کے بالکلیہ جائز گردانا ہے، بلکہ اس عمل کو چاہے وہ جس شکل میں انجام دیا جائے مستحب سمجھا ہے، ایک طبقہ آلہ طرب کی صورت میں عدم جواز کا قائل ہے اور بغیر آلہ طرب کی صورت میں جواز کا، اور ایک طبقہ وہ ہے جس نے علی الاطلاق حرام قرار دیا ہے بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے اس کام کو گناہ کبیرہ شمار کیا ہے۔

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم اس مسئلہ کی کچھ تفصیل بیان کر دیں اور اس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کر دیں تا کہ حرام کے مقابلے حلال کا تسلیم شدہ

پہلونمایاں ہوجائے، واضح دلائل کی روشنی میں تقلیدی نقطہ نظر سے گریز کرتے ہوئے، اس تگ ودو کا سوائے اس کے کوئی دوسرا مقصد نہیں کہ اصل معاملہ سے واقفیت ہوجائے اور دین کی صحیح بصیرت حاصل ہوجائے۔

اور یہی علماء کی بنیادی ذمہ داری ہے ایسے دشوار اور پیچیدہ مسئلوں میں جن میں بظاہر حقیقت مشتبہ ہوتی ہے، پاؤں پھسل جاتے ہیں اور عقل وخرد بھٹک جاتے ہیں، ایسی جگہوں پر لوگوں کو ایسے گائڈ کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے لئے ہری بتی جلا دے تاکہ لوگ چلتے چلے جائیں یا پھر لال بتی جلا دے تاکہ لوگ رک جائیں، ہم اللہ تعالی سے دعاء گو ہیں کہ رب کریم ہمارے لئے حق کو واضح کردے اور اس کی اتباع کی توفیق بھی دے اور باطل کو بھی واضح اور اس سے بچنے کی ہمت عنایت فرمائے۔

سب سے پہلے ہم ان لوگوں کے دلائل ذکر کریں گے جو اس مسئلہ میں حرمت کے قائل ہیں ان کی ایک ایک دلیل پر بحث کریں گے، جب اس سے فارغ ہوجائیں گے تو پھر اباحت کے جو قائل ہیں ان کے دلائل یکے بعد دیگرے ذکر کریں گے اور اس رائے کو ترجیح دیں گے جسے دلائل سے اور شریعت میں معتبر پہلوؤں کی رو سے تقویت ملے گی۔

# (۲)

# حرمت کے قائلین کے دلائل
# اور ان کی معتبریت کا تحلیل وتجزیہ

# حرمت کے قائلین کے دلائل اور ان کی معتبریت کا تحلیل وتجزیہ

نغمہ سرائی کو — خصوصاً جبکہ یہ عمل آلہ طرب کے ذریعہ ہو — حرام قرار دینے والے طبقے نے درج ذیل نوعیتوں کے دلائل سے استدلال کیا ہے جن کی جواز کے قائل حضرات نے تردید کی ہے :

۱ — سب سے پہلے اس طبقہ نے قرآن کریم کی آیتوں سے استدلال کیا ہے۔

۲ — دوسرے نمبر پر احادیث مرفوعہ وموقوفہ کی ایک بڑی تعداد سے استدلال کیا ہے۔

۳ — تیسرے نمبر پر اجماع سے جبکہ نغمہ سرائی آلہ طرب کے ذریعہ ہو استدلال کیا ہے۔

۴ — چوتھے نمبر پر سد ذرائع کے قاعدہ سے استدلال کیا ہے۔

۵ — پانچویں نمبر پر احتیاط اور شبہات سے گریز کرنے کے اصول سے استدلال کیا ہے۔

ذیل کی سطروں میں ہم ان میں سے ہر ایک دلیل کو علیحدہ علیحدہ نقل کرتے ہیں پھر ہر ایک کا جواب دیتے ہیں۔

## اول : قرآن کریم کے دلائل

نغمہ سرائی کی حرمت کے قائل علماء متعدد آیات کریمہ سے استدلال کرتے ہیں جنہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں اور ان پر اس زاویہ سے بحث کرتے ہیں کہ آیا وہ آیتیں گانا گانے کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں یا نہیں؟

### ۱ — آیت (من یشتری لهو الحدیث) :

ارشاد ربانی ہے : "ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله

بغیر علم ویتخذھا ھزوا أولئک لھم عذاب مھین ‘‘ (لقمان: ٦) (اورلوگوں میں کوئی ایسا ہے جوان باتوں کا خریدار بنتا ہے جوغافل کرنے والی ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے گمراہ کرے بغیر کسی علم کے اور اس کی ہنسی اڑائے ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے صحیح سند سے یہ مروی ہے کہ آیت کریمہ میں ’’لہوالحدیث‘‘ سے مراد گیت ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ کا حلفیہ بیان ہے کہ خدا کی قسم ’’لہوالحدیث‘‘ سے مراد گانا بجانا ہے، ابن القیم وغیرہ نے بھی اس قول کونقل کیا ہے، اور حاکم نے اپنی مستدرک میں کسی بھی ایسی آیت جس کی تفسیر صحابہ کرام نے کی ہو کے بارے میں لکھا ہے کہ اس فن کے طالب علم کو یہ بات ذہن نشیں کرلینی چاہئے کہ کسی ایسے صحابیؓ کی تفسیر نزول وحی کے وقت موجود تھے شیخین کے نزدیک سندروایت کے درجہ میں ہے۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایسی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

ابن القیم فرماتے ہیں اس نقطہ نظر سے گرچہ اختلاف کی گنجائش ہے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ایسی تفسیر صحابہ کرام کے بعد کی تفسیر کے مقابلے میں زیادہ مقبولیت کی حقدار ہے۔

الواحدی نے بھی لکھا ہے کہ اکثر مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ ’’لہوالحدیث‘‘ سے گیت مراد ہے اور مجاہد وعکرمہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

## استدلال پر ایک نظر :

اس استدلال کے سلسلے میں ہمیں چند باتیں عرض کرنی ہے :

(۱) آیت کریمہ کی صرف یہی ایک تفسیر نہیں ہے، بلکہ مفسرین کی ایک جماعت تو اس بات کی قائل ہے کہ اس سے مراد روم وعجم اور وہاں کے بادشاہوں کے واقعات اور قصے کہانیاں اوران جیسی چیزیں ہیں جنہیں قریش کے سرکش ومتکبر مشرکین میں سے نضر بن الحارث نام کا شخص پوری مہارت کے ساتھ اہل مکہ سے بیان کرتا تھا اور انہیں قرآن کریم سے غافل

بنائے رکھتا تھا، ابن القیم نے بھی اس تفسیر کو ذکر کیا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ صحابیؓ کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے الا یہ کہ وہ شان نزول وغیرہ امور سے متعلق ہو، بلکہ بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ صحابیؓ نے آیت کو اس طرح سمجھا ہے، بہت سے مقامات پر غیر صحابی مفسر کی بیان کردہ تفسیر صحابیؓ کی تفسیر سے ٹکراتی ہے، اگر صحابی کی ہر نوع کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی تو ایسا تعارض اور ٹکراؤ قطعاً نہ ہوتا۔

(۳) تیسری یہ کہ اگر ہم اس تفسیر کو پوری صحیح مان لیں اور اسے حدیث مرفوع کے حکم میں بھی شمار کر لیں بلکہ اگر حقیقت میں بھی حدیث مرفوع ہو تب بھی اس اختلافی مسئلہ میں دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ آیت کریمہ صرف اسی کی تنہا مذمت نہیں کرتی جو نغمہ سرائی یا غافل کرنے والی باتوں میں مشغول ہو بلکہ اس انسان کی مذمت کرتی ہے اور اسے ذلت آمیز عذاب کی وعید سناتی ہے جو ''لہو الحدیث'' کا خریدار بنتا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کی راہ سے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑائے، اور ہم لوگ اس سے ہٹ کر دوسرے مسئلہ میں گفتگو کر رہے ہیں۔

## ابن حزم کی تردید :

اس مسئلہ میں جو لوگ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے قول سے استدلال کرتے ہیں ان کے رد میں ابو محمد بن حزم نے کتنی اچھی بات کہی ہے :

ابن حزم کا کہنا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول اس مسئلہ کی دلیل نہیں بن سکتا، مندرجہ ذیل اسباب کی بنیاد پر :

۱ــ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی کا قول دلیل نہیں بن سکتا۔

۲ــ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیان کردہ اس تفسیر کی دیگر صحابہ کرام اور تابعین عظام نے مخالفت کی ہے اور اسے تسلیم نہیں کیا ہے۔

۳۔ آیت کی عبارت بذات خود ان لوگوں کے استدلال کو لغو قرار دیتی ہے کیونکہ ''ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذها هزوا'' (لقمان: ٦) اس صفت کا مرتکب بغیر کسی اختلاف کے کافر سمجھا جائے گا اگر اس سے راہ خدا کا استہزاء سرزد ہوا۔

ابن حزم نے اپنی بات کو مزید ایک مثال سے ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی مصحف خریدے تا کہ اس سے لوگوں کو بھٹکائے اور اس کا استہزاء کرے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا، تو اللہ تعالی نے ایسے ہی شخص کی مذمت کی ہے اللہ تعالی نے کبھی ایسے آدمی کی مذمت نہیں کی جو کسی غافل کرنے والی بات کا خریدار بنے تا کہ اس سے مزہ لے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کر کے اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دے، نہ کہ اس مقصد سے کہ وہ راہ راست سے لوگوں کو برگشتہ کرے، اس لئے اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو گانا کو حرام سمجھتے ہیں ان کا استدلال ان صحابہ کرام کے قول سے بالکل بے معنی ہے کیونکہ صورت مسئلہ اور استدلال دونوں کے درمیان کسی طرح کا ربط نہیں پایا جاتا، اسی طرح اگر کوئی شخص بالقصد تلاوت قرآن یا مطالعہ احادیث یا کسی عام گفتگو میں یا گانا گانے اور اس طرح کے کسی غیر مناسب عمل میں مشغول رہے اور نماز نہ پڑھے تو اسے فاسق اور اللہ تعالی کا نافرمان سمجھا جائے گا، مگر اس کے برعکس جو کسی فریضے سے غافل نہ ہو اور مذکورہ نیک اعمال میں سے کسی بھی عمل میں مشغول بھی رہے تو ایسے شخص کو نیک اور صالح قرار دیا جائے گا۔

## امام غزالیؒ ابن حزم کی تائید کرتے ہیں :

ابن حزم نے اس طرح کے استدلال کے رد میں جو بات کہی ہے اس کی امام ابوحامد الغزالی نے تائید کی ہے، چنانچہ وہ لوگ جو اس آیت سے گانا کی حرمت پر استدلال کرتے ہیں ان پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''لہو الحدیث'' کی خریداری دراصل دین کے عوض ہے اور مقصد راہ راست سے بھٹکانا ہے جو بالکل حرام ہے قابل مذمت عمل ہے اور اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں، مگر ہرگا نا نہ دین کا بدل ہوسکتا ہے اور نہ دین کے عوض اسے خریدا جاسکتا ہے اور نہ وہ راہ خدا سے بھٹکا سکتا ہے اور آیت میں ''لہوالحدیث'' سے مراد وہ عمل ہے جس میں یہ عناصر شامل ہوں، اس لئے اگر کوئی شخص قرآن پڑھتا ہے اس غرض سے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو راہ خدا سے گمراہ کردے تو یہ پڑھنا حرام ہوگا۔

اس نکتہ کی تائید منافقوں کے بعض طرزعمل سے بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی نمازوں کی امامت کرتے اور ان میں صرف سورہ عبس کی تلاوت کرتے کیونکہ اس سورہ میں آنحضرت ﷺ کو ان سے سرزد ہوئی ایک لغزش پر متنبہ کیا گیا ہے تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا کام تمام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ان لوگوں کے اس عمل کو حرام سمجھا، کیونکہ اس سورہ کی تلاوت کا مقصد لوگوں کو آپ ﷺ سے برگشتہ کرنا لہذا وہ شاعری یا وہ نغمہ جس کا بنیادی مضمون گمراہی کے ناپاک عمل کو انجام دینا ہوا سے بدرجہ اولی حرام ہونا چاہئے۔

## آیت میں مذکور سخت وعید کا مدلول :

اگر ایک اور دوسرے زاویہ سے غور کیا جائے تو بھی ابن حزم اور امام غزالیؒ کے اختیار کردہ موقف کی مزید تائید ہوتی ہے وہ اس طرح کہ آیت کریمہ میں سخت وعید اس عمل سے متعلق ہے جو مجرد لہو ولعب نہ ہو، کیونکہ مستدل کے بعد والی آیت میں اس قسم کے لوگوں کے مزید اوصاف بیان کئے گئے ہیں جنہیں یہ آیت کریمہ فوکس کررہی ہے، **''وإذا تتلى عليه آياتنا ولى مستكبراً كأن لم يسمعها كأن في أذنيه وقراً فبشره بعذاب أليم''** (لقمان: ۷) (اور جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں، جیسے اس کے کانوں میں بہرا پن ہے تو اس کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری دیدو)۔

اور یہ کسی ایسے مسلمان کی صفت نہیں ہوسکتی جس کا عقیدہ یہ ہو کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جس کا کوئی مضمون کسی بھی اعتبار سے لغو و باطل نہیں ہوسکتا، ایک حکمت والی اور خوبیوں کی مالک ذات گرامی کی نازل کردہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن القیم جیسا بالغ نظر انسان — جو پوری شدت کے ساتھ گانا کی حرمت کا قائل ہے — وہ بھی اس کے معترف ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو قرآن کے بدلے بیہودہ کاموں میں مشغول رہتے ہیں تاکہ بغیر کسی جانکاری کے لوگوں کو راہ راست سے پھیر دیں اور قرآنی مضامین کا استہزاء کریں اور جب ان کو قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سنا ہی نہیں ان کے کانوں میں بہرا پن ہے، اور جب انہیں کسی آیت کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوجاتی ہیں تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں تو جو کوئی ان اوصاف کا حامل ہوگا وہ لوگوں میں کفر کا سب سے زیادہ مرتکب ہوگا۔

اس تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دونوں آیتوں میں جن صفتوں اور وعیدوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اگر انہیں ان لوگوں پر منطبق کریں جو محض دل کی تسلی کی خاطر گانا گاتا ہے یا سنتا ہے تو اس کے نزدیک یہ دور کی کوڑی ہوگی جس کی قرآن کریم پر گہری اور منصفانہ نگاہ ہوگی۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں ابن وہب کے طریق سے جو کچھ نقل کیا ہے اس سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے ابن زید اللہ تعالی کے اس ارشاد ''**ومن الناس من يشتري لهو الحديث**'' کے بارے میں فرماتے ہیں : اس سے مراد کافر ہے کیونکہ اس سے متصل آیت ''**وإذا تتلى عليه آياتنا ولى مستكبراً كأن لم يسمعها كأن في أذنيه وقراً**'' میں جس کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ کسی مسلمان کا نہیں ہوسکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق مسلمان ہی نہیں جبکہ معاملہ ایسا نہیں ہے، لہوالحدیث وہ بیہودہ گفتگو جسے وہ لوگ

اپنی زبان سے بولتے ہیں۔

امام ابن عطیہ فرماتے ہیں : میرے نزدیک قابل ترجیح موقف یہ ہے کہ آیت کا نزول دراصل کفر آمیز بیہودہ گوئی کے سلسلہ میں ہوا ہے، اسی لئے حد درجہ سخت لہجے میں ان کے ان کافرانہ حرکتوں کو اوران کی پاداش میں ان کے لئے تیار کی گئی ذلت بھری سزا کو بیان کیا گیا ہے "**لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا**"۔

امام فخر الدین رازی نے بھی اس موقف کو اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے قول کو ذکر کرنے کی زحمت نہیں کی ہے، آیت کریمہ "ومن الناس من یشتری لہوالحدیث" ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے : جب یہ بیان کیا گیا کہ قرآن حکمت سے پر کتاب ہے، کیونکہ اس کی آیات حکمت سے لبریز ہیں، اس کے بعد کفار کی حالت بیان کی گئی کہ وہ لوگ حکمت کی ان باتوں سے گریز کرتے ہیں اور دوسرے لغو و باطل کاموں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، یہاں پر کچھ دوسرے پہلو بھی قابل غور ہیں جن سے کفار کے غلط رویے کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱— پر از حکمت باتوں سے گریز کرنا اور دوسری باتوں میں مشغول ہونا ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔

۲— اگر گفتگو کا مضمون بالکل لغو ہو تو اس کی مکروہیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

۳— لغو بات کا مقصد تفریح لینا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان لوگوں نے تفریح لی، اور آنحضرت ﷺ سے منقول ہے: "**روحوا القلوب ساعۃ و ساعۃ**" اپنے دلوں کو وقفے وقفے سے آرام پہنچاؤ اس روایت کو دیلمی نے حضرت انسؓ کے حوالہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، مسلم شریف کی روایت "**یا حنظلۃ ساعۃ و ساعۃ**" (اے حنظلہ تھوڑی دیر آرام کرلیا کرو) سے بھی اس روایت کی تائید ہوتی ہے، عوام کی تفریح سے مراد وہ مزیدار باتیں یا خوش کن نقل و حرکت ہوتی ہیں جو جواز کے دائرہ میں آتی ہیں، خواص

کے نزدیک حق کا پہلو پیش نظر ہوتا ہے کیونکہ اسی طرح تفریح کی جاسکتی ہے اس کے علاوہ دوسرے طریقے سے نہیں کی جاسکتی، مگر چونکہ کفار کا ارادہ صرف یہ تھا کہ لوگوں کو راہ راست سے گمراہ کردیا جائے، "**لیُضل عن سبیل اللّٰہ**" اس لئے ان کا یہ عمل کراہت کے درجہ میں ہر اعتبار سے شامل سمجھا گیا، پھر فرمایا "**بغیر علم**"، بغیر علم کے خریداری کرتے ہیں "**ویتخذ ہا**" اور حق کی راہوں کا مذاق اڑاتے ہیں "**أولئک لھم عذاب مھین**" اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ عذاب کا یہ معاملہ ان پر تسلسل سے قائم رہے گا، کیونکہ بادشاہ جب اپنے کسی غلام کو سزا دینے کا حکم صادر کرتا ہے اور جلّاد یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ پھر بادشاہ وقت کی خدمت کرنے پر آمادہ ہوجائے گا تو بادشاہ اسے قید خانے میں محبوس نہیں کرتا بلکہ اس کی سزا میں تخفیف کردیتا ہے، اور جب وہ سمجھتا ہے کہ دوبارہ وہ اپنے کام پر لوٹ نہیں سکتا ایک طرح سے بادشاہ سے پوری طرح پھر گیا تو اس کا کوئی اعزاز نہیں کرتا تو اسے مسلسل سزاؤں میں مبتلا رکھا جاتا ہے، چنانچہ اسی کی جانب "**عذاب مھین**" کا لطیف اشارہ ہے، اور اسی اشارہ کی روشنی میں بندہ مومن اور کافر کے عذاب میں فرق کیا جائے گا کہ مومن کی تعذیب کا مقصد اس کی تطہیر ہے اس لئے اس کا عذاب ذلت آمیز نہیں ہے۔

اس وضاحت کے بعد امام رازیؒ نے "**و إذا تتلی علیه آیاتنا ولّی مستکبرا کأن لم یسمعھا کأن فی أذنیه وقرا فبشره بعذاب ألیم**" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے :

یہ لوگ باغیانہ باتیں خریدتے ہیں، اور حق پوری صراحت کے ساتھ بلا قیمت ان کے سامنے جلوہ گر ہوتا ہے تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں، اور جب آپ اس آیت میں غور کریں گے تو آپ کے سامنے اس کی ظاہری و معنوی دونوں خوبیاں ظاہر ہوجائیں گی بایں طور کہ خریدنے والا جب کسی چیز کا طالب ہوتا ہے تو اس کے واسطے ثمن خرچ کرتا ہے، اور جس کے پاس کوئی چیز یوں ہی آتی ہے تو نہ وہ اسے طلب کرتا ہے اور نہ اس کے واسطے پیسے خرچ کرنا چاہتا ہے، پھر بھی عقلمند کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ حکمت و دانائی کا متلاشی رہے اور

جس طرح اس کے لئے ممکن ہو اسے حاصل کرنے کی سعی کرے، جبکہ ان کفار کا حال یہ ہے کہ یہ نہ حکمت وموعظت کے خواہاں ہیں اور جب حکمت ودانائی پر مشتمل باتیں انہیں بغیر کسی خرچ کے سنائی جاتی ہیں تو انہیں سننے کے روادار نہیں ہوتے، ان کے اس مذموم حرکت کے بھی درجات ہیں :

۱۔حکمت ودانائی سے روگردانی جو ہر اعتبار سے ناپسندیدہ عمل ہے۔

۲۔ استکبار ( تکبر کا اظہار ) جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی شخص رستم اور بہرام کے قصے اور کہانیاں خریدتا ہے تو اسے بھی یہ سوچنا پڑتا ہے کہ وہ کس طرح اس طرح کی حکمت آمیز قصوں سے بے نیاز ہو سکے تا کہ اس کے لئے اس طرح کے کلام سے اپنی تعلّی کا اظہار ممکن ہو سکے تو جو شخص اس طرح کی بے بنیاد کہانی گڑھنے پر قادر نہیں ہو سکتا تو پھر وہ اس عظیم مبلغ حکمت وموعظت پر مشتمل کلام الٰہی سے بڑائی کا اظہار کیسے کر سکتا ہے جو من جانب اللہ نازل ہوا ہے؟

۳۔ ''کأن لم یسمعها'' یہ دراصل اس متکبر کے عمل کی نشاندہی ہے جو کلام سننے کا روادار نہ ہو اور اپنے آپ کو اس طرح پیش کر رہا ہو کہ گویا وہ اس سے غافل ہو۔

۴۔ ''کأن فی أذنیه وقراً'' یہ غایت درجہ اعراض کی نشاندہی ہے پھر فرمایا : ''فبشره بعذاب ألیم'' ایسے شخص کو ذلت آمیز عذاب کی خوشخبری سنا دو، یا یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جب اس کی یہ پوزیشن ہے تو اسے تکلیف دہ عذاب کی بشارت دیدو۔

## ۲۔ آیت :''وإذا سمعوا اللغو أعرضوا عنه''(اور جب لغو بات سنتے ہیں تو اس کو ٹال جاتے ہیں ) :

غناء کو حرام سمجھنے والے حضرات نے اہل ایمان کی تعریف میں وارد آیت کریمہ ''وإذا سمعوا اللغو أعرضوا عنه'' ( جب وہ لوگ لغو باتیں سنتے ہیں تو ان سے اعراض کرتے

ہیں ) سے بھی استدلال کیا ہے، وہ اس طرح کہ غناء کا شمار لغو میں ہوتا ہے لہذا اس سے اعراض کرنا واجب ہوجاتا ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت کریمہ کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ لغو سے مراد حماقت پر مبنی باتیں جیسے گالی گلوج وغیرہ اور آیت کا دوسرا حصہ بھی اسی چیز کو واضح کرتا ہے "**وقالوا لنا أعمالنا ولكم أعمالكم سلام عليكم لا نبتغي الجاهلين**" (القصص: ۵۵) (اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال تم کو سلام ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے، گویا یہ آیت اور "**وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً**" (اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام ) والی آیت رحمن کے بندوں کی صفات بیان کرنے میں بالکل ایک ہی جیسی ہے۔

اور اگر اس بات کو مان بھی لیں کہ آیت میں لغو کا لفظ گانا کے عمل کو شامل ہے تب بھی صرف اتنی ہی بات ثابت ہوتی ہے کہ گانا سننے اور اس پر واہ واہ یعنی تحسین کے کلمات کہنے سے گریز کرنا چاہئے، اس میں کہیں ایسا پہلو نہیں جس سے اعراض کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔

لغو کا لفظ لفظ باطل کی طرح ہے یعنی لایعنی بات کہنا اور اس کا سننا اور یہ عمل اس وقت تک حرام ثابت نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ کسی حق کے فوت اور ذمہ داری سے غافل ہونے کا سبب نہ بنے۔

ابن جریج کے نزدیک گانا سننے کی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا اسے بھی قیامت کے دن آپ کے جملہ نیکی اور برائی میں شامل کیا جائے گا تو فرمایا کہ نہ نیکی میں شامل ہوگا اور نہ بدی میں، کیونکہ یہ عمل لغو کے مشابہ ہے اور لغو کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:"**لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم**" (اللہ تعالی تم پر داروگیر نہ فرماویں گے تمہاری بیہودہ قسموں پر )(البقرہ:۲۲۵)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں : جب کوئی شخص کسی کام کے متعلق قسم کے انداز میں اللہ کا نام لے جبکہ پہلے سے اس شخص کا اس طرح کا کوئی پختہ ارادہ نہ ہو پھر وہ کام نہ کرے۔ باوجودیکہ

اس کام کو نہ کرنے میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہو، تب بھی اس کا یہ عمل قابل مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر شاعری اور سرور انگیز کلام پر کیسے مواخذہ ہوسکتا ہے؟

اس موقع پر ہم یہی کہیں گے کہ ہر گانا لغو میں شمار نہیں ہوسکتا، لغو کا حکم نغمہ گو کی نیت پر منحصر ہوگا کیونکہ نیت کی درستگی لا یعنی کام کو بھی عبادت میں بدل دیتی ہے اور مباح عمل کو طاعت میں، اور بری نیت اس عمل کو غارت کر دیتی ہے جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے عبادت معلوم ہو مگر باطن کے اعتبار سے محض ریا کاری ہو، صحیح حدیث میں ہے : "**إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم**" (یقیناً اللہ تعالی تمہاری صورتوں اور مال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)۔

اس مسئلے میں امام ابن حزم نے "المحلی فی" میں غناء کو حرام سمجھنے والوں کی رد میں کتنی اچھی بات کہی ہے اسے ہم اس جگہ نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا استدلال یوں ہے کہ غناء حق کے دائرہ میں آتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ تیسری صورت کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو پھر "**فماذا بعد الحق إلا الضلال**" کے تحت حق کے دائرہ سے خارج ہوگا اور حرام ہوگا، اس استدلال پر ہمارا جواب –توفیق الٰہی سے– یوں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "**إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى**" (بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی)۔

گانا سننے سے جس کی نیت اللہ تعالی کی نافرمانی والے کاموں کا تعاون کرنا ہو اسے فاسق کہا جائے گا، اسی طرح گانے کے علاوہ کوئی بھی کام ہو جس کے پس پردہ اس طرح کی نیت کارفرما ہو تو اس کام کو انجام دینے والا بھی اسی حکم میں داخل ہوگا، اور جس کی نیت ذہن ودماغ کو آرام دینا ہو تا کہ طاعت والے کام کرنے میں قوت حاصل رہے اور ذہنی طور پر آمادگی ہو سکے تو ایسا شخص فرمانبردار اور نیک خصلت سمجھا جائے گا اور اس کا یہ عمل برحق گردانا جائے گا اور جس کی نیت نہ طاعت کی ہو اور نہ معصیت کی تو اس کا یہ عمل لغو قرار پائے گا جس پر اس کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا،

جیسے کوئی شخص اپنے باغ کو جائے یا اپنے گھر کے دروازہ پر بغرض تفریح بیٹھ جائے، یا اپنے کپڑے کو لاجوردی رنگ میں یا سبز یا دوسرے رنگ میں رنگ لے یا اپنی پنڈلی پھیلائے یا اسے سمیٹ لے اور اس طرح کے اور دوسرے تمام افعال واعمال وغیرہ معفو عنہ کے درجے میں آتے ہیں۔

## ۳- آیت "والذین لا یشهدون الزور" :

(اور جو لوگ جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے)۔

گانا کو حرام سمجھنے والوں نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے اور وہ ہے سورہ فرقان کے اس حصہ کی آیت جس میں رحمن کے بندوں کا سراپا بیان کیا گیا ہے : "**والذین لا یشهدون الزور وإذا مرّوا باللغو مرّوا کراماً**" (الفرقان: ۷۲) (اور جو لوگ جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے اور جب کسی بیہودہ چیز سے ان کا گزر ہوتا ہے تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں)۔

بعض سلف نے "الزور" کی تفسیر غناء سے کی ہے محمد بن الحنفیہ فرماتے ہیں یہاں "الزور" سے مراد گانا اور لغو کلامی ہے، اور اس طرح کی تفسیر حسن، مجاہد اور ابوالجحاف سے بھی منقول ہے، غناء کو زور کا نام دینا اس کی حرمت کی دلیل ہے، کلبی فرماتے ہیں : آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بیہودہ مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے، اور گانا کی مجلس بھی بیہودہ مجلسوں میں شمار ہوتی ہے۔

## مذکورہ اقوال کا تنقیدی جائزہ :

۱- بعض مفسرین نے "**والذین لا یشهدون الزور**" کی ایسی تفسیر کی ہے جس سے آیت کریمہ کا گانا اور اس جیسے مسئلوں سے کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا، ان حضرات کے نزدیک "یشهدون" یہ شہادۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی گواہی دینے کے آتے ہیں، یعنی یہ ایسے لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے، یہ الگ بات ہے کہ میں اس تفسیر کو راجح نہیں مانتا، قتادہ کے نزدیک زور کذب (دروغ گوئی) کے معنی میں ہے اور ضحاک کے نزدیک شرک کے معنی

میں ہے۔

۲ــ مفسرین کی ایک جماعت نے الزور کی تفسیر مشرکین کے تہواروں اور ان میں انجام دیئے جانے والے جاہلی رسم ورواج اور مشرکانہ نذرونیاز سے کی ہے، اور اس سے ملتی جلتی تفسیر عکرمہ سے منقول ہے کہ زور زمانہ جاہلیت سے منسوب ایک کھیل کا نام ہے، اور اس تفسیر میں وہ تمام مشرکانہ اعمال بھی شامل کئے گئے ہیں جن کی شکل گرچہ اس سے الگ ہوتی ہے مگر بدعت ہونے کے اعتبار سے دونوں ہی برابر ہیں جیسے اہل بدعت اور دین سے منحرف ہونے والوں کی وہ تمام مذموم نقل وحرکت جو ان سے اولیاء کے مزاروں کے اردگرد یا انہی جیسے دوسرے مراکز پر سرزد ہوتی ہیں۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی دلیل میں احتمال پایا جائے تو اس سے استدلال ساقط ہوجاتا ہے۔

۳ــ اور اگر یہاں پر زور کی تفسیر غناء سے صحیح مان لی جائے تب بھی وہ غناء (نغمہ) مراد ہوگا جس میں فسق وفجور کی جانب رغبت دلائی گئی ہو، نماز اور ذکر الٰہی سے غافل کرنے والا ہو، اور منکرات پر مشتمل ہو۔

۴ــ اس آیت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس سے گانا سے بچنے کا وجوب ثابت ہوتا ہو، اس لئے کہ آیت میں صرف رحمن کے ان بندوں کی تعریف کی گئی ہے جو اس صفت کے حامل ہیں جس طرح دوسری آیت میں بھی ان کی یہ خوبی مدحیہ انداز میں بیان کی گئی ہے **"یبیتون لربھم سجداً وقیاماً"** (الفرقان: ۶۴) (اور جو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں)، اور یہ سارے اعمال واجبات میں شامل نہیں ہیں بلکہ مستحبات میں شمار کئے جاتے ہیں۔

## ۴ــ آیت "واستفزز من استطعت منھم بصوتک":

چوتھی آیت جسے غناء کی حرمت کے قائل حضرات بطور دلیل ذکر کرتے ہیں وہ ہے سورہ اسراء کی وہ آیت جس میں حق تعالیٰ سبحانہ نے ابلیس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''قال اذهب فمن تبعک منهم فإن جهنّم جزاؤکم جزاء موفوراً واستفزز من استطعت منهم بصوتک وآجلب علیهم بخیلک ورجلک'' (الاسراء: ٦٢ – ٦٤) (خدا نے کہا کہ جا ان میں سے جو بھی تیرا ساتھی بنا تو جہنم تم سب کا پورا پورا بدلہ ہے، اور ان میں سے جس پر تیرا بس چلے، تو اپنی آواز سے ان کا قدم اکھاڑ دے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا)۔

بعض مفسرین نے شیطان کی آواز سے گانا مراد لیا ہے، مجاہد سے منقول ہے کہ ''صوتک'' سے مراد گانا، گیت اور بیہودہ کام ضحاک کے نزدیک بانسری کی آواز مراد ہے، اس طرح کی تفسیر میں اختلاف کی گنجائش ہے کیونکہ اس میں کچھ خامیاں پائی جاتی ہیں چنانچہ دوسرے مفسرین نے اس کی مخالفت کی ہے، ابن عباس کے نزدیک صوت سے مراد وہ داعی ہے جو خدا کی نافرمانی کی دعوت دے، اور ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ ''بصوتک'' سے ''بوسوستک'' (یعنی تم اپنے وسوسے سے) مراد ہے۔

جب کسی آیت میں کئی طرح کا احتمال پایا جائے تو کسی ایک احتمال سے کسی شیئ کی حرمت ثابت کرنا غیر معتبر ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ احتمال کی صورت میں استدلال ساقط ہوجاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت کا جو مفہوم سمجھا جارہا ہے وہ اس کے ظاہری الفاظ سے میل نہیں کھاتا، بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ ملعون ابلیس سے یہ کہا جارہا ہے کہ تم بنوآدم کو گمراہ کرنے کی خاطر اپنے ہر طرح کے ہتھیار کو تیز کرو، اور جہاں تک تم سے ہو سکے اپنی تمام فوج اور تدبیر کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑو پھر بھی تم اللہ کے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتے۔

## ۵ – ''لو أنتم سامدون'' :

پانچویں آیت جس سے گانا کو حرام قرار دینے والے علماء نے استدلال کیا ہے وہ ہے سورہ نجم کی آخر کی آیت: ''أفمن هذا الحديث تعجبون وتضحكون ولا تبكون وأنتم

سامدون'' (النجم: ۵۹-۶۱) (کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوتا ہے اور تم ہنستے ہو اور تم روئے نہیں اور تم تکبر کرتے ہو)۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے ''وأنتم سامدون'' سے مراد گانا ہے لغت حمیر کے مطابق، اس لئے کہ استعمال ہوتا ہے :اسمد لنا أی غنّ لنا اسمد لنا کا مطلب ہوتا ہے ہمیں گانا سناؤ چنانچہ کفار جب قرآن کی تلاوت سنتے تو مخالفت میں گانا گاتے کھیل کود کرتے تاکہ انہیں تلاوت سنائی نہ دے۔

لیکن اس کلمہ کی دوسری تفسیریں بھی منقول ہوئی ہیں، ابن عباسؓ ہی کے حوالے سے والبی اور عوفی نے نقل کیا ہے کہ سامدون سے مراد اعراض کرنے والے اور غفلت برتنے والے لوگ ہیں، قرطبی نے لکھا ہے کہ لغوی طور پر سمد یسمد سموداً کہتے ہیں غفلت برتنے اور اعراض کرنے کو۔

ضحاک کے نزدیک سامدون سے مراد متکبرین ہے، صحاح میں لکھا ہے کہ سمد سموداً کے معنی آتے ہیں تکبراً سر کو اٹھانا، اور ہر وہ آدمی جو تکبر میں سر اٹھائے گا اسے سامد کہا جائے گا، مبرد کے نزدیک سامدون، خامدون کے معنی میں ہے جس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے لگایا جاسکتا ہے :

أثنى الحدثان نسوة آل حرب
بمقدور سمدن له سموداً
فردّ شعورهن الود بيضا
وردّ وجوههن البيض سوداً

اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی دلیل کے مفہوم میں کئی طرح کے احتمالات ہوں تو اس سے استدلال نہیں کیا جاتا، امام غزالی ان لوگوں کا جنہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تب ایسی صورت میں ہنسنا اور نہ رونا بھی حرام ہونا چاہئے، اس

لئے کہ آیت میں ہنسنے اور نہ رونے کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ ہنسنا مسلمانوں کا اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مذاق اڑانا کے مفہوم میں ہے تو پھر یہاں ہر صرف وہ اشعار یا وہ نغمے ہی مراد لئے جانے کی گنجائش ہوگی جس میں مسلمانوں کا استہزاء کیا گیا ہو، نہ کہ مطلق اشعار اور نغمہ جیسا کہ اللہ تعالی کے اس ارشاد : "**والشعراء یتبعھم الغاوون**" (الشعراء: ۲۲) میں کفار شعراء مراد لئے گئے ہیں مگر اس سے شعر گوئی کو حرام قرار نہیں دیا گیا ہے۔

اس وضاحت کی روشنی میں ہم اس نتیجہ تک پہنچے کہ قرآن کریم میں ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس سے گانا کی حرمت پر استدلال کیا جاسکتا ہو، **والحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لو لا أن ھدانا اللہ**۔

# دوم :احادیث کے دلائل

جس طرح غناء اور آلات غناء کو حرام سمجھنے والے علماء نے قرآنی آیات سے استدلال کیا، اسی طرح جیسا کہ گذشتہ فصل میں ہم نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ ان لوگوں نے کچھ روایتیں بھی اپنے مسلک کو ثابت کرنے کی غرض سے پیش کی ہیں چاہے وہ مرفوع نوعیت کی ہوں یا موقوف نوعیت کی۔

اور جس طرح ہم نے ان کے تمام تر قرآنی استدلال پر بحث کی اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان آیتوں سے ان کا مسلک یعنی گانا کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، اس طرح یہاں بھی ہم اس علمی طریقہ کار کو بروئے کار لاتے ہوئے ان احادیث پر بھی بحث کریں گے جن سے استدلال کر کے ان علماء نے غناء اور میوزک کے آلات کو حرام ثابت کیا ہے، ساتھ ہی اقوال صحابہ کا بھی اسی علمی انداز میں جائزہ لیں گے تا کہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے اور **"لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیٰ عن بینۃ"** (تا کہ جو مرے دلیل سے مرے اور جو زندہ رہے دلیل سے زندہ رہے) پر عمل ہو جائے۔

مندرجہ ذیل احادیث کا سند اور ثبوت متن اور دلالت حرمت جس کے وہ قائل کے اعتبار سے جائزہ لیں گے۔

## ا— حدیث معازف (گانے بجانے کے آلات) :

حرمت غناء کے قائل حضرات اس سلسلے میں جو روایتیں پیش کرتے ہیں ان میں سب سے زیادہ نمایاں روایت معازف (گانے بجانے کے آلات) والی ہے، جس میں محدثین نے بہت زیادہ کلام کیا ہے اور مخالفین کا رویہ بھی سخت رہا ہے۔

اس حدیث کو حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں معلقاً عن ہشام بن عمار بسندہ إلی أبی عامر أو أبی مالک الأشعری سمع النبی ﷺ یقول بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری نے ہشام بن عمار سے اور انہوں نے اپنی سند سے جو ابو عامر یا ابو مالک اشعری تک پہنچتی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا : "**لیکونن قوم من أمتی یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف**" (میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو غیر محرم کی شرمگاہ، ریشم، شراب اور لغو کاموں کو یا گانے بجانے کے آلات کو حلال سمجھیں گے)۔

یہ روایت گرچہ صحیح بخاری نے نقل کی ہے، مگر یہ معلقات میں ہے نہ کہ ان روایتوں میں جن کی سند متصل ہے، اسی وجہ سے ابن حزم نے انقطاع سند کی بنیاد پر اس روایت کو غیر معتبر قرار دیا ہے، تعلیق کے ساتھ ساتھ معترضین علماء محدثین کا یہ بھی کہنا ہے یہ روایت سند اور متن دونوں لحاظ سے اضطراب سے محفوظ نہیں ہے، اور حرمت پر اس کی دلالت بھی غیر واضح ہے، کیونکہ اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ شریعت کا موقف اس طرح کی چیزوں کو حرام قرار دینے کے بارے میں اتنا سخت ہے کہ لوگوں کے لئے چنداں گنجائش باقی نہیں رہتی، یہاں تک کہ زیب وزینت کے تمام وہ اسباب ووسائل جنہیں اللہ تعالی نے بندوں کے لئے پیدا کئے ہیں اور پاکیزہ رزق کو بھی حرام سمجھا جائے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو متصل ثابت کرنے کی اتھاہ کوشش کی ہے، اور نو طرق سے متصلاً بیان کیا ہے، لیکن تمام طرق کا مدار ایسا راوی ہے جس کی ثقاہت پر ناقدین ائمہ کرام نے کلام کیا ہے وہ ہیں ہشام بن عمار، گرچہ وہ دمشق کے خطیب قاری محدث اور عالم کی حیثیت سے رہے ہیں اور ابن معین اور عجلی نے ان کی توثیق کی ہے، مگر ابو داؤدؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے چار سو ایسی روایت بیان کی ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔
ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ صدوق ہیں یعنی ان کی روایت حسن درجے کی ہے مگر بعد میں ان

کی حالت بدل گئی تھی وہ یوں کہ جو کچھ بھی انہیں پکڑایا جاتا اسے پڑھتے اور جو کچھ بتلایا جاتا بغیر جانچے پرکھے اسے تسلیم کر لیتے، اسی طرح کی بات ابن سیار نے کہی ہے یہ ایک بڑی کمی ہے جس کی وجہ سے ہمیں ان کی روایت کردہ روایتوں میں توقف ہوتا ہے، ان کا یہ موقف ان روایتوں کے بارے میں جوانہوں نے تغیر حال کے بعد بیان کی ہے۔

امام احمد بن حنبل رائے زنی کرتے ہیں کہ اس میں خفت عقل کی وجہ کر سوجھ بوجھ کی کمی ہے، امام نسائی کہتے ہیں کہ لا بأس بہ ان میں کمی کی کوئی ایسی بات نہیں ہے (یہ انداز کلام ان کی توثیق نہیں کرتا بلکہ ان کے اندر پائے جانے والے ضعف کا احساس دلاتا ہے)۔ امام ذہبی نے باوجود یکہ ان کا دفاع کیا ہے فرماتے ہیں : صدوق ہیں مگر بکثرت منکر روایتیں بیان کرتے ہیں۔ محدثین نے ان کی اس طور پر بھی نکیر کی ہے کہ وہ اجرت لے کر حدیث بیان کرتے ہیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ ہشام بن عمار بخاری کے رواۃ میں شمار کئے جاتے ہیں، مگر یہ بھی خیال رہے کہ ان کی وجہ سے امام بخاریؒ پر محدثین نے کافی نقد کیا ہے، حافظ ابن حجر نے (ہدی الساری) میں یہ کہتے ہوئے ان کا دفاع کیا ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کی صرف دو روایتیں نقل کی ہے ایک کتاب البیوع میں جس کی سند ان کے حوالے سے حضرت ابوہریرہؓ تک پہنچتی ہے، وہ روایت ہے "کان تاجر أیداین الناس" آپ ﷺ تاجر تھے لوگوں سے لین دین کیا کرتے تھے، جبکہ یہ روایت امام بخاری کے نزدیک ابراہیم بن سعد کی ہے زہری کے حوالے سے، دوسری روایت حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے مناقب میں ہے جو ہشام بن عمار کی سند سے حضرت ابوداؤد کے حوالے سے مروی ہے اور اس کا متابع بھی موجود ہے، آگے یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک اور روایت گانے بجانے کے آلات کی حرمت کی بابت نقل کی ہے، آخر میں تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ ساری روایتیں جو ان کی کتاب میں مذکور ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے ان سے استدلال کیا ہے اور وہ ان کے نزدیک قابل

حجت ہیں، واللہ اعلم۔

اس طرح کی روایت اختلافی جگہوں میں قابل قبول نہیں ہوتی اور خصوصاً اس مسئلہ میں جس سے عام طور سے لوگوں کا واسطہ پڑتا رہتا ہے اور دوسرے وہ طرق جن سے حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ''تغلیق التعلیق'' میں اس حدیث معلق کو متصل ثابت کرنے کی کوشش ان میں ہشام بن عمار کی جگہ مالک بن ابو مریم ہیں جو ہشام بن عمار سے بھی زیادہ ضعیف ہیں، ابن حزم کا کہنا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ اور امام ذہبی — جو رواۃ کی چھان بین کے امام ہیں — کے نزدیک مجہول ہے۔

وہ نو طرق جن کے ذریعہ حافظ ابن حجرؒ نے ہمیں مغلوب کرنے کی سعی کی ہے، وہ طرق اس روایت کو اس صحیح روایت کی طرح نقل کرتے ہیں جس میں کلام کی گنجائش نہ ہو، کیونکہ اس روایت کے بعض طرق میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو شراب پیتے ہیں اور شراب کو دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں ان کے سروں پر گانے والی ہوں گی اور آلات طرب بج رہے ہوں گے یعنی وہ پوری طرح برائی میں ملوث ہوں گے، اس عمل کی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے۔

امام ابن قیم نے حدیث کی تقویت کی خاطر یہ لکھا ہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو اپنی سنن میں موصولاً ذکر کیا ہے، اور یہ بالکل صحیح ہے مگر اس کی بنیاد پر اس روایت کا ضعف ختم نہیں ہوتا، کیونکہ امام ابوداؤد کی سند میں بھی ایک راوی ایسے ہیں جنہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور یہ بھی قابل غور ہے کہ امام ابوداؤد کی ذکر کردہ روایت میں ''معازف'' کا لفظ موجود نہیں ہے، جس کی بنیاد پر یہ اختلاف پیدا ہوا ہے، امام ابوداؤد نے یہ روایت کتاب الاشربہ کے ''باب فی الداذی'' میں نقل فرمائی ہے، ''داذی'' ایک دانہ کا نام ہے جسے نبیذ میں جیسے ہی ڈالا جاتا ہے ویسے ہی اس میں تحلیل ہوجاتا ہے، روایت کی عبارت یوں ہے : ''لیشربن ناس من أمتی الخمر یسمونها بغیر اسمها'' اس میں ''معازف'' کا تذکرہ نہیں

پھر حرمت غناء کو ثابت کرنے کے واسطے اسے کیسے مستدل بنایا جاسکتا ہے؟

اس روایت کو ہشام بن عمار نے صدقہ بن خالد کے حوالے سے بھی روایت کی ہے، امام شوکانی نے نیل الاوطار میں صدقہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ابن جنید نے یحییٰ بن معین کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں، اور مزی نے احمد سے نقل کیا ہے کہ وہ قابل اعتبار نہیں ہے، سچی بات یہ ہے کہ جرح وتعدیل کی جتنی کتابیں میری نظر سے گزری ہیں ان میں مجھے اس کلام کا کوئی حوالہ نظر نہیں آیا، اور نہ ابن حجر نے اس راوی کو ان کی رواۃ کی فہرست میں شمار کیا ہے جن کی روایت نقل کرنے کی وجہ سے امام بخاری پر تنقید کی گئی ہے۔

امام بخاریؒ کی امانت پسندی اور تفقہ کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو معلق ہی ذکر کیا ہے یہ روایت کسی دوسری جگہ میں متصلاً نقل نہیں کی، اور ترجمۃ الباب ”**باب ما جاء فیمن یستحل الخمر ویسمیه بغیر اسمه**“ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک گانا کی ممانعت کے سلسلہ میں یہ روایت مستدل نہیں بن سکتی ہے، بلکہ امام بخاری کی صحیح میں کہیں بھی حرمت غناء کا باب ہی موجود نہیں ہے۔

حدیث کے ثبوت کے باب میں جو کلام کیا گیا ہے اس کے علاوہ اس کی دلالت میں بھی کلام ہے وہ یہ کہ ”معازف“ کا ایک مفہوم متعین نہیں ہے، بیہودہ لایعنی کام کو بھی کہتے ہیں، اور گانے بجانے کے آلات کا مفہوم بھی اس سے کلمہ سے مستخرج ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے یہ کلمہ مجمل ہے۔

اور اگر یہ مان لیں کہ معازف سے مراد وہ آلات طرب ہیں جنہیں آج کل میوزیکل آلات سے تعبیر کیا جاتا ہے، تب بھی اس معلق روایت سے ”معازف“ کی حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ”یستحلون“ کے جیسا کہ ابن العربی نے لکھا ہے کہ دو مفہوم نکلتے ہیں ایک یہ کہ انکا یہ عقیدہ ہوجائے کہ حدیث میں مذکورہ حرام چیزیں حلال ہیں دوسرے یہ کہ ”یستحلون“ یہ دراصل مجاز ہے وہ اس طرح کے وہ لوگ اسے حلال تو نہیں سمجھتے مگر ان گناہوں میں ہمیشہ ملوث

رہتے ہیں کیونکہ اکثر ''استحلال'' سے حقیقی مفہوم مراد لینا مقصود ہوتا تو معصیت کے یہ سارے اعمال انہیں کفر میں منتقل کر دیتے، وجہ ظاہر ہے کہ وہ چیزیں جن کی حرمت قطعی ہو جیسے شراب، زنا جسے کلمہ ''الحر'' کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے وغیرہ کو حلال سمجھنا بالاتفاق کفر ہے۔

اور اگر ہم اسے بھی تسلیم کرلیں کہ حدیث کی حرمت پر دلالت بالکل درست ہے تو کیا یہ سمجھا جائے کہ مذکورہ تمام افعال جو حدیث میں ذکر ہوئے حرام ہیں چاہے وہ زنا کاری ہو یا ریشم کا پہننا ہو یا شراب نوشی ہو یا گانے بجانے کے آلات ہوں یا ہر کام کا حکم علاحدہ ہے؟ پہلی صورت راجح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ درحقیقت حدیث میں انسان کے اس طبقہ کی مذمت کی گئی ہے جو عیش وعشرت، بگاڑ وانتشار رنگین راتوں اور شراب نوشی میں منہمک ہے، ایک طرف اس کے لئے شراب وکباب کی گرم بازاری ہے تو دوسری طرف حسین وجمیل برہنہ خواتین کی نمائش ہے، لایعنی پروگرام کا اسٹیج ہے تو گانا بجانا بھی عروج پر ہے، ریشم وحریر کا اس قدر زور ہے کہ مرد بھی اس سے بچ نہیں سکتے اس لئے ابن ماجہ نے یہ روایت ابو مالک اشعری ؓ کے حوالہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے: **''ليشرب أناس من أمتي الخمر يسمونها بغير اسمها يعزف على رؤوسهم بالمعازف والمغنيات يخسف الله بهم الأرض ويجعل منهم القردة والخنازير''**۔ میری امت میں کچھ لوگ شراب نوشی کریں گے اور اسے دوسرے نام دیں گے ان کے سروں پر آلات طرب بج رہے ہوں گے اور مغنیات گا رہی ہوں گی اللہ تعالی انہیں زمین میں دھنسا دیں گے اور انہیں بندر داور خنزیر بنادیں گے۔

اور اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح میں ایک روایت نقل کی ہے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں۔

خلاصہ یہ کہ جس کسی نے یہ حدیث ہشام بن عمار کے طریق سے ہٹ کر نقل کی ہے، اس میں وعید کو شراب نوشی سے مربوط کیا گیا ہے اور گانے بجانے کے آلات کو اس کے تابع قرار دیا گیا ہے، لہذا ایسی صورتحال میں اس روایت سے گانا کی حرمت ثابت کرنا

صحیح نہیں ہے۔

## ۲ـــ کوبہ اور غبیراء کی حرمت پر مشتمل روایت :

گانا کی حرمت کے قائل حضرات نے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسے حضرت امام ابوداؤد اور امام احمدؒ نے روایت کی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے شراب جوا کو کوبہ (ڈھول) وغبیراء (ستار) کو حرام بنایا ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے''۔ اور امام احمد کی ایک روایت میں آیا ہے : ''اللہ تعالی نے میری امت پر شراب جوا نبیذ مرز کوبہ (ڈھول) ذفنین (گانے والے) کو حرام قرار دیا ہے'' کوبہ سے مراد ڈھول لیا گیا ہے اور غبیراء سے طنبور یا خاص قسم کی لکڑی یا بربط جس کا شمار آلات طرب میں ہوتا ہے، امام احمد نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے وفد عبدالقیس سے فرمایا : ''یقینا اللہ تعالی نے میرے اوپر شراب جوا اور کوبہ (ڈھول) کو حرام ٹھہرایا ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے''۔ اس روایت میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ سفیان نے علی بن بذیمہ جو اس روایت کے راویوں میں سے پوچھا کوبہ کیا ہے؟ فرمایا ڈھول کو کہتے ہیں۔

میں ان دونوں روایتوں پر ان کے ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔

رہی بات حدیث کی سند اور ثبوت کی امام شوکانی (نیل الاوطار) میں ابن عمرؓ کی روایت کی بابت فرماتے ہیں کہ حافظ نے تلخیص میں اس سے سکوت اختیار کیا ہے، اور اس کی سند میں ایک راوی ولید بن عبادہ ہے جو ابن عمرؓ سے اس حدیث کو نقل کرتے ہیں ابو حاتم رازی انہیں مجہول الحال مانتے ہیں، ابن یونس نے تاریخ المقربین میں لکھتے ہیں کہ ان سے یعنی ولید بن عبادہ سے یزید بن حبیب نے روایت کی ہے، منذری کے نزدیک حدیث معلول

(ضعیف) ہے۔

ابن عباسؓ والی حدیث کی سند شیخ شاکر کے نزدیک جیسا کہ تخریج المسند کی حدیث نمبر ۲۴۷۶ میں درج ہے صحیح ہے، اسی طرح شیخ شعیب اوران کے رفقاء نے تخریج المسند میں حدیث نمبر ۲۴۷۶ کو صحیح بتایا ہے، جبکہ اس کے رواۃ میں ابن بذیمہ ہے جن کی گرچہ ابن معین وغیرہ نے توثیق کی ہے مگر امام احمد نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ثقہ ہیں لیکن ان میں کچھ کمی بھی ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ صالح الحدیث ہیں۔

لیکن وہ شیعیت کے امام تھے، اس کے باوجود اصحاب السنن نے ان کی روایت لی ہے۔

کوبہ سے ڈھول مراد لینے میں شارحین کو تامل ہے گرچہ ابن بذیمہ کے نزدیک یہ مفہوم درست ہے مگر اس کے علاوہ دیگر حضرات نے اسے ماننے سے انکار کیا ہے، ابن الاعرابی کے نزدیک کوبہ نرد کو کہتے ہیں جو ایک قسم کا ایرانی کھیل ہے، اسی طرح کی بات خطابی اور ابوعبید نے (غریب الحدیث) میں لکھی ہے کہ اہل یمن کے نزدیک کوبہ نرد کے معنی میں مستعمل ہے، البتہ غبیراء کی تشریح میں شراح کا اختلاف ہے بعض حضرات اسے طنبور (ستار) سمجھتے ہیں اور بعض کا یہ کہنا ہے کہ یہ دراصل اس نبیذ کو کہتے ہیں جو مکی یا گیہوں سے بنائی جاتی ہے، ایسی ہی تخریج ابن الاثیر نے ''النہایۃ'' کے غریب الحدیث کے باب میں کی ہے۔

جب ان الفاظ کے مفاہیم پر علماء کا اتفاق نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ تفصیلات سے سمجھ میں آتا ہے اوران میں کئی طرح کے احتمالات شامل ہیں تو پھر یہ روایت استدلال کے لائق نہیں رہی، جبکہ اگر کوبہ سے نرد اور غبیراء سے مزر یا نبیذ مراد لی جائے تو یہ حدیث کے سیاق کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں شراب اور جوا کا ذکر ہے تو اگر ان دونوں کے ساتھ نرد کا بھی تذکرہ موجود ہو تو یہ کوئی تعجب خیز معاملہ نہ ہوگا کیونکہ نرد بھی شراب کی جنس سے ہے، اسی لئے حدیث ''کل مسکر حرام'' (ہر نشہ آور چیز حرام ہے) پر ختم ہوئی ہے۔

اور اگر حدیث صحیح تسلیم کرلی جائے تب بھی بات بنتی نظر نہیں آتی کیونکہ حدیث صحیح ہے ہی نہیں۔

### ۳–"کل لھو باطل إلا ثلاثة" :

گانا اور آلات طرب کی حرمت ثابت کرنے کی خاطر ان علماء نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسے امام احمد اصحاب سنن اور حاکم نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "**إن الله ليدخل بالسهم الواحد ثلاثة الجنة ... الحديث، وفيه "كل ما يلهو به الرجل المسلم باطل، إلا ثلاثة : رميه بقوسه، وتأديبه فرسه، وملاعبته أهله فإنهن من الحق**"۔

اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلے تین آدمی کو جنت میں داخل کرے گا، ایک تیر کا بنانے والا جس کی نیت تیر بنانے میں ثواب کی ہو کہ اس سے جہاد میں کام لیا جائے گا، دوسرا جہاد میں تیر چلانے والا تیسرا تیر انداز کے ہاتھ میں تیر دینے والا، اس روایت میں انسان جس چیز کو لہو ولعب کے طور پر اختیار کرتا ہے وہ باطل اور ناروا ہے، مگر اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا، اپنے گھوڑوں کو سدھار، اپنی بیوی کے ساتھ کھیل وتفریح کرنا یہ سب چیزیں حق ہیں۔

اس روایت کا جواب کئی پہلوؤں سے دیا جاسکتا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس حدیث کو بعض علماء نے ضعیف گردانا ہے جیسا کہ اس جانب عراقی نے بھی اشارہ کیا ہے اور مناوی نے بھی اس کی صراحت کی ہے اور البانی نے اس کی تائید کی ہے، اور ضعیف روایت سے احکام کے باب میں استدلال نہیں کیا جاتا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی جیسا کہ امام غزالی نے الإحیاء میں لکھا ہے کہ لفظ (باطل) حرمت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس سے ان کاموں کا بے فائدہ ہونا ثابت ہوتا ہے، امام شوکانی کے نزدیک روایت کا یہ جواب صحیح ہے کیونکہ جو چیز بے فائدہ ہوتی ہے وہ مباح کے درجہ میں ہوتی ہے، تیسرا پہلو یہ ہے

کہ اس جگہ حصر مراد نہیں ہے کیونکہ حبشہ کو دیکھ کر مزے لینا اور اس سے کھیلنا — اور ایسا صحیحین میں مذکور ہے — جائز ہے اور یہ ان تین اعمال سے باہر ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ محصور میں غیر محصور بھی قیاسی طور پر داخل کئے جاتے ہیں، جیسے کہ یہ روایت "**لا یحل دم امرئ مسلم إلا بإحدی ثلاث**" (کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین میں سے کسی ایک صورت میں) اس میں چوتھی اور پانچویں صورت کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اپنی بیوی سے ملاعبت کی صورت میں لذت اندوزی کے علاوہ دوسرا کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح گانا اور ان جیسی چیزوں میں صرف لذت اندوزی ہوتی ہے ساتھ ہی یہ امر بھی تسلیم شدہ ہے کہ باغوں میں تفریح کرنا، پرندوں کی آواز سننا اور لطف اندوزی کی تمام وہ صورتیں جن سے آدمی مزے لیتا ہے ان میں سے کوئی صورت حرام نہیں ہے گرچہ انہیں باطل کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔

— دف، آلات غناء اور گانے والیوں یعنی رقص وسرور کی محفل آراستہ کرنے والی خواتین کو بطور پیشہ اس عمل کی خاطر اپنانے پر وارد وعید والی روایتوں پر ایک نظر:

اس بابت روایتوں کی بڑی تعداد ہے جس سے گانا کو حرام سمجھنے والے علماء نے استدلال کیا ہے، جن میں گانے بجانے کے آلات یا مغنیات کو بطور پیشہ اپنانے یا ان سے تجارت کرنے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے ضروریات کی تکمیل کرنے والوں کو زمین میں دھنسا دینے اور بندر وخنزیر کی شکل میں تبدیل کرنے کی وعید سنائی گئی ہے۔

ان روایتوں کو بلکہ ان میں سے اکثر روایتوں کو علامہ مجد الدین ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "منتقی الأخبار من أحادیث سید الأخیار" میں نقل کیا ہے، ان میں ایک حدیث جو شراب نوشی اور گانے بجانے کے آلات کو حلال سمجھنے اور دوسری حدیث جو شراب اور ڈھول کی حرمت سے متعلق تھی اسے گذشتہ صفحات میں میں نے تحریر کردی ہے۔ اس جگہ صرف وہ روایتیں ہی نقل کرتے ہیں جو گانے والی خواتین اور آلات طرب اور ان دونوں کے متعلقات

سے مربوط ہیں۔

۴– حضرت عمر بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا : اس امت کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا ان کی پوری ہیئت تبدیل کر دی جائے گی اور جہنم کی سزا دیجائے گی، ایک بندہ مومن نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ایسا کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا : جب گانے والیوں اور گانے بجانے کے آلات کا غلبہ ہوجائے گا اور علانیہ طور پر شراب پی جانے لگے گی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا : جب مال غنیمت کو عام مال سمجھا جائے گا، اور امانت مال غنیمت تصور کی جائے گی اور زکوۃ کو تاوان یا قرض شمار کیا جائے گا، اور دین کو چھوڑ کے کسی اور مقصد کی خاطر تعلیم دی جائے گی، اور مرد بیوی کا مطیع ہوجائے گا، اور اپنی ماں کا نافرمان، دوست کو قریب کرے گا اور باپ کو دور، مسجدوں میں آواز بلند ہونے لگیں گی، اور قبیلہ کا سردار فاسق شخص بن جائے گا، اور ہر اعتبار سے ذلیل سمجھا جانے والا قوم کا لیڈر اور قائد ہوجائے گا، کسی مرد کی عزت صرف اس کے شر سے بچنے کی غرض سے کی جائے گی، اور رقص وسرور کرنے والی خواتین اور آلات طرب کا بول بالا ہوجائے گا، اور شراب پی جانے لگے گی، اور اس امت کا پچھلا طبقہ اپنے اگلے کو لعن طعن کرنے لگے گا تو اس وقت سرخ ہوا، زلزلہ اور دھنسائے جانے اور ہیئت تبدیل کئے جانے اور جہنم میں ڈالے جانے اور پے در پے ظاہر ہونے والی نشانیوں کا انتظار کرو جس طرح موتیوں کی لڑی کا دھاگا جب اس کی لڑی کاٹ دی جاتی ہے تو وہ باہم ایک دوسرے سے گڈ مڈ ہوجاتے ہیں''اسی طرح یکے بعد دیگرے متواتر انداز میں نشانیاں ظاہر ہوں گی''۔

۵– حضرت ابوامامہؓ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میری امت کی ایک جماعت کھاتے پیتے اور لہو ولعب میں مصروف ہوکر رات گزارے گی پھر جب ان کی صبح ہوگی تو وہ بندر اور خنزیر میں تبدیل ہوچکی ہوگی، اور ان کے زندوں پر ہوا چلے گی جو انہیں تباہ

وبرباد کردے گی جس طرح ان سے پہلے لوگ شراب کو حلال سمجھنے اور دف بجانے اور مغنیات (گانے والی خواتین) کو بطور پیشہ اپنانے کی وجہ سے تباہ کردیئے گئے، اس روایت کو امام احمد نے روایت کی ہے، اور اس کی سند میں ایک راوی فرقد السبخی ہیں جن کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہیں جبکہ ابن معین انہیں ثقہ (قابل اعتماد) کہتے ہیں۔ امام ترمذیؒ تحریر کرتے ہیں کہ ان کے بارے میں یحییٰ بن سعید نے کلام کیا ہے اور دوسرے لوگوں نے ان سے روایت بھی لی ہے۔

۶ — حضرت عبید اللہ بن زحر حضرت علی بن یزید سے اور وہ حضرت قاسم سے اور وہ حضرت ابوامامہ سے اور حضرت ابوامامہ جناب نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالی نے مجھے رحمت اور پوری کائنات کے واسطے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ سارنگی اور دوسرے آلات طرب اور ان بتوں کو جن کی زمانہ جاہلیت میں پوجا ہوتی تھی کلیۃً مٹادوں۔

امام احمدؒ نے یہ روایت بیان کی ہے، اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ عبید اللہ بن زحر ثقہ راوی ہیں، اور علی بن یزید ضعیف ہیں، اور القاسم بن عبید الرحمن ابوعبدالرحمن ثقہ ہیں، اور اسی سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: گانے والی خواتین کو نہ بیچو اور نہ خریدو اور نہ انہیں کچھ سکھاؤ، ان کی تجارت میں کوئی خیر نہیں، ان کے بدلے ملنے والا ثمن حرام ہے اور انہی جیسے امور کے سلسلہ میں قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ "**ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا أولئک لھم عذاب مھین**"، امام ترمذیؒ نے یہ روایت بیان کی ہے، اور امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اسی مفہوم کی روایت درج کی ہے مگر اس میں آیت مذکورہ کے نازل ہونے کی تفصیل موجود نہیں ہے، اور امام حمیدی نے بھی اپنی سند میں یہ روایت بیان کی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں: "**لا یحل ثمن المغنیة ولا بیعھا ولا شراؤھا ولا استماع إلیھا**" (گانے والی خاتون کا نہ معاوضہ نہ اس کا بیچنا اور نہ

خریدنااور نہ اس کوسننادرست ہے)۔

علامہ شوکانیؒ ان حدیثوں کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں عمران بن حصین کی حدیث امام ترمذیؒ نے عباد بن یعقوب کوفی سے بیان کرنے کے بعد سلسلہ سند یوں بیان کرتے ہیں: "**حدثناعبدالله بن عبد القدوس عن الأعمش عن هلال بن يساف عن عمران**" مگر الفاظ حدیث وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، اور یہ روایت امام ترمذیؒ نے "**عن الاعمش عن عبد الرحمن بن سياط عن النبی**ﷺ" کی سند سے مرسل روایت کی ہے، اور یہ روایت غریب ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ والی روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ علی بن حجر کے طریق سے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں : حدثنا محمد بن یزید الواسطی عن المسلم بن سعید عن رمیح الجذامی عنہ، مگر الفاظ بعینہ مذکورہ روایت کی طرح ہیں، اور اس باب میں حضرت علیؓ سے بھی روایت مروی ہے اور یہ روایت غریب، کیونکہ محدثین کے درمیان صرف اسی طریق سے مروی ہے۔

اور حضرت علیؓ کی یہ روایت جس کی جانب ابھی اشارہ کیا ہے اسے امام ترمذی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے پہلے بیان کی ہے جو اس طرح ہے :قال رسول اللهﷺ : "**إذا فعلت أمتي خمس عشرة خصلة حل بها البلاء وفيه :وشربت الخمور ولبس الحرير واتخذت القيان والمعازف**" (جب میری امت پندرہ عادتوں کو اپنا لے گی تو اس پر مصیبتیں نازل ہونے لگیں گی، ان میں یہ تین بھی ہیں : شراب پی جانے لگے گی اور ریشمی کپڑے پہنے جانے لگیں گے، اور گانے والی خواتین اور آلات طرب کو بطور پیشہ اپنایا جانے لگے گا)۔ ان تمام عادتوں کو شمار کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے کیونکہ صرف اسی طریق سے حضرت علیؓ کے حوالے سے ہم تک پہنچی ہے، اور نہ ہمیں کسی اور کا علم ہے جس نے فرج بن فضالہ کے علاوہ یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہو اور فرج بن فضالہ کے

بارے میں بعض محدثین نے کلام کیا ہے، اور انہیں ان کی قوت حافظہ کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ ان سے وکیع اور کئی ایک امام نے روایت کی ہے۔

امام شوکانی کے نزدیک حضرت ابوامامہؓ کی پہلی اور دوسری دونوں روایتوں پر مصنف نے کلام کیا ہے، اور ان کی روایت کردہ تیسری حدیث کو امام ترمذی نے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس جیسی روایت اسی طریق سے معروف ہے، بعض اہل علم نے علی بن یزید پر کلام کیا ہے اور انہیں ضعیف شمار کیا ہے — اور یہ شامی ہیں — اس روایت کو ابن ماجہ سعید بن منصور اور واحدی نے بھی بیان کیا ہے۔

عبیداللہ بن زمر : ان کے بارے میں ابوسھر رائے زنی کرتے ہیں کہ ان کا ہر معاملہ پیچیدہ رہتا ہے، اور ابن معین کے نزدیک ضعیف ہیں، اور مرہ کی نظر میں ان کا کوئی اعتبار نہیں، ابن المدینی منکر الحدیث کہتے ہیں، اور دارقطنی بھی ضعیف کہتے ہیں، ابن حبان بہت زیادہ منکر الحدیث مانتے ہیں روایتوں کا خاصہ حصہ اثبات سے روایت کی ہے، مگر جب علی بن یزید کے حوالے سے روایت کرتے ہیں تو ............ بیان کرتے ہیں۔

اس لئے صاحب ''المنتقی'' نے امام بخاریؒ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے عبیداللہ بن زمر کی توثیق کی ہے اسے بعید از قیاس سمجھا گیا ہے، جبکہ ابن حجر نے بھی تحریر کیا ہے کہ امام بخاری نے تاریخ میں اسے مقارب الحدیث اعتبار کیا ہے، مگر یہ پوزیشن علی بن یزید کی ہے، سچائی یہ ہے کہ عبیداللہ بن زمر کو جمہور ائمہ جرح وتعدیل صریح الفاظ میں ضعیف مانتے ہیں، جن میں یحییٰ بن معین، ابن المدینی یعقوب بن سفیان، ابومسہر، دارقطنی، عجلی اور ابن حبان وغیرہم کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جیسا کہ تہذیب الکمال کے ترجمہ ۳۶۶۳ میں درج ہے۔

## قینات (گانے والی خواتین) کی بابت روایتوں کا تنقیدی جائزہ :

حرمت کے قائل علماء نے قیان اور اس کی بیع وشراء کی حرمت سے متعلق روایتیں

بڑی تعداد میں بیان کر کے کثرت طرق کی بنیاد پر انہیں قوی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کا جواب ہم نے کئی طرح سے دیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے :

پہلی بات یہ ہے کہ اس موضوع کی تمام روایتیں جیسا کہ ہم نے مشاہدہ کیا ضعیف ہیں، اور جو روایت بھی قیان کی بیع وشراء اور اپنانے پر دلالت کرتی ہے وہ بھی ضعیف ہے، اور یہ بھی سچائی ہے کہ بعض علماء نے انہیں صحیح سمجھا ہے مگر دوسرے علماء نے ضعیف مانا ہے، علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ قینات کی ممانعت والی روایتیں کثرت طرق سے ثابت ہیں جن کی وجہ سے باہم ایک سے دوسری روایت کی تائید ہوتی ہے، اس لئے یہ روایتیں حسن لغیرہ میں شمار ہوں گی، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس بڑے علمی معرکہ میں حسن لغیرہ روایت کافی نہ ہوگی اس لئے کہ حسن لغیرہ ضعیف طرق کا مجموعہ ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام غزالیؒ کے نزدیک قینہ سے مراد وہ باندی ہے جو شراب وکباب کی مجلسوں میں مردوں کو گانا سنائے، اور ایک اجنبی خاتون کا فاسق وفاجر اور بدقماش لوگوں کے سامنے نغمہ سرائی کرنا جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو حرام ہے، کیونکہ ایسے لوگ اپنی ان تمام ترنقل وحرکت کے توسط سے ایک ناجائز عمل کو ہی انجام دینا چاہتے ہیں، اس کے برخلاف باندی اگر اپنے مالک کو گانا سنائے تو حدیث کے اس مفہوم کی روشنی میں حرام نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس سے بھی آگے اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو مالک کے علاوہ دوسروں کو بھی سنانے کی گنجائش نکلتی ہے، جیسا کہ صحیحین میں ایک روایت موجود ہے جس میں دو لونڈیوں کے حضرت عائشہؓ کے گھر میں نغمہ سرائی کرنے اور آپ ﷺ کے سننے کا تذکرہ ہے، اور یہ روایت عنقریب آگے آئے گی۔

تیسری چیز یہ ہے کہ گانا گانے والی یہ تمام خواتین غلامانہ نظام کا اہم عنصر کی حیثیت رکھتی ہیں، جسے اسلام نے بتدریج ختم کردیا، اس لئے اس طبقہ کا وجود اسلامی معاشرہ سے کسی طرح میل نہیں کھاتا تھا، تو وہ روایت جس میں گانا گانے والی خاتون کا مالک بننے اور اس کی خرید وفروخت کی مذمت کی جاتی ہے اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ غلامی کے مستحکم نظام کی

عمارت منہدم ہوجائے ، یہاں تک کہ اس کا تصور ہی ذہنوں سے غائب ہوجائے۔ چوتھی چیز یہ ہے کہ رقص وسرور کی محفلوں کی زینت بننے والی یہ خواتین اپنی نشوونما اپنی ذمہ داری اور اپنی خاص تربیت کے لحاظ سے ظہور اسلام سے پہلے اور بعد میں تھی، سماج میں فساد و بگاڑ کے پھیلنے کی اہم محرک رہی ہیں، سادگی اور سنجیدگی کی جگہ تصنع اور ظاہر داری کا غلبہ، بے حیائی چاہے کھلی ہو یا ڈھکی چھپی پر غایت درجہ فریفتگی ان تمام کے پیچھے انہی خواتین کی کارستانی کارفرما نظر آتی ہے، اس پس منظر میں جاحظ نے ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس میں ایک معاشرہ کو کھوکھلا کرنے میں ان خواتین کا جو رول رہا ہے اسے اجاگر کیا ہے۔

یہی دراصل ائمہ کرام کا اس مسئلہ میں سخت رخ اختیار کرنے کا راز ہے، یہاں تک کہ امام مالکؒ نے غناء کی صفت کو ایک باندی کی بیع میں عیب شمار کیا ہے، امام احمدؒ غناء کی خوبی سے مالا مال باندی کو عام باندی کی طرح بیچنے پر مصر ہیں، اسی طرح کی ایک باندی جو چند یتیموں کی تھی اس کے بیچنے کا معاملہ سامنے آیا تو ان سے عرض کیا گیا کہ جب یہ عام باندی کی حیثیت سے بیچی جائے گی تو اس کی قیمت دو ہزار کے برابر ہوگی اور جب مغنیہ کی حیثیت سے فروخت کی جائے گی تو اس کی قیمت تین ہزار کے برابر ہوگی، مگر انہوں نے اس تجویز کی کوئی پرواہ نہ کی اور اخیر تک عام باندی کی طرح بیچنے پر مصر رہے۔

### حدیث ''صوتان ملعونان'' :

ایک روایت وہ ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا : دو آواز ایسی ہیں جن پر لعنت ہوتی ہے ایک نعمت ملنے پر سارنگی کی آواز دوسری مصیبت کے وقت چیخ و پکار کی آواز۔

علامہ ناصر الدین البانیؒ نے سلسلۃ الصحیح میں (۴۲۷) نمبر کے طور پر یہ روایت درج کی ہے، اور اس سے آلات طرب کی حرمت پر دلیل قائم کی ہے، اس روایت کی تخریج

کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

اسے ابوبکر الشافعی نے ''الرباعیات'' میں یوں نقل کیا ہے : حدثنا محمد بن یونس : ثنا الضحاک بن مخلد ثنا شعیب بن بشر ثنا أنس بن مالک مرفوعاً۔

(میرا یہ کہنا ہے کہ اس سند کے سارے روات سوائے محمد بن یونس کے جو کہ کوفی ہیں اوران پر حدیث وضع کرنے کاالزام بھی ہے ثقہ ہیں مگران کا متابع موجود ہے، ضیاء نے ''المختارۃ '' میں دو دوسرے طرق سے ضحاک کے حوالہ سے نقل کی ہے، اس لئے یہ سند انشاء اللہ حسن درجہ کی ہوگی۔

ہیثمی نے مجمع میں منذری کی ترغیب میں درج شدہ تفصیلات کی متابعت میں لکھا ہے : ''رواہ البزار ورجالہ ثقات'' (اسے بزار نے راویت کی ہے اوراس کے سارے رواۃ ثقہ ہیں)۔

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کا ایک مشاہد اور موجود ہے جس سے اس کی سند میں مزید قوت پیدا ہوجائے گی، وہ یہ کہ حاکم نے اس روایت کو محمد بن عبدالرحمن بن أبی لیلی کے طریق سے عن عطاء عن جابر بن عبد الرحمن بن عوف بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے صاحبزادے ابراہیم کے پاس لے گئے اس وقت ان کی الٹی سانس چل رہی تھی، آپ ﷺ نے ان کو اپنی گود میں لیا اوران کی روح پرواز کرگئی، آپ ﷺ نے ان کو گود سے اتارا اور رو پڑے، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ رو رہے ہیں اورآپ نے ہی رونے سے منع فرمایا ہے اس پرآپ کا جواب تھا میں نے رونے سے منع نہیں کیا بلکہ میں نے دوطرح کی آواز نکالنے سے منع کیا ہے جو حماقت اورفسق وفجور کے جذبے سے محبت کی بناپر نکلتی ہیں ایک وہ جو شیطان کے آلات طرب اورلہو ولعب پر مشتمل نغمہ سرائی کی آواز، اورایک وہ آواز جو مصیبت کے وقت کی آہ وبکا اورشکل وصورت بگاڑتے ہوئے مکروہ قسم کی گریہ زاری پر مبنی ہوتی ہے، اورمیرا یہ رونا نرمی اورشفقت کے جذبہ سے ہے اور جو دوسروں کے حق میں نرم نہیں ہوتا اس پر بھی نرمی نہیں کی جاتی، اوراگر اللہ تعالی کا فرمان اوراس کا

وعدہ سچا نہ ہوتا اور یہ کہ ہمارے اگلے ہمارے پچھلوں سے ملا دیئے جائیں گے یعنی دونوں ہی موت کے انجام میں برابر ہوں گے، توتم پر اے ابراہیم اس سے بھی زیادہ غم کا اظہار کرتے اور ہم لوگ آپ کی جدائی میں مغموم ہیں، آنکھ رو رہی ہے دل غمزدہ ہے مگر ایسے مشکل وقت میں بھی ہم وہ نہیں کہتے جس سے ہمارا رب ناراض ہوجائے، بلکہ وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہوجائے۔

حاکم اور ذہبی نے اس روایت پر کوئی کلام نہیں کیا کیونکہ اس کی سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں سوائے ابن ابی لیلی کے کہ ان کا حافظہ درست نہیں ہے تو صرف ان کی ہی روایت سے استدلال نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرے ثقہ روای سے اس کی تائید نہ ہوجائے اور یہاں تائید موجود ہے۔

علامہ البانی کا یہ کہنا کہ انشاء اللہ یہ روایت حسن ہوگی اس اسلوب سے تھوڑا سا شک پیدا ہوتا ہے، کیونکہ صحیح الترغیب والترہیب میں اور اپنی کتاب ''تحریم آلات الطرب'' میں پرزور انداز میں اس حدیث کے حسن ہونے کو بیان کیا ہے۔

علامہ البانی جیسے واقف کار اور اسماء الرجال کے تجربہ کار شخص سے میری یہ خواہش تھی کہ وہ اس حدیث کے سلسلہ میں ابوبکر شافعی کی رباعیات پر اعتماد نہ کرتے اور نہ اس روایت کو بنیاد بناتے کیونکہ اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جو وضع حدیث کے سلسلے میں متہم ہے جیسا کہ علامہ نے ازخود اس کی صراحت کی ہے تو پھر وہ اس راوی کی روایت پر کیسے اعتماد کریں گے جس نے حدیث وضع کر کے ایک نہ کہی ہوئی بات اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کردی گرچہ اس کا متابع موجود ہے؟

یہ بھی واضح رہے کہ علامہ نے اس روایت کے وہ دو طرق جنہیں ضیاء نے ذکر کیا ہے انہیں بیان نہیں کیا ہے اگر ایسا کرتے تو پھر ان دونوں کی سند اور رواۃ کا جائزہ لیتے۔

لیکن علامہ کے مدعا کو ہیثمی کے منذری کی متابعت میں ذکر کردہ بزار کی روایت جس کے سبھی رواۃ ثقہ ہیں کی وجہ سے قوت مل جاتی ہے۔

اور یہ امر بھی متحقق ہے کہ ''رواۃ ثقات'' کے اس جملہ سے قطعی طور پر حدیث کی نہ تو تصحیح ہوتی ہے اور نہ تحسین، بلکہ اس میں علت انقطاع پائی جاتی ہے، مگر محدثین ائمہ ترغیب وترہیب کے باب میں راوی کی توثیق کی بابت تھوڑی وسعت سے کام لیتے ہیں۔

اس لئے ہمیں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ بزار کے سلسلہ سند میں جتنے رواۃ ہیں ان کی ثقاہت کے سلسلہ میں مطمئن ہوجاؤں کہ آیاان سب کی ثقاہت پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے یا نہیں؟

چنانچہ میں نے ہیثمی کی ''کشف الأستار عن زوائد مسند البزار'' جس میں وہ زوائد کی روایتوں کو ان کی سندوں کے ساتھ ''مجمع الزوائد'' کے برعکس انداز میں بیان کرتے ہیں سے رجوع کیا حدیث ۷۹۵ کے متعلق فرماتے ہیں: **''حدثنا عمرو بن علی ثنا أبو عاصم ثنا شبیب بن بشر البجلی قال: سمعت أنس بن مالک یقول''** اس طرح پوری روایت ذکر کی ہے، عمرو بن علی اور ابوعاصم جن کا نام ضحاک بن مخلد ہے یہ دونوں حافظ ہیں اور اپنی ثقاہت میں مشہور ہیں، مگر شبیب بن بشر اس پایہ کے نہیں ہیں اگرچہ یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے، اور ابن شاہین نے بھی ثقاہت کی فہرست میں شمار کیا ہے، ابوحاتم نے لین الحدیث کہا ہے اور ان کی روایت کو بزرگوں کی روایت کے مشابہ بتایا ہے، ابن الجوزی کے نزدیک ضعفاء میں ہیں، نسائی فرماتے ہیں کہ ابوعاصم کے علاوہ میری معلومات میں کوئی دوسرا راوی نہیں جس نے اس سے روایت کی ہو، اور ان سے روایت بیان کرنے میں غلطی ہوجاتی تھی، ذہبی نے ان کا تذکرہ اپنی کتاب ''المغنی فی الضعفاء'' میں ترجمہ ۲۷۳۵ میں کیا ہے، اس طرح کا مختلف فیہ راوی خصوصاً جس کے حافظہ میں اختلاف ہو تو اس سے روایت بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطی سرزد ہوتی ہے اور اس کی روایت قابل استدلال نہیں رہتی اور نہ مختلف فیہ مسائل میں ان کی روایت کردہ حدیث قابل اعتماد رہتی ہے۔

علامہ البانی نے روایت کی مزید پختگی کی خاطر بطور شاہد حاکم کی اس حدیث کا حوالہ پیش کیا جو عن ابن أبی لیلی عن عطاء مروی ہے اس سے دراصل روایت کو کوئی مضبوطی نہیں ملتی

کیونکہ اس حدیث کے رواۃ میں محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی ہیں جوضعیف ہیں اگر چہ کسی باحث کے لئے یہ مسرت انگیز معاملہ ہے کہ اسے ابن قیم کی طرح شہرت کے حامل کسی ایسے محقق کی تحقیقی کاوش سے استفادہ کا موقع مل جائے جس نے بعینہ اسی روایت سے استدلال کیا ہے جس سے ابن القیم نے اپنی کتاب ''اِغاثۃ اللھفان'' میں اور سماع سے متعلق اپنی مستقل تصنیف میں استدلال کیا ہے، امام ترمذی کی روایت ابن القیم نے حاکم کی طرح سند اور متن کے اعتبار سے پوری یکسانیت کے ساتھ ذکر کی ہے، مگر یہاں بھی مدار سند ابن ابی لیلی ہیں۔

ابن القیم حدیث کے الفاظ تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

ممانعت کے اس پرزور اسلوب پر غور کرو جس میں گانے کی آواز کو احمقانہ آواز کہا گیا ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ اسے فسق وفجور کا ایک جزء قرار دیا گیا ہے، اور اتنا ہی نہیں بلکہ اسے شیطان کے آلہ طرب سے تشبیہ دی گئی ہے، اور آنحضرت ﷺ نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اس چیز کی تاکید کی کہ وہ گانا کو شیطان کا آلہ طرب سمجھتے رہیں گے جیسا کہ اس صحیح روایت میں اس طرح کی تفصیلات موجود ہیں جو عنقریب آنے والی ہے، اگر اس طرز کلام سے حرمت کا حکم ثابت نہ ہوا تو پھر نہی کے صیغے سے کبھی بھی حرمت ثابت نہیں ہوسکتی۔

''لاتفعل''، اور ''نہیت عن کذا'' جیسے صیغوں کے سلسلہ میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے کس صیغہ سے حرمت زیادہ صراحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے؟ بلا شبہ صیغہ ''نہیت'' سے حرمت کا ثبوت زیادہ واضح ہے بنسبت ''لاتفعل'' کے کیونکہ اس میں نہی بمعنی حرام کے علاوہ دوسرے معانی کا بھی امکان ہے برخلاف اس صیغہ کے جو اپنے معانی کو صراحت کے ساتھ بغیر کسی احتمال کے بیان کر رہا ہو۔

تو پھر ایک واقف کار شخص اس کے لئے ایسی گنجائش کیسے ہوگی کہ وہ اس چیز کو جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے روکا ہو اور اسے احمقانہ اور فسق وفجور پر مشتمل آواز اور شیطانی آلہ طرب بتایا ہو، اور اسے اور نوحہ خوانی جسے انجام دینے والا بھی قابل لعنت ہوتا ہے دونوں کو

ممانعت میں برابر قرار دیا ہو اور دونوں کو حماقت اور فسق آمیز شمار کیا ہو کو جائز سمجھے؟

مگر ہمیں تعجب علامہ ابن القیم پر ہوتا ہے کہ انہوں نے کیسے اس حدیث سے استدلال کیا؟ اور اس حدیث کو مذکورہ الفاظ کے ساتھ امام ترمذی کی جانب منسوب کر دیا جبکہ امام ترمذی نے اسے مختصر بیان کیا ہے، اور امام ترمذی کے حدیث کو حسن قرار دینے سے قبل ہی انہوں نے کیسے قابل اعتماد سمجھا اور اس پر حکم ثابت کر دیا؟ جبکہ انہیں یہ بات معلوم ہے کہ یہ روایت محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی کی ہے اور انہیں حافظہ کمزور ہونے کی بنا پر متفق علیہ طور پر ضعیف مانا گیا ہے، اور ابن القیم جیسے محقق کے لئے ابن ابی لیلی کوئی غیر مانوس راوی نہیں ہیں کہ وہ ممکن ہے کہ ان کی ثقاہت وعدم ثقاہت سے واقف نہ ہوں۔

دوسری آواز کے متعلق ترمذی کی روایت میں "ورنّة الشیطان" (شیطانی آواز) جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں جو مفہوم کے لحاظ سے مجمل ہیں چنانچہ ان سے وہ حرمت ثابت نہیں ہوسکتی جسے ابن القیم نے بیان کیا ہے۔

جب روایت کا مدار محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی ہیں تو ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ ان کا شمار ان ائمہ میں ہوتا ہے جو فقہ، فتاوی، سچائی، شجاعت اور پاکدامنی میں اچھی شہرت کے حامل رہے ہیں، مگر ان میں روایت حدیث کی ایک شرط مفقود ہے وہ ہے ضبط کا نہ ہونا، اور اس راوی کی روایت مقبول ہوتی ہے جس میں عدالت اور ضبط دونوں ہی بیک وقت موجود ہوں، اس لئے اس فن کے ائمہ نے انہیں ان کے ضبط اور حافظہ کے اعتبار سے ضعیف مانا ہے، اگرچہ ان کے علم کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ "كان أفقه أهل الدنيا" پوری دنیا میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔

حافظ ذہبی نے (میزان الاعتدال) میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ صدوق ہیں، مگر حافظہ کی خرابی کے امام ہیں، اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

ان کے بارے میں علماء کرام کے اقوال بھی نقل کئے ہیں احمد بن عبد اللہ العجلی کے

نزدیک ایک سچے فقیہ تھے، سنت پر عمل پیرا تھے، قاری تھے عالم تھے، ان کے سامنے ابوحمزہ زیات نے زانوے تلمذ طے کیا ہے۔

ابوزرعہ کہتے ہیں کہ وہ اتنے قوی نہیں ہیں جتنا ہونا چاہئے، احمد کہتے ہیں کہ وہ مضطرب الحدیث ہیں اور شعبہ کے نزدیک ان سے بڑا بدحافظہ کوئی ہے ہی نہیں۔

یحییٰ القطان کے خیال میں ان کا حافظہ بہت زیادہ کمزور تھا اور یحییٰ بن معین کے نزدیک نسائی کی نظر میں قوی نہیں ہیں، دارقطنی کہتے ہیں کہ ان کا حافظہ کمزور تھا اور زیادہ تر وہم کے شکار رہتے، ابواحمد حاکم کہتے ہیں کہ بالعموم ان کی روایتیں بالکل پلٹی ہوئی ہوتی تھیں، احمد بن یونس کا کہنا ہے کہ وہ پورے عالم میں سب سے بڑے فقیہ تھے، اور یحییٰ بن یعلی محاربی کا کہنا ہے کہ زائدہ نے ابن ابی لیلی کی روایت کو مسترد کر دیا ہے۔

ابن خراش کہتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم بن شاذان نے ہم سے سعد بن صلت کے حوالے سے بیان کیا کہ ابن ابی لیلی اس شخص کی بات کا بالکل ہی اعتبار نہ کرتے جو نبیذ نہ پیتا۔ احمد بن یونس کہتے ہیں کہ میں نے زائدہ سے ابن ابی لیلی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا وہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقہ کے ماہر ہیں، بشر بن الولید کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو فرماتے ہوئے سنا کہ منصب قضاء پر جو کوئی فائز ہوا اسے دین الٰہی کا اتنا تفقہ حاصل ہو اور کتاب اللہ کی اتنی اچھی تلاوت کرتا ہو اور اپنے رب کے بارے میں اتنی حقیقت پسندانہ گفتگو کرتا ہو اور لوگوں کی دولت سے اتنا زیادہ دور رہتا ہو جتنا دور ابن ابی لیلی رہتے ہیں، احمد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی لیلی اور مطر کی وہ روایت جو عطاء کے حوالے سے ہوتی تھی اس کی تضعیف کرتے تھے، عثمان دارمی اور معاویہ بن صالح نے ابن معین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابن ابی لیلی ضعیف ہیں، ابن حبان کے نزدیک حافظہ کے کمزور ہیں اور غلطیاں زیادہ کرتے ہیں، اس لئے ان کی بیان کردہ روایتوں میں منکر روایتیں زیادہ ہیں اس لئے ان کی روایتوں سے احمد اور یحییٰ نے صرف نظر کیا ہے، مگر امام ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ ہم نے ان دونوں کو ان کی

روایت نہ لیتے کبھی نہیں دیکھا بلکہ ان کے بارے میں ان حضرات کے یہاں نرم گوشہ تھا، ابن حجرؒ نے ''التقریب'' میں ان کے بارے میں اہم بات بطور خلاصہ یہ لکھی ہے کہ وہ صدوق ہیں مگر حافظہ کے بہت ہی کمزور ہیں۔

اس لئے ان تمام تفصیلات کی روشنی میں ہمارے امام ابن القیم کے لئے بالکل روا معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کسی ایسی روایت پر اعتماد کریں جس کا مدار ابن ابی لیلی ہوں اور خصوصاً جب ان کی روایت عطا کے حوالے سے ہو۔

## زبارۃ الراعی والی روایت :

ان علماء نے نافع کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے چرواہا کے سارنگی بجانے کی آواز سنی تو اپنی دونوں انگلیوں سے اپنا کان بند کرلیا، اور اپنی سواری راستہ سے ہٹالی اور کہنے لگے اے نافع کیا تم سن رہے ہو؟ اور میں کہتا رہا ہاں پھر پوچھتے رہے یہاں تک کہ میں نے کہا نہیں، انہوں نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اپنی سواری راستہ پر لائے اور فرمایا : میں نے رسول اللہ ﷺ کو چرواہا کے سارنگی بجانے کی آواز سنتے دیکھا تو آپ نے ایسا کیا تھا۔

اس حدیث کے بارے میں امام ابوداؤد کا کہنا ہے کہ منکر ہے، ان کے اس قول پر حافظ منذری نے سنن کی مختصر یعنی سنن ابی داؤد میں کسی طرح کا کوئی کلام نہیں کیا ہے بلکہ سکوت اختیار کیا ہے، اور نہ انہیں متقدین علماء میں سے کسی بھی ایسے عالم کی جانکاری ہے جنہوں نے امام ابوداؤد کے اس روایت کو منکر سمجھنے پر تنقید کی ہو، اگرچہ صاحب (عون المعبود) یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس روایت کے منکر ہونے کی کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی بلکہ اس کی سند قوی ہے اور نہ یہ روایت ثقاہت کے مخالف ہے۔

اگر یہ روایت صحیح ثابت بھی ہوجاتی ہے تب بھی حرمت کے قائل حضرات کے خلاف

دلیل ہوگی نہ کہ ان کے حق میں، کیونکہ اگر سارنگی کا سننا حرام ہوتا تو نبی کریم ﷺ ابن عمرؓ کے لئے اسے مباح نہ سمجھتے، اور اگر ابن عمرؓ کے نزدیک حرام ہوتا تو وہ بھی نافع کے واسطے اسے مباح نہ مانتے، اور نبی کریم ﷺ اس سے گریز کرنے کی تعلیم دیتے اور اس برائی کے خاتمہ کی خاطر سارنگی کے آلات توڑنے کا حکم دیتے، یا کم از کم چرواہا کو اتنا ضرور بتاتے کہ تمہارا یہ عمل حرام ہے، اس لئے کہ بوقت ضرورت مسئلہ کی وضاحت نہ کرنا اور بلا مقصد اسے مؤخر کرنا درست نہیں ہے، امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضرت ﷺ کا چرواہے کی نکیر نہ کرنا اس لئے تھا کہ آپ ﷺ اس وقت بزورِ قوت اس منکر کے خاتمہ کی قدرت حاصل نہ تھی، اس لئے کہ یہ بات ثابت ہے کہ ابن عمرؓ کی نبی کریم ﷺ سے مصاحبت مدینے میں ہوئی تھی اور اس وقت اسلام کو پورا غلبہ حاصل ہو چکا تھا اس کے باوجود آپ ﷺ کی جانب سے نکیر کا نہ پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل حرام نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا ابن عمرؓ کو اس عمل پر باقی رکھنا اور چرواہے سے سکوت فرمانا حلت کی دلیل ہے، اور آپ ﷺ کا اس آواز کو سننے سے گریز کرنا بالکل اسی طرح سے ہے جس طرح سے آپ ﷺ دنیا کی بہت سی لطف انگیز مباح چیزوں سے گریز فرماتے تھے، مثلاً آپ کا ٹیک لگا کے نہ کھانا، اور رات کا اس حال میں نہ گزارنا کہ آپ ﷺ کے پاس درہم و دینار موجود ہو۔

اس لئے امام ابوداؤدؒ نے یہ روایت ''باب فی کراھیۃ الغناء والزمر'' میں ذکر فرمائی ہے۔

امام خطابی نے ''معالم السنن'' میں لکھا ہے کہ سارنگی کا بجانا گرچہ مکروہ ہے اور اس سے پرہیز کرنا بھی کراہت کی وجہ سے ہے جبکہ اس کا شمار ان محرمات غلیظہ جن میں بے حیا قسم کے نیم پاگل لوگ ملوث رہتے ہیں نہیں ہوتا اور اگر اس کا معاملہ بھی اسی طرح ہوتا تو صرف کان بند کرنے پر اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ سخت لہجے میں زجر و توبیخ کی جاتی۔

## حدیث ''الغناء یُنبت النفاق فی القلب'' :

ان علماء کا اس روایت ''أن الغناء ینبت النفاق فی القلب'' (گانا دل میں نفاق پیدا

کرتا ہے) سے بھی استدلال ثابت ہے، جبکہ یہ روایت نبی کریم ﷺ سے بطور حدیث ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ کسی صحابیؓ یا تابعیؒ کا قول ہے، اسی لئے امام بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً روایت کی ہے۔ حافظ ابن طاہر کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے، اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ حضرت ابن مسعودؓ یا ان کے مکتب فکر کے فیض یافتہ بعض تلامذہ جیسے ابراہیم نخعی وغیرہ کا قول ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی کا قول دلیل نہیں بن سکتا۔

اس سلسلہ میں سب سے تعجب خیز بات جو میری نظر سے گزری کہ بعض حضرات ابن مسعودؓ کے اس قول "**الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل**" (گانا دل میں بالکل اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی سبزی اگاتا ہے) کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، اس لئے کہ اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ قول نفاق جیسی مخفی شئی پر مشتمل ہے اور مخفی شئی کا علم انسان کو نہیں ہوسکتا اس لئے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ صحابیؓ نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے سنی ہوگی اگرچہ انہوں نے آپ ﷺ کی جانب اس کی نسبت نہیں کی ہے۔

یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اس لئے کہ یہ امر اس غیب کے درجہ میں نہیں ہے جو ماوراء عقل ہے اور جو غلطیوں سے پاک وحی کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا، بلکہ یہ تو قابل مشاہدہ امر ہے جس کے اثرات آئے دن انسانی برادری میں ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں، اور لوگ اپنی دانائی تجربات نفسیاتی اور فکری نقطہائے نظر کے مطابق اس کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں، دلوں پر اعمال کی اثر پذیری ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ہر وہ شخص معترف ہے جسے انسانی نفسیات اور ان میں اثر کرنے والے محرکات کا علم ہے، اور اس کا بھی امکان ہے کہ اس موضوع پر وہ علماء زیادہ بہتر کلام کرسکتے ہیں جو علم نفسیات تربیت سماجیات اور تصوف وسلوک کے ماہر ہیں۔

بہرحال چاہے یہ کسی انسان کا قول ہو یا اس کی رائے معصوم نہیں ہوسکتی چنانچہ دوسرے حضرات بالخصوص صوفیہ نے بالکل اس کے برعکس بات کہی ہے کہ گانا دل کو نرم کردیتا ہے، جبکہ غم اور سرپسندی معصیت پر ابھارتی ہے، اللہ تعالی کا شوق پیدا کرتا ہے، اس لئے صوفیاء اپنے اندر شوق پیدا کرنے، عزائم بیدار کرنے اور دلوں کو تروتازہ رکھنے کی خاطر گانا گاتے ہیں، اور اس عمل کو ان مقاصد کا ذریعہ خیال کرتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان چیزوں کا تعلق ذوق تجربے اور برتنے سے ہے، جس نے چکھا اس نے ذائقہ سمجھا اور سنی سنائی چیزوں کا وہ درجہ نہیں ہوتا جو دیکھی و پرکھی چیزوں کا ہوتا ہے۔

امام غزالیؒ نے اس جملہ کی بڑی مقبول تشریح کی ہے وہ اس طرح کہ اس جملہ کو مغنی سے متعلق کیا ہے نہ کہ سامع سے کیونکہ گانا گانے کے پیچھے مغنی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے پیش کرے اور اس پر اپنی آواز کی دھاک جمائے، چنانچہ عوام الناس کے ساتھ اس کا منافقانہ محبت آمیز برتاؤ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ لوگ اس کی نغمہ سرائی پر فریفتہ نہ ہوجائیں، اس تشریح سے گانے کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اچھے کپڑے زیب تن کرنا، تیز رفتار گھوڑوں کی سواری کرنا اور زیب وزینت کی دیگر تمام انواع سے آراستہ و پیراستہ ہونا، کھیتی اور چوپایوں پر فخر کا اظہار کرنا بھی دلوں میں نفاق کی آبیاری کرتا ہے، اس کے باوجود یہ تمام تر چیزیں مطلقاً حرام نہیں ہیں، کیونکہ دلوں میں نفاق کا ظہور ان اعمال کے گناہ ہونے کو ثابت نہیں کرتا، بلکہ بہت سے مباح کام جس پر پوری خلقت کی نگاہ مرکوز ہوتی ہے اس کی وجہ سے دلوں میں اس طرح کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

### حدیث مزمور الشیطان :

حرمت کے قائل علماء نے چند صحابہ کرام کے اقوال سے بھی استدلال کیا ہے جنہیں ہم نے ان کے معانی کی وسعت کے لحاظ سے سنت کا ہی جزء سمجھا ہے۔

سب سے پہلے ان علماء نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت عائشہؓ کے گھر دو باندیوں کو گاتے ہوئے سنا تو حضرت عائشہؓ کی نکیر کرتے ہوئے فرمایا: "مزمور الشیطان فی بیت رسول اللہ" شیطانی گیت اللہ کے رسول ﷺ کے گھر میں؟ دونوں باندیوں کو ڈانٹا، اسی طرح سے ابن القیم نے "إغاثۃ اللھفان" میں اور دیگر حرمت کے قائل علماء نے نقل کیا ہے۔

جبکہ دو باندیوں کا نبی کریم ﷺ کے گھر میں گانا بجائے خود حلت کو ثابت کرنے والی سب سے بڑی دلیل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو سننے دیا بلکہ خود بھی دونو ں کی آواز سماعت فرمائی، اور حضرت ابوبکرؓ کے اس سلسلہ میں سخت موقف کو نا قابل اعتبار قرار دیا اور ان سے فرمایا کہ ان دونوں کو گانے دو یہ خوشی کے ایام ہیں۔

علامہ کتانی نے "التراتیب الإداریۃ" میں اس دلیل کا نہایت ہی پرزور انداز میں رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن حبیب عامری بغدادی سماع کے موضوع پر تالیف کردہ اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں:

جس نے سیدنا ابوبکرؓ کے گانا کو (مزمار الشیطان) "شیطانی گیت" سے تعبیر کرنے سے گانا کی حرمت ثابت کی ہے دراصل اس نے غلطی کی ہے اور وہ دیگر وجوہات کی روشنی میں غلط فہمی کا شکار رہے۔

پہلی بات یہ کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے اس قول سے استدلال کیا جارہا ہے جبکہ آپ ﷺ نے ان کے اس قول کو مسترد کردیا تھا اور ان کے اس تشدد آمیز رویے پر تنبیہ فرمائی تھی جس کے نتیجہ میں حضرت سیدنا ابوبکرؓ نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حرمت کا قائل اگر اس قول سے استدلال کرتا ہے تو گویا وہ آنحضرت ﷺ نے جو اسے جائز ٹھہرایا اور بذات خود سماعت بھی کی جس کی بنا پر بغیر کسی احتمال

کے اس کی حلت ثابت ہوتی ہے سے اعراض کر رہا ہے اور حضرت ابوبکرؓ کے قول سے استدلال کر رہا ہے، جبکہ یہ بات بالکلیہ محال ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کسی ایسے معاملے میں حرمت کے قائل ہوں جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا ہو اور آپ ﷺ اسے جائز ٹھہرایا ہو کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کو پوری طرح اس حقیقت کی واقفیت تھی کہ آپ ﷺ کسی شئی باطل کو جائز نہیں ٹھہراتے۔

صحیح یہ ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکرؓ کے اس قول کا وہ مفہوم مراد لیا جائے جو اس قول کے حسب حال ہے وہ یہ کہ خلیفہ رسول ﷺ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی نظر میں دف بجانا اور شعر پڑھنا دراصل ان مباح اعمال میں شامل تھا جو عبادت میں شمار نہیں ہوتے ہیں، تو ان کے دل میں بارگاہ نبوت (علی صاحبہا ألف ألف تحیۃ وسلام) اور منصب رسالت کی عظمت اور شان وشوکت کے موجزن احساس نے انہیں اس پر آمادہ کیا کہ بارگاہ آب ﷺ میں کی جانے والی اس طرح کی نقل وحرکت سے روکا جائے، اور ایسے مبارک موقع پر ذکر وعبادت میں ہی مشغول رہا جائے اس لئے انہوں نے احترام نبوت ورسالت کے جذبے سے منع فرمایا نہ کہ اس عمل کو حرام سمجھتے ہوئے منع کیا، تو نبی کریم ﷺ نے دو وجہوں کے پیش نظر ان کے اس نظریہ کو مسترد فرمایا:

۱– ایک تو یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو عمل شریعت کی نظر میں امت کے حق میں توسعاً مباح قرر دیا گیا ہے اسے حرام نہ سمجھ لیا جائے۔

۲– دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کے اس تردیدی بیان میں امت کے واسطے اعلی درجہ کے اخلاقی برتاؤ اور وسعت قلبی کا اظہار ہے کہ یہ امت بعض مباح چیزوں سے اپنے دلوں کو بہلا لیا کرے تا کہ پوری طرح چاق وچوبند ہوکر دوبارہ عبادت کی طرف لوٹ آئے جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے یہ کہنے پر کہ أقرآن وشعر؟ کیا قرآن اور شعر دونوں کی گنجائش ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک گھڑی یہ اور ایک گھڑی وہ۔

جبکہ یہ حقیقت بھی تسلیم شدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا گانا کو جائز ٹھہرانا اگر اسے فرضی ہی قرار دیں تب بھی حضرت سیدنا ابوبکرؓ کے اس عمل کو مزمور الشیطان "شیطانی گیت" کہنے سے اس کی حرمت ثابت نہ ہوگی، کیونکہ کسی بھی عمل کی نسبت جب شیطان کی طرف کی جاتی ہے تو اکثر وبیشتر اس سے اس عمل کا مکروہ ہونا مراد لیا جاتا ہے، حرام ہونا مراد نہیں لیا جاتا، اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **"العطاس من الرحمن والتثاؤب من الشیطان"** (چھینک رحمن کی طرف سے آتی ہے اور جمائی شیطان کی طرف سے)، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمائی لینا گناہ ہے بلکہ اس سے نفرت دلانا اور گریز کرانا مقصود ہے کیونکہ یہ سست روی اور حد سے زیادہ کھانا کھانے کی علامت ہے، اسی طرح ارشاد نبوی ہے : **"فراش للرجل وفراش لامرأته وفراش للضیف والرابع للشیطان"** (ایک بستر مرد کا ہوتا ہے ایک اپنی بیوی کا ایک مہمان کے لئے اور اس سے آگے چوتھا بستر شیطان کے لئے ہوتا ہے)۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ چوتھا بستر حرام ہے بلکہ اس سے یہ مکروہ ہونا ثابت ہو رہا ہے، کیونکہ چوتھا بستر جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو پھر اس کا انتظام وانصرام گھریلو اثاثہ جات کے متعلق بے جا فراخ دلی کا اظہار ہے۔

حضرت عثمانؓ کا یہ قول **"ماتغنیت ولا تمنیت"** (نہ میں نے گانا گایا اور نہ تمنا کی) کا علمی جائزہ :

حضرت عثمانؓ سے منقول ان کا یہ قول **"ما تغنیت ولا تمنیت ولا مسست ذکری بیمینی منذ بایعت رسول اللہ ﷺ"** (جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اس وقت سے لے کر اب تک نہ میں نے گانا گایا اور نہ تمنائیں کی اور نہ دائیں ہاتھ سے اپنا ذکر چھوا)۔

اس دلیل کے رد میں ہم چند باتیں عرض کرتے ہیں :

۱۔ نبی معصوم ﷺ کے مقابلے میں کسی انسان کا قول دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ نہ حضرت عثمانؓ کو اور نہ دیگر صحابہ کو بذات خود کسی طرح کی قانون سازی کی اجازت نہیں ہے۔

۲۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عثمانؓ صرف حرام عمل سے ہی پرہیز کرتے تھے تو اس کی تردید کے واسطے اتنا کہنا کافی ہے کہ حضرت عثمانؓ مشتبہ مکروہ اور نامناسب عمل کے ساتھ ساتھ کبھی جائز عمل سے بھی گریز کرتے تھے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے نبی کریم ﷺ کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ قابل حرج عمل کے ساتھ ناقابل حرج عمل سے بھی اجتناب نہ کرے۔

۳۔ وہ چیزیں جن سے حضرت سیدنا عثمانؓ گریز کرتے تھے وہ سب بلند مرتبہ آداب کے دائرہ میں آتی ہیں معاصی اور محرمات کے زمرے میں نہیں آتیں، اگر ایسا ہوتا تو تمنا کرنا حرام ہوتا اور دائیں ہاتھ سے مس ذکر بھی حرام کہا جاتا، جب کہ کوئی بھی شخص ان دونوں کی حرمت کا قائل نہیں اور نہ ایسی کوئی دلیل ہے جو ان دونوں کی حرمت ثابت کرے، بلکہ یہ سارے کام استحبابی درجے میں آتے ہیں یا امت کو اچھے آداب کی جانب رہنمائی کرنے کے درجے میں شمار کئے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

''جب تم میں سے کوئی شخص استنجاء کرے تو دائیں ہاتھ سے ذکر نہ پکڑے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے''۔

## کیا عورت کی آواز سے پردہ ہے؟

ان علماء نے بالخصوص عورت کی نغمہ سرائی کو حرام ثابت کرنے کی خاطر لوگوں کے درمیان جو یہ عام ہے کہ عورت کی آواز پردہ میں داخل ہے سے استدلال کیا ہے، جبکہ اللہ کے دین میں نہ ایسی کوئی شرعی دلیل ہے اور نہ دلیل کے مشابہ کوئی ایسا قول ہے جس سے عورت کی آواز کا پردہ میں شامل ہونا ثابت ہو، جبکہ یہ ثابت ہے کہ خواتین صحابیات صحابہ کرام کی موجودگی

میں آنحضرت ﷺ سے مسائل دریافت فرماتی تھیں، اور صحابہ کرام امہات المومنین سے رجوع کرتے تھے تو وہ انہیں مسائل کا جواب دیتیں اور حدیث بھی بیان فرماتیں پھر بھی کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ اس طرزِ عمل سے حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف سے اس پردہ کی خلاف ورزی ہوئی جس کا اہتمام واجب تھا جبکہ اللہ تعالی کی طرف امہات المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین پر دیگر خواتین کی بنسبت زیادہ سختی تھی، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے :"إذا سألتموهن متاعاً فاسألوهن من وراء حجاب"(الاحزاب: ۵۳)۔

ان سے سوال کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے لئے جواب دینا لازم تھا تو ایسے وقت میں ان کے واسطے جواب دینے میں کوئی حرج نہیں تھا، اور اللہ تعالی امہات المومنین کو اس بات کی بھی تاکید فرماتے ہیں :"وقلن قولاً معروفاً"(الاحزاب: ۳۲)۔

اگر یہ علماء اس آیت سے عام بات مراد لیں گا نا مراد نہ لیں تو اس وقت ہم صحیحین کی اس روایت کو دلیل کے طور پر پیش کریں گے جن میں یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے دو باندیوں سے گاتے ہوئے سنا اور ان دونوں کو اس سے منع نہیں فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ ان دونوں کو گانے دو، اور حضرت ابن جعفر اور دوسرے صحابہ کرامؓ اور تابعین سے بھی ثابت ہے کہ یہ حضرات باندیوں کی نغمہ سرائی سماعت کرتے تھے۔

## حرمت غناء پر دلالت کرنے والی روایتیں صحیح نہیں ہیں :

خلاصہ یہ کہ وہ روایتیں جن سے حرمت کے قائل علماء نے استدلال کیا ہے یا تو وہ صحیح ہیں مگر مراد کے اعتبار سے صریح نہیں ہیں اور اگر دلالت میں صریح ہیں تو سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، ایک بھی صریح روایت جو مرفوعاً نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے وہ حرمت غناء کی دلیل بننے کے لائق نہیں ہے، اس موضوع کی تمام تر روایتوں کو شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔

قاضی ابو بکر عربی اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ حرمت کو ثابت کرنے والی ایک بھی روایت صحیح نہیں ہے، ایسی ہی بات امام غزالی نے ''الاحیاء'' میں اور ابن الجوزی نے ''العمدۃ'' میں لکھی ہے ابن طاہر نے اپنی کتاب ''السماع'' میں لکھا ہے کہ اس باب کی روایتوں کا ایک حرف بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، ابن حزم اپنی کتاب ''المحلّی'' میں تحریر کرتے ہیں کہ اس باب کی ایک بھی روایت صحیح سند سے مروی نہیں ہے، اور جو کچھ بھی ہے وہ موضوع ہے، بخدا اگر پوری کی پوری روایت یا ان میں سے ایک یا اس سے زیادہ معتبر سند سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوتی تو ہمیں ان پر عمل کرنے میں کوئی تردد نہ ہوتا۔

## صحت کی محتمل روایتوں کی تاویل :

حرمت کے قائل علماء نے جن روایتوں سے استدلال کیا ہے اگر بالفرض انہیں اس بنا پر صحیح تسلیم کر لیں کہ متعدد ضعیف طرق سے وارد ہوئی ہیں تب بھی جیسا کہ غناء سے وہ گانے مراد لئے جائیں گے جو دلوں میں ایسی تحریک پیدا کردے جس سے شیطان کی مراد برآتی ہو، مثلاً شہوانی جذبات برانگیختہ ہوجائے انسانوں کے باہمی عشقیہ جذبات بھڑک جائیں، مگر وہ گانا جس سے خدا کا شوق بیدار ہو اور خوشی کے موقع سے مسرت آمیز جذبات کا اظہار ہو، جیسے کہ بچے کی ولادت ہو یا لاپتہ شخص گھر لوٹ آئے وغیرہ ان مواقع میں خوشی کا اظہار شیطانی مقاصد کے بالکل برعکس ہے، لہذا ان مضامین کی حامل نغمہ سرائی بالکل درست ہے دو باندیوں اور حبشہ کے واقعہ کو اس مسئلہ کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، ساتھ ہی ان صحیح روایتوں سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جنہیں ہم نے صحیح ترین روایتوں میں سے منتخب کر کے نقل کیا ہے، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک جگہ ایک عمل کو جائز سمجھنا اس کی اباحت کی صریح دلیل ہے، اور ہزار جگہوں پر اس سے روکنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ قابل احتمال مسئلہ ہے، رہی بات عمل کی تو اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ جو عمل حرام ہوتا ہے وہ زورزبردستی اور اضطراری علت میں ہی

حلال ہوتا ہے اور جو عمل مباح ہوتا ہے وہ بہت سے اضطراری علتوں کی بنیاد پر حرام ہوتا ہے جن میں عمل کے پس پردہ نیت ومقاصد وغیرہ سرفہرست ہیں، اور یہ تفصیل جو ذکر کی گئی وہ ایسے فقیہ سے ثابت ہے جنہیں رب کریم نے فقہ اسلامی میں غایت درجہ مہارت عطا کی ہے۔

اس لئے ہم لوگ گانا کی علی الاطلاق حلت کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ہم نے اس کی مقدار کمیت انداز پیشکش اور مشتمل مضامین کے لحاظ سے چند اصول وضوابط طے کئے ہیں جن پر کھرا اترنے والا گانا درست ہوگا اور جس میں ان کی رعایت نہ ہوگی وہ حرام ہوگا، ان اصول وضوابط کو انشاء اللہ ہم ان کے مقام پر بیان کریں گے۔

## امام ابن القیم کے موقف پر ایک تبصرہ :

میں اس جگہ اس بات کی صراحت کر دینا چاہتا ہوں کہ میں وقت کے دو مجدد اور امام شمار کئے جانے والی دو اہم شخصیت شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید ابو عبد اللہ ابن القیم کے مکتب فکر سے طالب علمانہ طور پر وابستہ ہوں، میری وابستگی کا مطلب یہ ہے کہ میں ان دونوں کے طریقہ کار کا پیروکار ہوں، اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ میں ہر مسئلہ میں ان دونوں کے قول پر عمل کرتا ہوں جو دراصل اندھی تقلید ہے جسے ان دونوں حضرات نے مسترد قرار دیا ہے۔

میں نے علامہ ابن القیم کی بیشتر کتابیں پڑھی ہے اور ان کے چشمہ علم وعرفان سے سیراب بھی ہوا ہوں اور ان کی بہتیرے کتابوں سے استفادہ کا موقع ملا ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ "**إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان**" قابل ذکر ہے، اس کتاب میں مصنف نے پوری شرح وبسط کے ساتھ غناء کے مسئلے پر کلام کیا ہے، اور اسے حرام قرار دیا ہے، اور جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں ان پر چاروں طرف سے حملہ کر کے ان کا ناطقہ بند کرنے کی کوشش کی ہے، اس طرح قریب کے دنوں میں مجھے ان کی دوسری کتاب کا علم ہوا جسے مصنف نے

مستقل اسی موضوع پر ترتیب دیا ہے، اور اسے ''**کشف الغطاء فی مسألة الغناء**''( مسئلہ غناء کی حقیقت کشائی'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

جہاں تک اس موضوع پر میرے افکار ونظریات کا تعلق ہے تو میں باوجود اس کے کہ علامہ ابن القیم کی شخصیت ان کے مستحکم تفقہ، روشن خیالی، وسعت علمی، قوت بیانی، اسلوب کا بانکپن، اقدامی اور دفاعی صلاحیت کی آب وتاب کا شروع سے قائل رہا ہوں، مگر غناء کی حرمت کے متعلق جو دلائل انہوں نے پیش کئے ہیں ان سے میں مطمئن نہیں ہوں، اس مسئلہ میں ان پر واعظانہ رنگ فقیہانہ رنگ کے بنسبت غالب ہے، اس لئے انہوں نے ضعیف کو قوی، قوی کو ضعیف مقطوع کو موصول اور موقوف کو مرفوع کرنے کی ایک ناکام کوشش کی ہے، اور قابل احتمال اجزاء سے بھی استدلال کیا ہے۔

جبکہ باوجود اس کے کہ انہوں نے (اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے آمین) اس سلسلہ میں رطب ویابس سب کچھ جمع کردیا ہے پھر بھی جواز غناء کے قائل حضرات کی تمام تر دلیلوں کو غیر معتبر ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں، اور مناظرہ کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ دعوی اس وقت تک باطل نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ اس دعوی کے تمام دلائل باطل نہ قرار دیئے جائیں۔

علامہ ابن القیم اور ان کے استاذ گرامی کا طریقہ کار جس پر میرا یقین ہے اور جس پر میں کاربند ہوں ساتھ ہی میں اس کا داعی بھی ہوں اسی طریقہ کار کی بدولت میں اس لائق ہوا ہوں کہ اس مسئلے میں ان کی مخالفت کروں جبکہ میں ان سے غایت درجہ محبت کرتا ہوں اور ان سے پوری طرح متاثر ہوں، ان کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ قائل سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کے قول پر غور کیا جائے، حقائق کے توسط سے افراد کار کو جانا جائے نہ کہ افراد کے ذریعہ حقائق کا علم حاصل کیا جائے، اور دلیل کی پیروی کی جائے چاہے مسئلہ جیسا بھی ہو۔

میں اس مسئلہ میں گرچہ امام ابن القیم کا مخالف رہا ہوں مگر ان کے منہج کا نہیں وہ یہ کہ دلیل کی پیروی کی جائے نہ کہ شخصیت کی، اور رسول ﷺ کے سوا کوئی شخص غلطیوں سے پرے

نہیں ہے اور عنقریب آگے اس راز سے واقف کراؤں گا کہ شیخین یعنی ابن تیمیہ اور ابن القیم نے غناء کے مسئلہ میں کیونکر اس قدر مبنی بر تشدد موقف اختیار کیا ہے اور اس کی اباحت کے قائل حضرات پر اس طرح تلخ کلامی کی ہے؟ یہ تلخ کلامی دراصل صوفیہ کے اس گانے بجانے کے خلاف تھا جو ان دونوں حضرات کے زمانہ میں عام ہو چکا تھا اور اسے ذریعہ عبادت سمجھا جانے لگا تھا، اور یہ دونوں اساتذہ اسے بدعت مانتے تھے جیسا کہ عنقریب اس بحث سے متعلق باب میں ساری تفصیلات درج کی جائیں گی۔

## سوم :اجماع سے استدلال : جائزہ اور حقیقت کی نشاندہی

غناء کی حرمت کے قائل علماء نے قرآن کریم کی آیات، احادیث اور آثار صحابہ سے استدلال کر کے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کے بعد علماء کرام کے اجماع سے بھی استدلال کیا ہے۔

ان میں ایسے بھی علماء ہیں جن کا یہ دعوی ہے کہ وہ گانا جسے علماء نے مباح قرار دیا ہے دراصل فطرت سے ہم آہنگ نغمہ ہے جسے لوگ اپنی ترنم آمیز آواز میں پڑھتے ہیں جیسے حدی خوانی اپنی خوش آوازی سے سفر میں اونٹ کو ہانکتے ہیں اسی طرح چھوٹی بچیاں اپنے خاص لہجے میں شادیوں کے موقع پر گیت گاتی ہیں، رہی بات پیشہ ور حضرات کی جو خوش آوازی سے بالخصوص ساز کے ساتھ گاتے ہیں اسے سلف میں سے کسی نے جائز نہیں سمجھا ہے۔

بعض علماء نے سلف میں سے دو ایسی شخصیتوں کا استثناء کیا ہے جن کے بارے میں ان حضرات کا خیال ہے کہ وہ اس جماعت سے الگ ہو کر جواز کے قائل ہو چکے ہیں ان میں ایک نام ابراہیم بن سعد کا ہے جو حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کے خانوادہ سے ہیں، مدینہ کے علماء اور ان محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں جن سے ایک جماعت نے روایت کی ہے اور دوسرے عبیداللہ بن الحسن العیری ہیں جو بصرہ کے قاضی ہیں قابل اعتماد ہیں اور ثقہ ہیں۔

متاخرین علماء میں سے بہت سے لوگوں نے جنہیں غناء کے موضوع پر لکھنے کا موقع ملا ہے ان دونوں حضرات کی قدر و قیمت گھٹانے کی پوری کوشش کی ہے تا کہ ان دونوں حضرات کی رائے کا کوئی وزن قائم نہ رہے۔

حرمت غناء کے قائل علماء میں —خصوصاً آلہ طرب کی صورت میں— جنہوں نے چاروں مذاہب کے حرمت پر اجماع سے استدلال کیا ہے۔

ان میں معروف محدث علامہ ناصر الدین البانی کا نام شامل ہے، انہوں نے میری کتاب ''الحلال والحرام فی الاسلام'' میں نقل کردہ روایتوں کی تخریج اپنی کتاب ''غایۃ المرام'' میں کی ہے، اس کتاب کی حدیث (۳۹۹) کی تخریج کرتے ہوئے مجھ پر یہ تنقید کی ہے کہ میں نے جس چیز کی حرمت پر مذاہب اربعہ متفق رہے ہیں اس سے بغاوت کی ہے۔

جس مسئلے میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے اس میں علماء کے اجماع یا شبہ اجماع کا دعوی کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ امام ابن جماعہ، اورعلامہ ابن حجر ہیثمی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اورعنقریب ہم اسے اس کتاب کے خاص باب میں ذکر کریں گے۔

اس موقع سے ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ابوطالب مکی جو ایک مشہور کتاب (قوت القلوب) کے مصنف ہیں نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ جس نے سماع کا انکار کیا اس نے ستر راست بازوں کا انکار کیا، ہیثمی نے اس پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سبعین سے کثرت تعداد مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آئندہ آنے والے شرائط کے ساتھ سماع کی اباحت کے قائل علماء اتنی بڑی تعداد میں ہیں جسے شمار نہیں کیا جاسکتا، محقق عصر علامہ ابن القیم نے ابوطالب مکی کا قول نقل کیا ہے کہ سماع کا انکار دراصل ستر راست بازوں کا انکار ہے، پھر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر اس کے پاس ستر راست باز آئیں اور سماع کا عمل انجام دیں، ستر لوگ اور بھی ستر بلکہ اس سے بھی بڑی تعداد میں لوگ ان حضرات کے اس عمل پر نکیر کریں اور نکیر کرنے والے علم وایمان میں ان لوگوں سے بلندتر ہوں، لہذا یہاں پر راست بازوں کے اپنے جیسے لوگوں پر غالب آنے کا انکار اس کے برعکس صورت کے مقابلے میں بہتر نہیں ہوگا بالخصوص اس وقت جبکہ غالب آنے والے افراد علم وفضل اور تعداد میں اپنے مقابل سے بڑھ کر ہوں۔

اس مقام پر ہمارے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ہم اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے اختلاف کو ثابت کریں، موافقین اور مخالفین کی قلت تعداد یا کثرت تعداد کی بالکل پروا نہ کریں، اس لئے یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ اجماع کو دلیل سمجھا جاتا ہے نہ کہ کثرت تعداد کے اتفاق

کر لینے کو، کیونکہ پوری امت گمراہ کن پہلو پر کبھی متفق نہیں ہوسکتی، لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی جس طرف تعداد کم ہوتی ہے وہ حق پر ہوتے ہیں اور جدھر تعداد زیادہ ہوتی ہے وہ حق سے دور ہوتے ہیں، بلکہ بہت سے ائمہ کرام اپنی منفرد رائے رکھتے ہیں جن کی بنا پر دوسرے حضرات کی مخالفت کرتے ہیں، جیسا کہ مسلک حنفی کے کچھ تفردات ہیں، جنہیں منظوم شکل میں ''مفردات'' کے نام سے جمع کیا گیا ہے، جو حنبلی علماء کے درمیان متداول ہے۔

اس موقع سے ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ ہم ان حضرات کا تذکرہ کریں جو دورصحابیت اور بعد کے زمانہ میں غناء کی اباحت کے قائل رہے، ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ نبوت میں اورصحابہ کرام کے عہد میں نغمہ سرائی کرنے والے مردوخواتین کی خاصی تعداد رہی ہے، گرچہ عہدصحابہ میں یہ تعداد دورنبوت کے بنسبت زیادہ نظر آتی ہے اورصحابہ کرام تہذیب کی مختلف انواع واقسام کے اعتبار سے اپنے عہد کے معیار پر کھرے اترتے تھے، کیونکہ عہداول میں تمام چیزیں اورقدریں بالکل فطرت سے ہم آہنگ سادگی کے لبادہ میں تھی، پھر ترقیات روز افزوں ہوتی رہیں، اورنئی مہارت ولیاقت اورمنفرد کاریگری کی کارفرمائی شروع ہوئی۔

امام شوکانیؒ نے حرمت غناء کے سلسلے میں دعوی اجماع کو رد کرنے کی خاطر ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جسے ''اِبطال دعوی الاِجماع علی تحریم مطلق السماع'' کے عنوان سے معنون کیا ہے، اورسلف وخلف میں جوغناء کی اباحت کے قائل رہے، چاہے آلہ طرب کی صورت میں ہو یابغیر آلہ طرب کی ان کا تذکرہ کیا ہے۔

اس طرح ''نیل الاوطار'' میں غناء کو جائز سمجھنے والے حضرات کی بڑی اچھی تلخیص کی ہے، اس جگہ اسے تحریر کرنا ہرطرح سے مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ مدعیان اجماع کا پوری طرح رد ہوجائے۔

### اباحت غناء کے قائل علماء :

اس سلسلہ میں صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ اہل مدینہ —اپنے تقوی وطہارت کے

باوجود— ظاہر نصوص پر عمل کرنے کے باوجود نہ صوفیہ اپنے تشدد آمیز موقف اور رخصت سے صرف نظر کرتے ہوئے عزیمت پر عمل کرنے کے باوجود سے اباحت غناء کا قول منقول ہے۔

امام شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں لکھا ہے کہ اہل مدینہ علماء ظاہریہ میں سے جو ان کے موافق ہیں اور صوفیاء کی جماعت کے نزدیک غناء کے بارے میں گرچہ وہ سارنگی اور بانسری کے ذریعہ ہو گنجائش پائی جاتی ہے۔

وقت کے بڑے عالم ابومنصور بغدادی جو شافعی تھے اپنی تالیف (اسماع) میں یہ نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر کے نزدیک گانا گانے اور سننے میں کوئی حرج نہیں تھا، اور اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی باندیوں کی خوش آوازی سے محظوظ ہوتے اور وقفہ وقفہ سے ان سے گیت وغیرہ سنا کرتے، اور ان کا یہ عمل امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں تھا۔

اسی طرح ابومنصور نے اس طرح کا قول قاضی شریح، سعید بن المسیب، عطاء بن ابی رباح، امام زہری اور شعبی سے نقل کیا ہے۔

امام الحرمین نے ''النہایۃ'' میں اور ابن ابوالدم نے لکھا ہے کہ معتبر مؤرخین نے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس سارنگی بجانے والی باندیاں تھیں، حضرت ابن عمرؓ ان کے پاس پہنچے تو انہیں ان کے پہلو میں سارنگی ملی، اس پر انہوں نے فرمایا یہ کیا ہے؟ آپ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہیں، اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور اس پر غور کیا پھر فرمایا : یہ شامی ترازو ہے؟ ابن الزبیرؓ نے ارشاد فرمایا اس سے عقلیں وزن کی جاتی ہیں۔

حافظ ابومحمد بن حزم نے اپنے رسالہ (السماع) میں اپنی سند سے جو ابن سیرین تک پہنچتی ہے سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی چند باندیوں کو لے کر مدینہ منورہ آیا اور حضرت ابن عمرؓ کے یہاں مقیم ہوا، ان میں ایک باندی سارنگی کے ساتھ گا رہی تھی، ایک آدمی آیا اور اس نے خریدنے کے واسطے بھاؤ تاؤ کیا، مگر اسے اس میں سے ایک بھی باندی پسند نہ آئی، تو اس نے کہا کہ آپ ایک دوسرے آدمی کے پاس چلے جائیں، ان سے بیچنا یہاں کے مقابلے میں زیادہ بہتر

ہوگا، اس پر اس آدمی نے کہا کہ وہ کون ہیں؟ جواب دیا عبداللہ بن جعفر، ان کے سامنے ان باندیوں کو پیش کیا تو انہوں نے ایک باندی سے کہا کہ سارنگی لو اس نے سارنگی لی اور گا کر سنائی پھر خرید و فروخت کا معاملہ ہوا اور اس کے بعد وہ لوٹ کر حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے۔

صاحب ''العقد'' علامہ زمان ادیب کامل ابوعمر اندلسی نے یہ نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن جعفر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے پاس انہیں ایک باندی ملی جس کی گود میں سارنگی تھی، اس پر انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے عرض کیا کہ اس میں آپ کے نزدیک کوئی قباحت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ماوردی نے حضرت معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے ابن جعفر کے پاس موجود سارنگی کی آواز بھی سنی، ابو الفرج اصفہانی نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے عزہ سے اپنا ایک شعر ساز اور آواز کے ساتھ سنا، ابوالعباس مبرد نے اس طرح کی روایت نقل کی ہے، مزمر اہل لغت کے نزدیک سارنگی کو کہتے ہیں، ادنوی نے ''الامتاع'' میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ منصب خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے اپنی باندیوں سے گیت وغیرہ سنا کرتے تھے، ابن سمعانی نے طاؤس کے حوالے سے اس سلسلہ میں رخصت نقل کی ہے، اور اس قول کو صاحب ''الامتاع'' نے مدینہ کے قاضی سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن زہری جو کہ تابعی تھے سے نقل کیا ہے، اور اسے ابویعلی خلیلی نے ''الارشاد'' میں عبد العزیز بن ماجشون جو کہ مدینہ کے مفتی تھے سے نقل کیا ہے، اور رویانی نے قطال کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امام مالک بن انس کا مسلک بھی آلہ طرب کے ساتھ اباحت غناء کا تھا، اور استاذ ابومنصور فورانی نے حضرت مالکؒ کے حوالے سے سارنگی کے استعمال کا جواز نقل کیا ہے، ابوطالب مکی نے ''قوت القلوب'' میں شعبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہو ں نے منہال بن عمرو کے گھر میں جو کہ مشہور محدث تھے طنبور (آلہ طرب) کی آواز سنی۔

ابو الفضل بن طاہر نے اپنی تالیف ''السماع'' میں لکھا ہے کہ سارنگی کا استعمال مباح

ہے اس میں اہل مدینہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ابن الخوی نے ''العمدۃ'' میں اور ابن طاہر نے لکھا ہے کہ گانا کی اباحت یہ اہل مدینہ کا اتفاقی مسئلہ ہے، ابن طاہر یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہی پورے ظاہریہ کا مسلک ہے، ادنوی کہتے ہیں کہ ابراہیم بن سعد کے حوالے سے اباحت کا قول نقل کرنے میں ناقلین کی طرف سے کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے، اور ابراہیم بن سعد ان لوگوں میں ہیں جن کی روایتیں پوری جماعت یعنی صحاح ستہ کے تمام مؤلفین نے لی ہے۔

ماوردی نے بعض شافعی علماء سے سارنگی کے مباح ہونے کا قول نقل کیا ہے، اسی قول کو ابوالفضل بن طاہر نے ابواسحاق شیرازی کے حوالے سے بیان کیا ہے، اور اسنوی نے ''المہمات'' میں رویانی اور ماوردی کے حوالے سے ذکر کیا ہے، ابن نحوی نے استاذ ابومنصور سے ابن الملقن نے ''العمدۃ'' میں ابن طاہر سے اور ادنوی نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے اور صاحب ''الامتاع'' نے ابوبکر عربی سے نقل کیا ہے، ادنوی کو اباحت کے سلسلہ میں یقین کامل ہے، اور یہ تمام علماء کرام سماع — چاہے میوزیکل آلات کے ذریعہ ہو— کے جواز کے قائل ہیں۔

رہی بات مجرد گانا کی جو بغیر آلہ طرب کے ہو اس کے بارے میں ادنوی کا کہنا ہے کہ امام غزالیؒ نے اپنی بعض فقہی تالیفات میں اس کے جواز پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے، اور ابن طاہر نے اس پر صحابہؓ اور تابعینؒ کا اجماع نقل کیا ہے، تاج فزاری اور ابن فقیہ نے اہل حرمین کا اجماع نقل کیا ہے، اور ابن طاہر ابن قتیبہ سے بھی اہل حرمین کا اجماع منقول ہے، ماوردی فرماتے ہیں کہ اہل حجاز ہمیشہ اس مسئلے میں گنجائش کے قائل رہے ہیں یہاں تک کہ سال کے مخصوص افضل ایام جن میں عبادت وذکر کا حکم دیا گیا ہے ان میں بھی اس رخصت کو قابل عمل سمجھتے رہے ہیں۔

ابن النحوی نے ''العمدۃ'' میں لکھا ہے کہ گانا گانا اور سننا یہ دونوں عمل صحابہ کرامؓ اور

تابعین عظامؒ کی ایک جماعت سے مروی ہے، صحابہ کرام میں حضرت عمرؓ — جیسا کہ ابن عبد البر وغیرہ نے بیان کیا ہے — اور حضرت عثمانؓ — جیسا کہ ماوردی صاحب البیان اور رافعی نے نقل کیا ہے —، عبد الرحمن بن عوف — جیسا ک ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے —، ابوعبیدہ بن جراحؓ — جیسا کہ امام بیہقی نے بیان کیا ہے —، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ — جیسا کہ ابن قتیبہ ابومسعود انصاری اور بیہقی نے لکھا ہے —، حضرت حمزہؓ — جیسا کہ صحیح میں درج ہے، ابن عمرؓ — جیسا کہ ابن طاہر نے نقل کیا ہے، براء بن مالکؒ — جیسا کہ ابونعیم ناقل ہیں —، عبد اللہ بن جعفرؓ — جیسا کہ ابن عبد البر کی روایت ہے، عبد اللہ بن زبیرؓ — جیسا کہ ابوطالب مکی ناقل ہیں —، حضرت حسانؓ — جیسا کہ ابوالفرج اصفہانی نے روایت کی ہے —، عبد اللہ بن عمروؓ — جیسا کہ زبیر بن بکار نے بیان کیا ہے —، قرظہ بن کعبؓ — جیسا کہ ابن قتیبہ کی روایت ہے —، خوات بن جبیرؓ اور رباح معترفؓ — جیسا کہ صاحب الاغانی نے لکھا ہے —، مغیرہ بن شعبہؓ — جیسا کہ ابوطالب مکی نے نقل کیا ہے —، عمرو بن العاصؓ — جیسا کہ ماوردی کا کہنا ہے — اور حضرت عائشہؓ — جیسا کہ صحیح البخاری وغیرہ میں ہے — کے نام قابل ذکر ہیں۔

تابعین میں سعید بن المسیب، سالم بن عبد اللہ بن عمر، ابن حسان، خارجہ بن زید، شریح قاضی، سعید بن جبیر، عامر شعبی، عبد اللہ بن ابوعتیق، عطاء بن ابورباح، محمد بن شہاب، زہری، عمر بن عبد العزیز اور سعد بن ابراہیم زہری رحمہم اللہ کے نام سرفہرست ہیں۔

رہی بات تبع تابعین کی تو ان کی اتنی بڑی تعداد ہے جسے شمار نہیں کیا جاسکتا، ان میں ائمہ اربعہ، ابن عیینہؒ، اور جمہور شوافع شامل ہیں، یہاں پر ابن النحوی کی بات مکمل ہوجاتی ہے۔

یہ تمام اسماء امام شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں بھی ذکر فرمائے ہیں۔

اور ان علماء کے اقوال تفصیل سے اباحت کے قائل علماء کے دلائل ذکر کرتے ہوئے بیان کئے جائیں گے۔

## چہارم : قاعدہ ''سدالذرائع'' سے استدلال

حرمت کے قائل علماء نے بالعموم غناء کی حرمت اور بالخصوص میوزیکل آلات کی حرمت ثابت کرنے کی غرض سے جن دلائل وآثار کا سہارا لیا ہے ان میں اصول فقہ کا ایک قاعدہ ''سدالذرائع'' بھی ہے، قاعدہ ''سدالذرائع'' سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ مباح امر کو ممنوع قرار دینا محض اس خدشے سے کہ کہیں وہ حرام تک نہ پہنچادے، یہ قاعدہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مسلّم ہے، بلکہ ان کے علاوہ جملہ مسالک میں بھی معتبر ہے، علامہ ابن القیمؒ نے ''اعلام'' میں ذرائع کو ثابت کرنے کی خاطر ننانوے صورتیں ذکر کی ہیں۔

حرمت کے قائل علماء کا کہنا ہے کہ زمانہ میں بگاڑ غالب ہے، فساد و بگاڑ کی دعوت دینے والے بھی بڑی تعداد میں ہیں، اور ان کے وسائل بھی کافی ترقی کر چکے ہیں، انہی وسائل کے ذریعہ مختلف قسم کے بے حیائی پر مبنی پروگرام پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ اسلامی تشخص کا خاتمہ ہوجائے، اور اس کی مضبوط عمارت منہدم ہوجائے، مقابلہ آرائی اور ثابت قدمی کی قدرت سے محروم ہوجائے، گانا بجانا اور آلات طرب اپنی خطرناکی میں ان پروگراموں سے کہیں آگے ہیں، اور امت اسلامیہ کے دشمنوں کے مقاصد کو بروکار لانے میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں، او راس امت کے بچوں اور بچیوں کے درمیان بے حیائی کے فروغ پانے میں زبردست محرک ثابت ہوسکتے ہیں، خصوصاًان حالات کے تناظر میں جن میں ان پروگراموں کو پیش کرنے والے حضرات کے درمیان حلت پسندی، آزاد خیالی اس قدر جڑ پکڑ چکی ہے کہ نشہ بے حیائی اور نشہ آور اشیاء کا استعمال، نمازوں سے غفلت اور خواہشات کی پیروی معمول کی چیز سمجھی جاتی ہے۔

ان تمام نقصانات کے ساتھ اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ ان پروگراموں کا دائرہ اس

زمانہ میں محدود نہیں ہے، جیسا کہ گذشتہ صدیوں میں تھا، بلکہ ہر گھر میں اس کی پذیرائی ہوتی ہے، اور ہر جماعت اس سے برسر پیکار ہے، یہاں تک کہ دیہی علاقوں میں بھی یہ پر پھیلا چکے ہیں، اور عورت مرد بچے بھی ان کی زد میں آچکے ہیں، گویا شہر اور دیہات کا کوئی بھی گھر ایسا نہیں ہے جہاں ان کے اثرات مرتب نہ ہوئے ہوں، چاہے وہ پروگرام ریڈیو کے ذریعہ نشر ہو رہے ہوں یا ٹیلی ویژن کے ذریعہ، اور ٹیلی ویژن زیادہ موثر ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس میں آواز کے ساتھ تصویر بھی اپنا رول ادا کرتی ہے۔

اس لئے فقہاء کی واجبی ذمہ داری ہے کہ وہ ابتدائی مرحلے میں ہی اس شر سے لوگوں کو باز رکھیں، اور اس کے سارے کھلے اور چور دروازے جن سے فتنے پروان چڑھتے ہیں بند کردیں، ورنہ فتنوں کی یہ ہوائیں طوفان میں تبدیل ہو کر ہمارا کام تمام کردیں گی، اور ہمیں سوائے نقصان و ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

## سد ذرائع سے استدلال کرنے والے حضرات کا رد :

ہم اپنے ان مخلص بھائیوں سے یہ عرض کریں گے کہ ہم لوگ ان ائمہ میں نہیں ہیں جن کے نزدیک ''سد ذرائع'' کی کوئی حیثیت نہیں ہے، بلکہ ہمارے نزدیک فقہ کے مضبوط ترین قاعدوں میں شمار ہوتا ہے، اور فقہ کے اساطین میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے، بشرطیکہ ہر طرح کے افراط وتفریط سے گریز کرتے ہوئے اس قاعدہ کو اس کے صحیح محل میں نافذ کیا جائے۔

محققین علماء میں جیسے امام قرافیؒ اور شاطبیؒ ہیں نے یہ اصول بنایا ہے کہ ذرائع کا دروازہ بند کرنے میں اعتدال کی رعایت نہ کرنا بالکل ذرائع کا دروازہ کھولنے میں مبالغہ آمیز رویہ اختیار کرنا ہے، اور یہ دونوں طریقہ کار درستگی کے بجائے بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور نفع رسانی کے بجائے نقصان پہنچاتے ہیں۔

ذرائع کا دروازہ وا کرنے میں مبالغہ آرائی اپنے جلو میں بہت سے مفاسد کو شامل کرلیتی

ہے، جن کی جانب ہمارے ان بھائیوں نے بھی اشارہ کیا ہے جو گانا کی حرمت کے قائل ہیں۔

بالکل اسی طرح ذرائع کا دروازہ بند کرنے میں مبالغہ کرنا ایک سماج کو ان تمام مصالح سے اور ان تمام منافع سے محروم کر دیتا ہے جو شریعت کی نگاہ میں معتبر ہیں، اور اللہ تعالی کی حلال کردہ پاکیزہ نعمتوں کو بھی اس کے لئے حرام بنا دیتا ہے، اور جن امور میں اللہ تعالی کی جانب سے اس پر توسع کیا گیا تھا ان کا دائرہ بھی اس کے لئے تنگ کر دیتا ہے۔

بسااوقات یہ مبالغہ آرائی دین کے مزاج جس میں آسانی نہ کہ تنگی، سہولت نہ کہ سختی، خوشخبری دینا نہ کہ متنفر کرنا ودیعت کر دیا گیا ہے کی تبدیلی کا ذریعہ بن جاتی ہے نتیجۃً یہ آسان دین ایک تشدد پسند دین بن جاتا ہے جو نصاریٰ کی رہبانیت اور اہل فارس کی مانویت سے قریب تر نظر آتا ہے، اور ان دونوں نظریات وعقائد کے علاوہ دیگر ان تمام مذاہب اور فلسفوں سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے جن کی بنیاد انسان اور زندگی کے متعلق بدشگونی کے نظریے پر ہے، جبکہ یہ نظریہ سراسر اسلام کے اس نظریہ کے مخالف ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے اور جسے سورہ اعراف کی ایک آیت میں جو توریت وانجیل جیسی پرانی کتابوں میں مذکور رسالت محمدی کی علامات وآثار کی نشاندہی پر مشتمل ہے بیان کیا گیا ہے: **"يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم إصرهم والأغلال التي كانت عليهم"** (الاعراف: ۱۵۷)۔

امام قرافی نے (فروق) میں یہ ثابت کیا ہے کہ ذرائع کی تین قسمیں ہیں:

۱ — ایک قسم وہ ہے جسے بند کرنے پر پوری امت متفق ہے۔

۲ — ایک قسم وہ ہے جسے کھولنے پر پوری امت متفق ہے۔

۳ — ایک قسم وہ ہے جو مختلف فیہ ہے کچھ لوگ جیسے کہ امام مالکؒ اس کے بند کرنے کے قائل ہیں اور کچھ لوگ اس کے مخالف ہیں۔

وہ قسم جسے بند کئے جانے پر پوری امت متفق ہے وہ وہ ہے جس میں کسی عمل کی انجام

دہی کا بگاڑ کا سبب بننا ایک حتمی امر ہو جس میں شک کی بالکل گنجائش نہ ہو، یا حتمی تو نہ ہو مگر حتمی کے قریب تر ہو، معاملہ چاہے قطعی ہو یا ظنی بہر دو صورت عرف و رواج کی تائید ضروری ہے، مثلاً عام گزرگاہ پر کنواں کھودنا یہ قطعی طور پر — جیسا کہ رواج و معلوم امر ہے — لوگوں کے اس میں گرنے کا سبب ہے لہذا ایسے ذریعہ کو بند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کے کھولنے پر امت متفق ہے جس میں کسی عمل کا انجام دینا شاذ و نادر ہی کسی بگاڑ کا سبب بنتا ہے مگر بگاڑ کا امکان کسی حد تک رہتا ضرور ہے، لیکن اگر اس ذریعہ کا دروازہ بند کر دیا جائے تو عوام الناس کی روزمرہ کی زندگی سے وابستہ بہت سارے مصالح اور مقاصد کا ضیاع لازم آئے گا، مثلاً انگور کی کاشت ہے، اس سے شراب بنائے جانے اور اندرون خانہ اس کے اثرات مرتب ہونے کا امکان ہے جس کے نتیجہ میں زنا کاری جیسا گناہ انجام پا سکتا ہے۔

لیکن دور کے یہ سارے احتمال اور خدشے شاذ و نادر ہی وجود پذیر ہوتے ہیں اور انگور کی کاشت کے پیچھے کارفرما عظیم منافع کے مقابلے میں کمزور ثابت ہونے کی وجہ سے شریعت کی نگاہ میں غیر معتبر ہیں۔

تیسری قسم وہ ہے جو پہلی اور دوسری قسم کے درمیان کی ہے نہ وہ پہلی قسم میں داخل ہے اور نہ تیسری قسم میں مگر اس نوعیت کے کسی عمل کو انجام دینا بگاڑ کا سبب بنتا ضرور ہے مگر نہ اتنے تواتر کے ساتھ جو قطعیت کے درجے میں ہو اور نہ اس سے قریب ظن کے درجہ میں، اس ذریعہ کو بند کئے جانے کے قائل حضرت امام مالکؒ ہیں، ان کے علاوہ دیگر اس کے قائل نہیں ہیں۔

بسا اوقات حرمت غناء کے قائل علماء غناء کو اس قسم میں داخل مانتے ہیں اور اسے حرام سمجھتے ہیں۔

مگر اس جگہ جو بات مجھے بہتر معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر ہم شرعی اصول وضوابط اور شرائط جن سے گانا کی اباحت ثابت ہو رہی ہوگی وضع کریں گے تو ہمیں (سدالذرائع) کے قاعدہ سے استفادہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی، اور اس سلسلہ میں صریح نصوص کلی مقاصد اور عام

قاعدے اور ضابطے ہی کافی ہوں گے۔

اور اگر اس کے برعکس تشدد پسند حضرات اور ڈرپوک لوگوں کے وسوسوں کی رعایت کریں گے تو پھر لوگوں کے حق میں بہت ساری چیزیں مثلاً زیب وزینت کی وہ چیزیں جنہیں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ رزق وغیرہ کو حرام ٹھہرانا پڑے گا، اور دین میں ان چیزوں کو ایجاد کرنے کے مرتکب ہوں گے جن کی اللہ تعالی نے اجازت نہیں دی ہے۔

اور اس طرح کے کام گذشتہ زمانے میں بہت سے ان مسلمانوں نے کئے ہیں جنہوں نے عورت کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکا ہے اور یہ دلیل دی کہ عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا فتنے کا سبب ہے، نتیجتاً خواتین نماز سے محروم کردی گئیں اور صدیوں تک تفقہ فی الدین کی دولت سے محروم رہیں، اور ہم نے بہت سی خواتین کو دیکھا کہ انہوں نے پوری زندگی گذاردی مگر اللہ تعالی کے واسطے ایک رکعت بھی پڑھنے کی توفیق نہ ملی۔

اس زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی تھا کہ بہت سے دیندار حضرات نے عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے سے روکا تھا کیونکہ ان کے نزدیک تعلیم عورتوں میں اصلاح کے بجائے بگاڑ زیادہ پیدا کرتی ہے، پھر آخر میں یہ طے پایا کہ دین ودنیا کے وہ سارے علوم عورتوں کو سکھائے جائیں جو ان کے اور ان کے سماج کے حق میں منفعت بخش ہوں اور قابل اعتماد علماء میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

## پانچویں دلیل :احتیاط پر عمل اور مشتبہات سے گریز

دونوں نقطہائے نظر سے گانا کو حرام ہونا چاہیئے : اور سب سے آخری دلیل جس کا سہارا لے کر غناء اور آلات غناء کی حرمت کے قائل علماء اپنے مدعا کو ثابت کرتے ہیں، وہ یہ کہ حرمت کا قول دینی معاملات میں احتیاط پر مبنی قول ہے اور مشتبہات سے پوری طرح سے اجتناب پر مشتمل ہے کیونکہ صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور جن کی حلت وحرمت واضح نہ ہو وہ مشتبہات میں ہیں جن سے بہت سارے لوگ ناواقف ہیں تو جس نے مشتبہات سے گریز کیا تو اس نے اپنے دین اور عزت وآبرو کو محفوظ کرلیا اور جو مشتبہات میں پڑ گیا وہ حرام کا مرتکب ہو گیا، جس طرح ایک چرواہا چراگاہ کے اردگرد چرارہا ہو اور قریب ہو کہ جانور اس میں چرنے لگے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا : ''وہ عمل جو مشکوک ہو اسے نہ کرو اور غیر مشکوک ہو اسے کرو''۔

اور اس روایت میں مذکور ہے جسے امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک متقیوں کے درجات طے نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ قابل حرج عمل سے بچنے کی خاطر وہ عمل جس میں حرج نہ ہو اسے بھی چھوڑ دے۔

امام شوکانیؒ نے ''نیل الاوطار'' میں گانے کے سلسلہ میں ائمہ کرام کی مختلف آراء نقل کی ہے جن میں بعض حضرات اباحت کے قائل ہیں، بعض کراہت کے، بعض حرمت کے، اور بعض تفصیلات کی روشنی میں حرمت واباحت کے قائل ہیں، ان حضرات نے جن جن دلائل کا سہارا لیا جبکہ ذکر کردہ دلائل وتفصیلات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اباحت کے دلائل راجح ہیں اور

ثبوت کے اعتبار سے قوی ہیں اور حرمت کے قائل حضرات کی ایک بھی دلیل ضعف سے خالی نہیں ہے چنانچہ اخیر میں امام شوکانیؒ لکھتے ہیں :

جب جو کچھ میں نے دونوں فریق کے دلائل کی روشنی میں لکھا پایہ ثبوت کو پہنچ گیا تو پھر صاحب نظر کے لئے یہ مخفی نہیں کہ اگر محل اختلاف حرام کے دائرہ سے نکل جائے پھر بھی وہ اشتباہ کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا، اور ایمان والے مشتبہ امور میں توقف کرتے ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں اس کی صراحت کی گئی ہے، اور جو مشتبہ چیز سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت وآبرو کو محفوظ کرلیتا ہے اور جو چراگاہ کے اردگرد منڈلاتا ہے اس کے بارے میں قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں اس میں نہ چلا جائے اور چرنے لگے، بالخصوص ایسا کلام جس میں چھڑے اور رخسار کی خوبصورتی محبوبہ کے نازونخرے، ہجر ووصال، سرخ رنگت پر فریفتگی اور وقار وسنجیدگی سے دور ہو کر گمراہی میں منہمک ہونے کا تذکرہ موجود ہو، اس کا سننے والا بھلا کسی طرح کی آزمائش کا شکار نہ ہو یہ بظاہر عقل وخرد سے دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔

## مشتبہات کے مسئلے پر ایک تنقیدی نگاہ :

۱— میرا یہ کہنا ہے کہ مشتبہات سے بچنا یہ کوئی فرض واجب نہیں ہے بلکہ یہ مستحب امر ہے جو شبہات کے درجہ بندی کے اعتبار سے مستحکم ہوتا رہتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو محرّمات اور مشتبہات دونوں ہی برابر ہوتے جبکہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

۲— مشتبہات سے گریز دراصل دین اور عزت کی حفاظت کی غرض سے ہے اور یہ اس کے لئے ہے جس کے سامنے معاملہ واضح نہ ہو بلکہ مشتبہ ہو، مگر جس کے لئے حلت وحرمت میں سے ایک پہلو واضح ہوجائے تو اس وقت اس کے حق میں وہ امر مشتبہ نہیں رہتا۔ اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ جس کے سامنے گانا کی اباحت واضح ہوجائے اور دلیل قائم ہوجائے، اور پوری طرح اعتدال کا راستہ نکل آئے تو اس کے واسطے گانا مشتبہ امر نہیں رہتا۔

۳— وہ شبہات جن سے گریز لازمی ہے وہ شبہات وقوع کے لحاظ سے قوی ہوتے

ہیں رہی بات کمزور شبہات کی تو ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

۴- جو شخص شبہات سے گریز کر رہا ہو ضروری ہے کہ وہ گریز کے مرحلے میں ہو لہذا وہ آدمی جو قطعی طور پر ثابت حرام چیزوں کا ارتکاب کرتا ہو بلکہ بسا اوقات گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور فرائض سے پہلو تہی اختیار کرتا ہو کسی اعتبار سے ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم اسے شبہات سے بچنے کی تلقین کریں۔

اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس آدمی کی نکیر فرمائی جس نے ان سے پوچھا تھا کہ اگر محرم پسو کو مار دے تو کیا اس پر دم واجب ہوگا؟ اس پر انہوں نے دریافت کیا تھا کہ تم کس شہر کے ہو؟ تو پوچھنے والے نے کہا کہ عراق سے آیا ہوں تو انہوں نے فرمایا تھا یہ شخص پسو کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے جبکہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے کا خون بہایا ہے۔

۵- شبہات سے گریز کرنے کا قاعدہ اس سے ایک دوسرا قاعدہ ٹکراتا ہے وہ ہے قاعدہ "التیسیر فی الدین" (دین کے آسان پہلو کے اختیار کرنے کا قاعدہ) جو کتاب وسنت کے قطعی نصوص سے ثابت ہے، اور خصوصاً ان معاملات میں جو عوام الناس سے متعلق ہوتے ہیں اس قاعدہ کو تطبیق دیا جانا اور وہ بھی موجودہ زمانہ میں جو ہم سے اس بات کا متقاضی ہے کہ جہاں تک ہو سکے دینی معاملات میں آسان پہلو کو اختیار کریں زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس دین کے ہم لوگ پیروکار ہیں اس میں آسان پہلو کو برتنے کی تلقین کی گئی ہے نہ کہ سخت پہلو کی۔

اور اس طرح کی صورتحال میں لوگوں کی پوزیشن اور کیفیت کے اعتبار سے فتوے بھی باہم مختلف ہوتے ہیں، بعض حضرات جو اپنی دینداری کے اعتبار سے مستحکم ہوتے ہیں انہیں احتیاط پر مبنی طریقہ اختیار کرنے کا فتوی دیا جاتا ہے، اور زیادہ تر لوگوں کو آسان راستہ اختیار کرنے کا فتوی دیا جاتا ہے تا کہ ان کی تنگی اور مشقت جس میں وہ مبتلا ہیں ان سے دور ہوں اور دین پر قائم رہنا بھی ان کے لئے پوری طرح ممکن ہو۔

## (۳)

## اباحت کے قائل علماء کے دلائل اور ان کے اعتبار کا جائزہ

## اباحت کے قائل علماء کے دلائل اور ان کے اعتبار کا جائزہ

### اشیاء میں اصل اباحت ہے :

علماء اسلام کا یہ طے کردہ اصول ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی ہر شئی اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے: "**هو الذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعاً**" (البقرہ:۲۹)۔

مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالی کوئی چیز پیدا کرتا ہے پھر اسے بندوں پر حرام بنا دیتا ہے بلکہ معاملہ یہ ہے کہ جو چیز ناپاک ہوتی ہے اور بندوں کے حق میں نقصان دہ اسے حرام قرار دیتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ نقصانات سے بندہ بچا رہے اور اس کے مفاد کا تحفظ ہوتا رہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ صفت بیا کی گئی "**یحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث**"، کوئی شئی اس وقت حرام قرار پاتی ہے جب اس کی حرمت کتاب وسنت کے صحیح اور معنی ومفہوم کے لحاظ سے صریح نص سے ثابت ہو یا پھر اس اجماع سے جو ہر اعتبار سے ثابت ہو اور قابل اعتماد ہو، مگر جب حرمت کی نہ نص وارد ہو اور نہ اجماع منعقد ہو یا نص تو موجود ہو مگر سند کے اعتبار سے صحیح نہ ہو یا صحیح ہو مگر مفہوم کے لحاظ سے صریح نہ ہو تو اس سے کسی شئی کی حلت متاثر نہیں ہوتی اور وہ گنجائش کے وسیع دائرہ میں ہوتی ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "**وقد فصل لکم ما حرّم علیکم إلا ما اضطررتم إلیه**" (الانعام:۱۱۹)۔

اللہ کے رسول ﷺ کا قول ہے: جسے اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حلال بتایا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام بتایا ہے وہ حرام ہے اور جس سے خاموشی اختیار کی ہے وہ گنجائش کے دائرہ میں ہے، لہذا اللہ تعالی کی دی ہوئی گنجائش قبول کرو کیونکہ اللہ تعالی کسی چیز کو بھولنے والا

نہیں ہے پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ''وما کان ربک نسیاً'' (مریم: ۶۴)۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا: ''یقینا اللہ تعالی نے فرائض فرض فرمائے ہیں اور حدود متعین کئے ہیں لہذا انہیں تجاوزمت کرو اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے لہذا انہیں پامال مت کرو اور چند چیزوں سے سکوت فرمایا ہے وہ بھی بغیر کسی غفلت ونسیان کے صرف تم پر شفقت ورحمت کی غرض سے لہذا اس کی تلاش وجستجو میں مت پڑو۔

اور جب قاعدہ ایسا ہی ہے، اور نہ حرمت غناء کے متعلق کوئی صحیح صریح نص موجود ہے اور نہ یقینی طور پر اجماع کا انعقاد ہوا ہے تو پھر غناء اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے، اور نہ ہمیں اس کی اباحت پر دلالت کرنے والی کسی دلیل کی ضرورت ہے، اور جب ہم نے حرمت غناء اور آلات غناء کے قائل علماء کے تمام تر وہ استدلال جو انہوں نے کتاب وسنت کے نصوص اور آثار صحابہؓ سے کیا کو باطل ثابت کردیا تو پھر ہمارے لئے اب ایسی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ہم اس کی اباحت ثابت کرنے کی خاطر کوئی اور دلیل پیش کریں، اور اگر ہم نے ایک یا اس سے زائد دلیل دے بھی دی تو وہ ہماری طرف سے فراخدلی کا مظاہرہ ہوگا کیونکہ دلیل کا مطالبہ حرمت کے قائل علماء سے ہے نہ کہ اباحت کے قائل علماء سے۔

# اباحت کے قائل علماء کے دلائل

اباحت کے قائل علماء کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ حرمت کے تمام دلائل کو ایک ایک کر کے دو اعتبار سے اس طرح خارج کر دیں کہ پھر کوئی دلیل ایسی باقی نہ رہے جس سے حرمت کے قائل حضرات کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہو، پھر ایسی صورت میں مسئلہ کا حکم اصل کے اعتبار سے مباح ہوگا۔

چنانچہ گذشتہ صفحات میں ایسا کیا جا چکا ہے اس کے باوجود جواز و اباحت کے قائل علماء کے پاس مختلف طرح کے دلائل موجود ہیں جن سے ان کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

۱—ان حضرات کے پاس آیات قرآنیہ کے دلائل ہیں۔

۲—صحیح احادیث کے دلائل ہیں۔

۳—آثار صحابہ کے دلائل ہیں۔

۴—مقاصد شریعت اور روح شریعت کے دلائل ہیں، ہم عنقریب دلائل کے ان چاروں محور پر گفتگو کریں گے، اور اس سلسلہ میں بارگاہ ایزدی سے کرم کے بھی طالب ہیں۔

# ۱— قرآنی دلائل

اباحت غناء کے قائل علماء کے قرآنی دلائل ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں :

**۱— آیت ویحل لهم الطیبات :**

غناء کے جواز کے قائل علماء سب سے پہلے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کے ان اوصاف حمیدہ کے بیان پر مشتمل ہے جو اہل کتاب کی کتابوں میں مذکور ہیں :"**ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم إصرهم والأغلال التى كانت عليهم**" (الاعراف : ۱۵۷) (اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر وہ بوجھ اور قیدیں اتارتا ہے جو ان پر تھیں)۔

آیت کریمہ سے استدلال یوں ہے کہ اس آیت میں رسالت محمدیہ ﷺ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ اس پیغام میں پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے، اور یہ رسالت (پیغام، قانون) ایک آسان پیغام کی شکل میں لوگوں سے تنگی دور کر کے ان کے واسطے آسانی پیدا کرنے کی غرض سے برپا کی گئی ہے، الطیبات معترف باالاسلام ہے جو عمومیت پر دلالت کرتا ہے لہذا ''الطیبات'' سے ہر طرح کی پاکیزہ چیز مراد لی جائے گی اور طیب کا اطلاق اول مرحلہ میں جب وہ ہر طرح کے قرینہ سے خالی ہو تو اس چیز پر ہوتا ہے جو لذت کا ذریعہ ہو اور حلال و پاکیزہ شئی پر بھی ہوتا ہے، اور صیغہ عموم میں اس کی گنجائش ہوتی ہے کہ وہ عوام کے ہر ہر فرد کا احاطہ کرے لہذا ان تینوں طرح کے معانی کو یہ لفظ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اور اگر

صیغہ عام کو محدود کردیں تب بھی اس سے متبادر مفہوم ہی مرادلیا جائے گا۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عبدالسلام نے ''دلائل الاحکام'' میں لکھا ہے : آیت کریمہ میں ''طیبات'' سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے لذت حاصل کی جا سکے، اور قرآن کریم میں ایک سے زائد جگہوں پر اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ طیبات کو لوگوں کے حق میں احسان رحم وکرم اور نعمتوں کے تئیں فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حلال کردیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے :''**يسألونك ماذا أحل لهم قل أحل لكم الطيبات**''(المائدہ:۴)(وہ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا چیز حلال کی گئی ہے کہو کہ تمہارے لئے ستھری چیزیں حلال ہیں)۔

اللہ تعالی ان حضرات کی نکیر کرتے ہوئے جنہوں نے بندگان خدا پر ان معاملات میں جن میں اللہ تعالی نے وسعت رکھی ہے تنگی کی ہے اور جن چیزوں کو حلال کیا گیا تھا انہیں حرام کررکھا ہے فرماتا ہے:''**قل من حرّم زينة الله التى أخرج لعباده والطيبات من الرزق**'' (الاعراف:۳۲) ( کہو اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالا تھا اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو)۔

اسی مضمون کو نہی اور اس غیر دانشمندانہ عمل کے انجام سے باخبر کرنے کے انداز میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے :''**يا أيها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما أحل الله لكم ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين**'' (المائدہ:۸۷) (اے ایمان والو ان ستھری چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

## ۲–آیت''وإذا رأوا تجارة أو لهوا'' :

گانا کے جواز کے قائل علماء سورۃ الجمعہ کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں فرمایا گیا:''**وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضوا إليها وتركوك قائماً قل ما عند الله**

**خیر من اللھو والتجارة واللہ خیر الرازقین**"(الجمعہ:۱۱)(اور جب وہ کوئی تجارت یا کھیل تماشہ دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور تم کو کھڑا ہوا چھوڑ دیتے ہیں کہو جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے)۔

آیت کے سبب نزول کے سلسلہ میں صحیح مسلم وغیرہ میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب مسلمانوں کا تجارتی قافلہ جس کا وہ شدت سے انتظار کیا کرتے تھے سامان لے کر پہنچا تو مسلمان خوشی کے گیت گا کر اور دف بجا کر ان کا استقبال کرتے ایک طرف ان کے صحیح سالم پہنچنے کی خوشی میں تو دوسری جانب تجارتی منافع کی امید میں ایک بار اسی جانب ان لوگوں کی توجہ اس قدر ہوئی کہ سبھی لوگ رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتا چھوڑ اس کی جانب دوڑ پڑے صرف جیسا کہ روایتوں میں آیا ہے بارہ لوگ رہ گئے جو خطبہ سن رہے تھے۔

امام مسلمؒ نے باب الجمعہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ منبر پر کھڑے جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اتنے ہی میں سامان سے لدا ایک قافلہ شام سے آیا سارے ہی لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے صرف بارہ افراد ہی بچے جو خطبہ سن رہے تھے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی :"**وإذا رأوا تجارة أو لھوا انفضوا إلیھا**"الآیۃ۔

ان صحابہ کرام کے اس عمل کی قرآن کریم نے نرم لہجے میں مذمت کی ہے، جس میں انسانی مزاج کی رعایت اور مال کی محبت کا پورا لحاظ کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :"**وإنه لحب الخیر لشدید**"(العادیات:۸)(اور وہ مال کی محبت میں بہت شدید ہے)، لہذا اس آیت میں صحابہ کرام کی مذمت صرف اس وجہ سے کی گئی کہ انہوں نے تجارت اور لہو ولعب پر نبی کریم ﷺ کے مقابلے زیادہ توجہ دی جیسا کہ آیت کریمہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے :

"**انفضوا إلیھا وترکوک قائما قل ما عند اللہ خیر من اللھو والتجارة واللہ خیر الرازقین**"(الجمعہ:۱۱)۔

اگر کھیل کود کا یہ عمل جو گیت اور دف کی شکل میں انجام دیا گیا اگر حرام ہوتا تو تجارت پر اس کا عطف نہ ہوتا اور نہ لفظ ''تجارۃ'' کو اس پر ایک سیاق میں معطوف کیا جاتا، اور خدائی قانون میں حتمی طور پر نص اور اجماع سے تجارت کی مشروعیت ثابت ہے بلکہ چند شرائط کے ساتھ مستحب سمجھی گئی ہے، اس لئے جو لفظ اس پر معطوف ہوگا یا جس پر وہ معطوف ہوگا اس پر بھی تجارت کا حکم منطبق ہوگا کیونکہ معطوف پر معطوف علیہ کا حکم نافذ کیا جاتا ہے۔

لہذا اس سے یہ ثابت ہوا جیسا کہ حافظ ابن طاہر نے لکھا ہے — کہ اس حکم کو شریعت نے زمانہ جاہلیت کے مطابق باقی رکھا ہے، کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ نبی کریم ﷺ اسے حرام بتائیں اور اس پر نکیر کئے بغیر مسجد کو چلے جائیں پھر من جانب اللہ جو رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہوں اور استقبال کے اس منظر کو دیکھنے لگے تو اس کی سرزنش کی جائے مگر اس طرز عمل کی حرمت پر نہ آیت نازل ہوئی اور نہ آپ ﷺ کی جانب سے اس طرح کی کوئی ہدایت ملی تو اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استقبالیہ کی یہ رسم جو زمانہ جاہلیت سے چلی آرہی ہے آج تک اپنی تمام تر جلوہ سامانی کے ساتھ جائز ہے، اور اس کی تائید اس آیت کے دوسرے حصے ''قل ما عند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ'' سے بھی ہوتی ہے کہ اس سے کسی طرح حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ خطبہ کے سننے اور کھیل تماشا اور تجارتی امور میں منہمک ہونے پر جس اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے ان میں افضلیت کے اعتبار سے جو اجر بہتر ہے اسے بیان کیا گیا ہے وہ اس طرح کے پہلے کا اجر دوسرے کے مقابلے میں افضلیت کا حامل ہے، ایسا نہیں کہ پہلا عمل مباح ہے اور دوسرا حرام ہے، اور اس طرح کے حکم کا افضلیت پر مبنی اسلوب سے ثابت ہونا بعید از قیاس بھی ہے۔

اس آیت سے پوری وضاحت کے ساتھ ان حضرات کی بھی تردید ہوجاتی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کریم نے لہو کو حرام بتایا ہے جیسا کہ ان حضرات کی تردید کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کھیل تماشہ حرام ہوتا تو پھر پوری دنیا حرام بنادی جاتی کیونکہ اللہ

تعالی کے نزدیک پوری دنیا یوں ہے: "**إنما الحياة الدنيا لعب ولهو**" (محمد:٣٦) (دنیا کی زندگی تو محض ایک کھیل تماشا ہے)، ان علماء کے نزدیک لہو سے خاص قسم کا لہو مراد ہے اور وہ لہوالحدیث ہے (بیہودہ گوئی) جس سے گانا مراد لیتے ہیں، اس آیت میں اس قسم کا لہو خاص تجارت سے مربوط ہوکر آیا ہے تو پھر اس کی اباحت میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

اس نقطہ نظر کی تائید اس باندی کی روایت سے مزید ہوجاتی ہے جو حضرت عائشہؓ کے پاس تھی اور ایک انصاری صحابی سے بیاہی گئی تھی تو آپ ﷺ نے اس پر فرمایا تھا: "**هلا كان معهم لهو**" ان کے ساتھ کھیل کود کا اہتمام کیوں نہیں ہوا، کیونکہ انصار کو کھیل تماشا پسند ہے)، اس سے بالکل صاف ہوجاتا ہے کہ کھیل تماشا کا عمل بذات خود ممنوع نہیں ہے۔

## ۳- آیت "إن أنكر الأصوات لصوت الحمير":

اس آیت سے جو بات مفہوم کے طور پر نکل کر سامنے آتی ہے اور اسے امام غزالیؒ نے بھی "الاحیاء" میں لکھا ہے "**إن أنكر الأصوات لصوت الحمير**" (لقمان:١٩) (بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھی آواز کی تعریف کی جانی چاہئے۔

## ۴- آیت "يزيد في الخلق ما يشاء":

قرآن کریم کی اس آیت "**يزيد في الخلق ما يشاء**" (فاطر:١) (وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کردیتا ہے) کے بارے میں امام غزالیؒ اور دوسرے مفسرین کا یہ کہنا ہے کہ اس سے مراد خوبصورت آواز ہے جبکہ اس قول کی صحت میں نہ کوئی دلیل ہے اور نہ ہمیں اس طرح کے تکلفانہ دلائل کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالی نے واضح دلائل کے ذریعہ ہمیں ان دلائل سے بے نیاز فرمادیا ہے۔

## ۲ — احادیث کے دلائل

غناء اور آلات کی اباحت کے قائل علماء چند صحیح روایتوں سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جن سے واضح طور پر غناء کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے، ان میں سے چند نمایاں اور معروف روایتیں ذیل کی سطروں میں درج کی جاتی ہیں :

اس جگہ ہم سب سے پہلے وہ روایت ذکر کریں گے جو حضرت عائشہؓ سے صحیح سند سے ثابت ہے اور متفق علیہ روایت ہے، اس میں حضرت عائشہؓ کے گھر میں دو باندیوں کے گانا گانے اور رسول اللہ ﷺ کے حضرت عائشہؓ کے پاس موجود رہنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس آئے اس وقت دو باندیاں ان کے پاس دف بجا رہی تھیں اور خوشی کے موقع سے خوشی کے گیت گا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کپڑے میں لپٹے ہوئے آرام فرما تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں کو منع کیا آپ نے اپنا کپڑا ہٹایا اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ ''ان دونوں کو گانے دیجئے یہ ان کے خوشی کے دن ہیں''، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حبشہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وہ مسجد میں کھیلنے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے ہیں اور میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ لوگ مسجد میں کھیل رہے ہیں یہ دیکھتے دیکھتے میں اکتا سی گئی تو ان لوگوں نے مجھے ............................................

حضرت عائشہؓ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ میرے پاس آئے اور قبیلہ انصاری کی دو باندی قبیلہ انصار کے لوگ یوم بعاث کے موقع سے جو پڑھتے ہیں اسے گا رہی تھیں، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا نبی کے گھر میں شیطانی گیت؟ اور یہ واقعہ

عید کے دن کا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے ابوبکر ہر قوم کی اپنی عید ہوتی ہے اور یہ میری عید کا دن ہے۔

روایت اباحت غناء کے مدعا کو اس طرح ثابت کر رہی ہے کہ گانا گانے کا عمل دو باندیوں کے ذریعہ دف بجا کر انجام دیا گیا اور وہ بھی خانہ نبی ﷺ میں اور اتنا ہی نہیں ام المؤمنین اور رسول اللہ ﷺ دونوں نے سماعت بھی کی، اور حضرت ابوبکرؓ کے منع کرنے کو بھی غیر معتبر قرار دیا، اباحت کے قائل علماء یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مرد کے لئے اجنبی باندی کی آواز سننا درست ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے آواز سنی اور حضرت ابوبکرؓ کے سننے پر بھی نکیر نہیں فرمائی بلکہ ان کے منکرانہ رویہ کو مسترد کر دیا، اور دونوں باندیوں کے گانے کا یہ عمل تسلسل سے اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں نکلنے اور چلے جانے کا اشارہ نہ کر دیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی صاحبزادی کی نکیر باوجودیکہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کا علم تھا اس لئے فرمائی کہ انہیں یہ گمان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم نہیں ہے کیونکہ جس وقت وہ خانہ نبی ﷺ میں داخل ہوئے تھے تو اس وقت آپ ﷺ کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ سوئے ہوئے ہیں۔

فتح الباری میں لکھا ہے کہ صوفیاء کی ایک جماعت نے اس حدیث سے گانا گانا اور اس کا سننا چاہے آلہ طرب سے یا بغیر آلہ طرب دونوں کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

حرمت کے قائل بعض علماء کا یہ کہنا کہ دونوں باندیاں نابالغ تھیں، جبکہ نص میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ حضرت ابوبکرؓ کا غصہ کا اظہار کرنا اور ان دونوں کو روکنا اور ان دونوں کے اس عمل کو شیطانی گیت سے تعبیر کرنا اور اتنا ہی نہیں بعض روایتوں میں دف کا پھاڑنا بھی ثابت ہے، یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دونوں نابالغ نہ تھیں کیونکہ اگر اس حالت میں ہوتیں تو حضرت ابوبکرؓ اس درجہ ان پر اپنی خفگی ظاہر نہ کرتے۔

اسی طرح حرمت کے قائل بعض علماء اس سے استدلال کرتے ہیں کہ روایت میں دونوں باندیوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "**ولیستا مغنیتین**" وہ دونوں پیشہ ور گانے والی نہ تھیں حقیقت میں اس جملہ سے اس سے زیادہ کچھ اور ثابت نہیں ہوتا، مگر ان دونوں سے گانا گانے اور دف بجانے کا عمل صادر ہوا، اور ہر گانے والا کوئی ضروری نہیں کہ وہ پیشہ ور ہی ہو۔

سب سے قابل اعتماد پہلو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے اس اقدام کی مذمت فرمائی اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہود یہ جان لیں "**أن فی دیننا فسحة و أنه بعث بحنیفیة سمحة**" (ہمارے مذہب میں توسع ہے اور میں سیدھی سادی حنیفیت کو لے کر مبعوث ہوا ہوں)، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم پر یہ واجب ہے کہ غیروں کے واسطے اسلام کی صحیح تصویر کشی کریں، اور اس مذہب کا وہ پہلو جو آسانی اور لچک پر مبنی ہے اسے بھی نمایاں کریں تاکہ لوگ اسلام کی جانب مائل ہوں، اور وسیع تر اسلامی افکار و نظریات سے شادکام ہوں ساتھ ہی انہیں خوشخبری سنائیں نفرت نہ دلائیں اور احکام کے آسان پہلو کی وضاحت کریں سخت پہلو نہ بتائیں تاکہ وہ ان پر عمل کر کے جنت کے مستحق ہو جائیں۔

بعض علماء کا یہ بھی کہنا ہے کہ گانا گانے کی اباحت اس حدیث میں عید کے دن سے متعلق ہے، عید کے علاوہ دیگر ایام میں گانا گانا اور سننا علی حالہ ممنوع رہے گا، مگر دو باتوں کے ذریعہ ہم ان حضرات کا رد کرتے ہیں :

۱- عید کے دن ایسا کچھ نہیں ہوتا کہ حرام کو مباح کیا جاتا ہے بلکہ جو کام پہلے سے مباح ہوتا ہے اس میں وسعت برتی جاتی ہے جیسے اچھا پہننا اور اچھا پکوان وغیرہ۔

۲- عید کے دن مستحب یہ ہے کہ خود بھی خوش ہوں اور دوسروں کے ساتھ بھی خوشی کا اظہار کریں تاکہ تمام لوگ باہم خوشی محسوس کریں اور عید پر ہر خوشی و مسرت کے موقع کو قیاس کیا جا سکتا ہے گرچہ اس موقع پر صرف چند دوست ہی کھانے وغیرہ پر مدعو ہوں۔

## ۲ — ربیع بنت معوذ والی روایت :

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے کتاب النکاح میں "**باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة**" کے تحت حضرت ربیع بنت معوذ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ فرماتی ہیں میری شادی کی صبح کو رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور میرے بستر پر اسی طرح بیٹھ گئے جس طرح آپ بیٹھتے ہیں تو چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجانے لگیں اور شہداء بدر کی خوبیوں پر مشتمل اشعار پڑھنے لگیں اسی درمیان ان میں سے ایک یہ کہہ بیٹھی: "**وفینا نبی یعلم ما فی غد**" اور ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کیا ہونے والا ہے اسے بھی جانتے ہیں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مت کہو اور جو کہہ رہی تھی وہ کہو، ابن ماجہ نے یہ روایت ابن ابی شیبہ کے طریق سے عن الحسن المدنی روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ یوم عاشوراء کو مدینہ منورہ میں تھے اور لونڈیاں دف بجارہی تھیں اور گا رہی تھیں، ہم لوگ حضرت ربیع بنت معوذ جو ایک مشہور صحابیہ ہیں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ سب کچھ بیان کیا، تو انہوں نے سنایا کہ رسول اللہ ﷺ میری شادی کی صبح میرے پاس آئے اور اس وقت میرے پاس دو بچیاں تھیں جو گا رہی تھیں اور شہداء بدر کی قصیدہ خوانی کر رہی تھیں کہ ان دونوں کی زبان سے نکلا: "**وفینا نبی یعلم ما فی غد**" (ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مت کہو کیونکہ کل کی بات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

## ۳ — ما کان معہم لہو؟ والی روایت :

ان صحیح احادیث میں سے جو غناء کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں دلہن والی روایت ہے جسے حضرت عائشہؓ نے — جو ان کی رشتہ دار تھی — اس کے انصاری شوہر کے پاس خاموشی سے بھیجا تھا اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے گویا ان کی ملامت کی تھی اور سرزنش فرمائی تھی۔

امام بخاریؒ اور احمدؒ نے حضرت عائشہؓ کے حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں

نے ایک خاتون کو ایک انصاری مرد کے پاس بھیجا تھا" یعنی ان دونوں کے درمیان نکاح کرایا تھا" تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان کے ساتھ کھیل تماشا کی کوئی چیز نہیں تھی؟ انصار اسے پسند کرتے ہیں۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میری گود میں ایک انصاری لڑکی تھی جس کی میں نے شادی کرادی، اس کی شادی کے دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو آپ نے نہ گانے کی آواز سنی اور نہ کھیل تماشا کی کوئی چیز دیکھی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم لوگوں نے اس کے لئے کچھ گایا یا گانا نہیں چاہتی ہو؟ پھر فرمایا انصار کا یہ قبیلہ گانے کو پسند کرتا ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے قبیلہ انصار کے ایک فرد سے اپنی ایک رشتہ دار خاتون کی شادی کرادی، اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے کیا تم لوگوں نے اس بچی کو شوہر کے پاس بھیج دیا؟ سبھوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کیا اس کے ساتھ کوئی گانے والا بھیجا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبیلہ انصار میں نغمہ سرائی کرنے والے افراد موجود ہوتے ہیں اگر اس کے ساتھ ایسا آدمی بھیجتے جو یہ پڑھتا :

أتیناکم أتیناکم　　　　فحیناو حیاکم

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قوموں کے مختلف عادات واطوار اور ان کے مزاجی میلان ورجحان کی رعایت کی جانی چاہئے، اور کسی بھی فرد کو اپنا مزاج لوگوں کی زندگی میں مسلط نہیں کرنا چاہئے۔

اس حدیث کی دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے — جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے — گیت کے چند اشعار بھی ان لوگوں کے لئے تجویز فرمائے تا کہ وہ حضرات خوشی کے ایسے موقع پر پڑھ سکیں، اور اشعار کا ظاہر اس بات کا غماز ہے کہ یہ اشعار ان

لوگوں کے درمیان معروف تھے اور زبان زدعام وخاص تھے، وہ اس طرح کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اسے لے کر کیوں نہیں آئے جو گاتی اور یہ اشعار پڑھتی :

أتيناكم أتيناكم فحيونا نحيكم
ولولا الذهب الأحمر ما حلت بواديكم
ولو لا الحبة السوداء ما سرت عذاريكم

بعض روایتوں میں ما سمنت عذاریکم مذکور ہے۔

اس حدیث کو علامہ البانی نے اپنی کتاب ''ارواء الغلیل'' وغیرہ میں حسن قرار دیا ہے۔

## ۴—''إن كنت نذرت فاضربي'' والی روایت :

ابن تیمیہ نے ''المنتقی'' میں ''باب ضرب النساء بالدف لقدوم الغائب'' کے تحت یا اس کے ہم معنی باب کے تحت حضرت بریدہؓ والی روایت ذکر فرمائی ہے، فرماتے ہیں : اللہ کے رسول ﷺ کسی غزوہ میں نکلے جب لوٹ کر آئے تو ایک کالی لونڈی آئی اور آ کر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالی آپ کو صحیح سالم لوٹا دے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور نغمہ سرائی کروں گی، آپ ﷺ نے فرمایا : اگر تم نے ایسی نذر مانی ہے تو بجاؤ نہیں تو پھر کوئی بات نہیں ہے وہ بجانے لگی اتنے ہی میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور وہ بجاتی رہی پھر حضرت علیؓ تشریف لائے تو بھی بجاتی رہی پھر حضرت عثمانؓ تشریف لائے تو اس وقت بھی اس کا یہ عمل جاری رہا پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے تو وہ دف سرین کے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی، تو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا : اے عمر! بے شک شیطان تم سے ڈرتا ہے میں بیٹھا ہوا تھا اور یہ بجا رہی تھی ابوبکر آئے تب بھی بجا رہی تھی، علی آئے تب بھی یہ عمل جاری رہا پھر عثمان آئے اس وقت بھی یہ سلسلہ قائم رہا جب تم آئے تو اے عمر اس

نے دف نیچے ڈال دیا۔

امام شوکانیؒ نے اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس باب میں عبداللہ بن عمرو عن ابی داؤد روایت منقول ہے اور فاکھانی کے نزدیک تاریخ مکہ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے۔

صاحب کتاب نے حدیث الباب سے کسی غائب شخص کی آمد پر گیت گانے اور دف بجانے کا جواز ثابت کیا ہے، اور گانا کی حرمت کے قائل علماء حرمت کی روایتوں کے عموم کے مقابلے میں اس روایت کو خاص پس منظر سے متعلق کرتے ہیں اور جواز کے قائل علماء اس روایت سے مطلق جواز پر استدلال کرتے ہیں اور اس دلیل سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی معصیت پر مشتمل عمل کی نذر قابل قبول نہیں ہوسکتی، لہذا آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس خاتون کو دف بجانے کی اجازت اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے موقع پر اس خاتون کا عمل معصیت پر مبنی نہیں تھا، اور حدیث کی بعض روایتوں میں "أوفی بنذرک" آیا ہے (یعنی اپنی نذر پوری کرو) اس سے جواز کا پہلو مزید مستحکم ہوجاتا ہے۔

نسائی نے ایک روایت بیان کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے فرمایا کہ قوم کو متحرک کرو تو وہ رجز یہ اشعار پڑھنے لگے۔

## ۵—رخص لنا اللھو فی العرس :

اباحت غناء کے قائل علماء نے ابن ابی شیبہ اور نسائی کی روایت کردہ روایت سے بھی استدلال کیا ہے، حضرت عامر بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ابومسعود اور قرظہ بن کعب کے پاس گیا تو ان دونوں کے پاس کچھ بچیاں گا رہی تھی آپ لوگ یہ کام کرا رہے ہیں، جبکہ آپ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل رہی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے شادی کے موقع سے ہمیں کھیل تماشا کی چھوٹ دی ہے۔

نسائی کی روایت میں ہے اگر چاہوتو بیٹھے رہواور ہمارے ساتھ سنوورنہ چاہوتو چلے جاؤ ہمیں شادی کے موقع سے ہمیں کھیل تماشا کی چھوٹ دی گئی ہے۔

بعض علماء نے حدیث میں مستعمل (رخص لنا) والے جملہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ گانا اور کھیل تماشا اصلاً ممنوع ہے اور اس سلسلے میں رخصت دیا جانا اصل کے خلاف ہے، لہذا گانا اور کھیل تماشا کی گنجائش شادی کے ساتھ مخصوص ہوگی اور اسی حد تک محدود رہے گی، مگر یہ علماء شاید یہ بھول گئے کہ اس طرح کی تعبیر سے آسان پہلو کا اختیار کرنا بالخصوص ایسے مسئلہ میں جس میں تشدد پر مبنی موقف کا اندیشہ رہتا ہے مراد لیا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا صفا مروہ کے بارے میں ارشاد ہے: "**فلا جناح عليه أن يطوف بهما**"، جبکہ ان دونوں کا طواف فرض واجب ہے یا رکن ہے، اور اللہ تعالی کا یہ ارشاد: "**لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين**"۔

اس لئے اس وقت یہ سمجھا جاتا تھا کہ مخالف کے ساتھ حسن سلوک ایک ایسا عمل ہے جس کی جانب شریعت نے کسی طرح رغبت نہیں دلائی ہے۔

### ٦ — "تُحبّين أن تغنيک - فغنتها" :

ایک دوسری روایت جسے نسائی نے (عشرۃ النساء) کے باب میں روایت کی ہے، حضرت سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ تم اسے پہچانتی ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں اے اللہ کے نبی ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بنوفلاں کی گانے والی خاتون ہے کیا تم چاہتی ہو کہ یہ تمہیں کچھ گا کر سنائے؟ تو اس نے حضرت عائشہؓ کو گا کر سنایا۔

اس روایت میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ — جو کہ لوگوں میں اپنے گھر والوں کے واسطے سب سے بہتر تھے — حضرت عائشہؓ سے ان کی عمر کا لحاظ اور ان کے حق میں

نرم گوشہ اختیار کرتے ہوئے اس بات کی پیش کش کررہے ہیں کہ بنی فلاں کی گانے والی خاتون انہیں کچھ گا کر سنائے اور وہ اس سے محظوظ ہوں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گانے والی خاتون کا گانا گانا مباح ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ حرام عمل کی اجازت مرحمت نہیں فرماتے تھے، اس طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دورِ نبوت میں گانے والی خواتین موجود تھیں اس لئے ان کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا، ساتھ ہی حرمت غناء کے داعی حضرات کے خلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ شادی، عید کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی سننے اور گانے کی مجلس آراستہ کی جاسکتی ہے۔

### ۷ — حدیث "فصل مابین الحلال و الحرام الدف و الصوت فی النکاح":

(حلال وحرام کے درمیان فرق نکاح میں دف کا بجانا اور خوشی کا نغمہ خوش آوازی سے پڑھنا ہے)

اس حدیث کے بارے میں علامہ البانیؒ نے "الارواء" میں لکھا ہے کہ حدیث حسن ہے، امام نسائی، امام ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی اور احمد نے عن ابی بلج حدثنا محمد بن حاطب عن النبی ﷺ نے نقل کی ہے، اور امام ترمذیؒ حدیث نقل کرنے کے بعد کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور ابو بلج کا نام یحییٰ بن ابو سلیم ہے اور انہیں ابن سلیم بھی کہا جاتا ہے، اور محمد بن حاطب نے جب وہ نوعمر تھے تب بھی نبی ﷺ کی زیارت کی تھی، حاکم کے نزدیک یہ روایت صحیح سند سے ثابت ہے اور ذہبی بھی اسی کے قائل ہیں۔

مگر البانی کے نزدیک حسن کا حسن ہونا راجح ہے کیونکہ ابو بلج پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے۔

## ۳—صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار

دلائل کا تیسرا حصہ صحابہ کرام سے منقول آثار ہیں، کیونکہ صحابہ کرام مدرسہ نبوت کے وہ طلبہ ہیں جنہوں نے براہ راست آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر علم کی تکمیل کی، اور جو مسلمانوں کے واسطے مثالی کردار کے حامل ہیں، اور ایسا اس لئے ممکن ہے کہ صحابہ کرام کا شمار اس نسل انسانی میں ہوتا ہے جس کے کردار وعمل کی تصدیق ایک طرف قرآن کریم نے سورہ انفال، سورہ توبہ، سورہ فتح اور سورہ حشر وغیرہ میں کی ہے تو دوسری طرف نبی کریم ﷺ نے متعدد احادیث میں ان کی نقل وحرکت اور دیگر سرگرمیوں کی تحسین فرمائی ہے، وہ لوگ رسالت کی اس صدی کے پیداوار ہیں جسے بغیر کسی تردد کے خیر القرون کہا گیا ہے، چنانچہ وہ سبھی لوگ اسلامی طریقہ کار کے دلدادہ تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے، اسی طرح پوری امت میں اسلام کو اس کے ظاہر وباطن کے اعتبار سے سب سے زیادہ سمجھنے والے اور اس کی گہرائی تک رسائی حاصل کرنے والے تھے۔

لہذا جو فقہاء صحابہ کرامؓ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں اور انہیں دلیل شرعی سمجھتے ہیں تو ان کے لئے اس موضوع پر صحابہ کرامؓ کے اقوال سے استدلال کا وسیع میدان فراہم ہے، اور جن کے نزدیک اقوال صحابہ بذات خود شرعی دلیل کی حیثیت نہیں رکھتے — اور میرا موقف بھی یہی ہے— انہیں بھی ان اقوال صحابہ میں قرآن وسنت سے ثابت ہونے والے ان مفہوم ومعانی کی پرزور تائید حاصل ہوگی جو اس موضوع سے متعلق ہیں اور وہ ہے غناء کا اصل کے اعتبار سے مباح ہونا۔

### حضرت عمرؓ سے منقول موقف :

اس سلسلہ کا آغاز ہم سب سے پہلے سیدنا عمر فاروقؓ سے منقول موقف سے کرتے ہیں

۔ کیونکہ حضرت عمرؓ احکام خداوندی کے سلسلے میں بہت زیادہ سخت تھے ان میں ذرہ برابر مداہنت کے قائل نہ تھے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اوران سے چند ایسے واقعات بھی صادر ہوئے ہیں جن سے دین پر ان کی استقامت اور عزیمت پر پابندی اور دین کے کسی بھی معاملہ میں تساہلی اور غفلت سے کامل درجہ انکا اجتناب ظاہر ہوتا ہے، ان کے واقعات میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ جب انہوں نے حبشہ والوں کو مسجد نبوی میں نیزوں سے ناچتے کودتے دیکھا تو ان پر کنکڑی پھینک کر روکنے لگے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا اور حکم دیا اے عمر! انہیں کرنے دو جو وہ کر رہے ہیں۔

اس جیسے بلند پایہ نیک صفت مضبوط ارادے کے حامل حضرت عمرؓ سے متعدد روایات اس طرح کی مروی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عمرؓ گانے کے خود ہی شوقین تھے، اور اپنے بعض وہ رفقاء جو اچھی طرح گانا جانتے تھے انہیں قافلہ کے واسطے نغمہ سرائی کی اجازت دے دی تھی، اور اس سلسلہ میں اللہ کے دین کا کوئی گوشہ ان کے لئے مانع نہ تھا اور اگر ایسا ہوتا تو پھر اللہ کے دین کو پامال ہونے سے بچانے کی خاطر عزم وحوصلے کے مضبوط چٹان بن جاتے۔

حضرت عبداللہ بن عوفؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے دروازہ پر آیا تو انہیں یہ پڑھتے ہوئے سنا :

فكيف نأوى بالمدينة بعد ما

قضى وطراً منها جميل بن معمر

(میں مدینہ میں جمیل بن معمر کے ضرورت پوری کر لینے کے بعد کیسے ٹھہر سکتا ہو؟)

جمیل سے مراد جمیل جمعی ہے جو ان کے بہت ہی خاص تھے، جب میں نے ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو کہنے لگے کہ تم نے سنا جو میں نے پڑھا میں نے عرض کیا ہاں سن لیا تو کہنے لگے جب ہم لوگ تنہائی میں ہوتے ہیں ویسے ہی بولتے اور کہتے ہیں جیسے عام لوگ

اپنے گھروں میں بولتے اور کہتے ہیں۔

حافظ نے ''الاصابہ'' میں (خوات بن جبیر) کے تذکرہ میں جو بدری صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں اور اس کے بعد احد اور تمام جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے ہیں لکھا ہے کہ سراج نے اپنی تاریخ میں اپنی سند خوات بن جبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ہم سبھی لوگ حج کے ارادے سے حضرت عمرؓ کے ساتھ نکلے، ہم ایسے قافلے میں تھے جس میں ابوعبیدہ بن جراحؓ، اور عبد الرحمن بن عوفؓ جیسے صحابی موجود تھے، رفقاء سفر کہنے لگے کہ ضرار کا شعر اپنی خوبصورت آواز میں سناؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا ابوعبد اللہ کو بلاؤ تا کہ وہ ہمیں اپنا کلام سنائے، خوات کہتے ہیں کہ میں مسلسل ان لوگوں کو اشعار سناتا رہا، یہاں تک کہ سحر کا وقت ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے خوات بس بھائی بس بھائی سحر کا وقت ہو چکا ہے۔

یعنی یہ ذکر واستغفار کا وقت ہے کھیل تفریح کا وقت نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

''وبالأسحار هم يستغفرون'' (الذاریات:۱۸) (اور صبح کے وقتوں میں وہ معافی مانگتے تھے)۔

حافظ ابن طاہر نے اپنی سند سے جو ابن شہاب زہری تک پہنچتی ہے روایت کی ہے کہ ابراہیم بن عبد اللہ بن ابی ربیعہؓ نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ حارث بن عبد اللہؓ نے ان سے بتایا کہ وہ حضرت عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں ان کے ساتھ مکہ کے سفر میں تھے اور ان کے ساتھ مہاجرین وانصار بھی تھے حضرت عمرؓ نے ترنم سے ایک شعر پڑھا تو عراق کے ایک شخص نے جو تنہا عراق سے اس قافلہ میں تھا عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین آپ کے علاوہ کوئی دوسرا پڑھے امیر المؤمنین شرما گئے اور اپنی سواری کو مارا، یہاں تک کہ وہ قافلہ سے پچھڑ گئی، ابن طاہر کہتے ہیں کہ اس واقعہ کی سند اپنے ثبوت کے لحاظ سے اس درجہ قوی ہے کہ ہر کوئی اس سے واقف ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ واضح وہ روایت ہے جسے ابن طاہر نے اپنی سند سے یحییٰ بن عبد الرحمن کے حوالے سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حج اکبر کے ارادے سے حضرت عمرؓ

کے ساتھ سفر میں تھے، جب حضرت عمرؓ روحاء پہنچے تو لوگوں نے رباح بن معترف سے جو خوش آواز تھے اور اعرابیوں کے طرز پر پڑھتے تھے سے خواہش ظاہر کی کہ آپ ہمیں سنائیے اور راستہ کی دوری کم کیجئے اس پر انہوں نے عرض کیا کہ مجھے حضرت عمرؓ سے ڈر لگتا ہے تو پھر رفقاء سفر نے اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے بات کی کہ ہم لوگوں نے رباح سے کچھ سنانے کی خواہش کی ہے تا کہ سفر مختصر ہوجائے مگر وہ آپ کی اجازت سے ہی پڑھ سکتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے رباح انہیں سناؤ اور سفر کی دوری کم کرو اور جب سحر کا وقت ہوجائے تو خاموش ہوجانا، اور انہیں ضرار بن خطابؓ کے اشعار سناؤ، تو انہوں نے بلند آواز میں گا کر اشعار سنائے جبکہ اس قافلے کے سبھی افراد احرام میں تھے۔

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں ''رباح بن معترف'' کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شعیب نے زہری سے اور زہری نے سائب سے روایت کی ہے کہ سائب نے بیان کیا کہ ہم لوگ عبد الرحمن بن عوف کے ساتھ حج کے سفر میں تھے کہ اس دوران عبدالرحمن ہم سے علاحدہ ہو گئے اور رباح بن معترف سے خواہش کی کہ اے ابوحسن ہمیں گا کر سناؤ پھر آگے پورا واقعہ ویسے ہی ذکر کیا ہے جتنا اوپر مذکور ہوا، اور رباح عبدالرحمن کے ساتھ تجارت میں شریک تھے۔

ابراہیم بن حربی نے غریب الحدیث میں عثمان بن نائل عن ابیہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ ہم لوگوں نے رباح بن معترف سے یہ کہا کہ ہمیں اپنے شہر کے طرز میں سناؤ، تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ کی موجودگی میں؟ ہم نے کہا کہ ہاں اگر وہ روکیں تو رک جانا۔

زبیر بن بکار نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ کا جب ان کے پاس سے گزر ہوا تو رباح ان لوگوں کو قافلہ کا نغمہ سنا رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے؟ حضرت عبد الرحمنؓ نے عرض کیا اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے ہمارا سفر مختصر ہو رہا ہے تو امیر المؤمنین نے فرمایا اگر آپ حضرات سننا ہی چاہتے ہیں تو ضرار بن خطاب کے اشعار سنیئے۔

ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ وہ ان لوگوں کو نصب کے اشعار سناتے

تھے،نصب حدی کی طرح شاعری کی ایک قسم ہے۔

امام ابواسحاق شاطبی نے اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں لکھا ہے کہ ابوالحسن قرافی صوفی نے حسن کے حوالے سے بیان کیا کہ کچھ لوگ حضرت عمر بن خطاب ؓ کے پاس آئے اور عرض گزار ہوئے کہ امیر المؤمنین! ہمارے ایک امام ہیں جب وہ نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو کچھ اشعار گا کر پڑھتے ہیں،حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا وہ کون ہے؟ تو ان کا نام بتایا گیا،امیر المؤمنین نے فرمایا کہ ہم سبھی لوگ ایک ساتھ اس کے پاس جائیں گے کیونکہ اگر ایک ساتھ جائیں گے تو وہ یہ سمجھے گا کہ ہم لوگ اس کی خیریت دریافت کرنے آئے ہیں،حضرت عمرؓ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے اور اس آدمی کے پاس آئے اس وقت وہ مسجد میں تھا، جیسے ہی اس کی نظر حضرت عمرؓ پر پڑی کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین آخر کیا ضرورت پیش آ گئی کہ آپ کو آنا پڑا؟ اگر ایسی کوئی ضرورت تھی تو خلیفہ رسول ﷺ کی ضرورت کی تکمیل اور ان کی تعظیم وتوقیر بجالانے کے ہم کسی سے زیادہ حقدار ہیں،حضرت عمرؓ نے فرمایا: سنو!تم سے متعلق مجھے ایسی اطلاع ملی جس سے مجھے تکلیف ہوئی ہے،اس نے عرض کیا وہ کیا ہے اے امیر المؤمنین؟ فرمایا: سنا ہے تم اپنی عبادت میں بتکلف خلل پیدا کرتے ہو اس نے جواب دیا کہ نہیں امیر المؤمنین ایسی بات نہیں ہے لیکن وہ نصیحت پر مشتمل کلام ہے جس سے میں اپنے کو نصیحت کرتا ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سناؤ وہ کیا ہے اگر کلام اچھا ہوگا تو ہم بھی تمہارے ساتھ پڑھیں گے اور اگر برا ہوگا تو تمہیں اس سے روکیں گے،تو اس نے درج ذیل شعر پڑھ کر سنائے:

وفؤاد كلما عاتبته — في مدى الهجران ينبغي تعبي

لا أراه الدهر إلا لاهياً — في تماديه فقد برح بي

يا قرين السوء ما هذا الصبا — فني العمر كذا في اللعب

وشباب بان عني فمضى — قبل أن أقضي منه أرى

ما أرجى بعده إلا الفنا ضيق الشيب على مطلبی
ويح نفسی لا أراها أبدا فی جميل لا ولا فی أدب
نفس لا كنت ولا كان الهوى راقبی المولی وخافی وارهبی

(اور جب جب میں دل کی سرزنش کرتا ہوں فراق کی مدت میں تو میں تھک جاتا ہوں، مگر زمانے بھر کو دیکھتا ہوں وہ برابر ایسی اس کی سرکشی پر آمادہ ہے جو میرے ساتھ لازم وملزوم ہو چکی ہے، اے برائی کے پیکر یہ کیسا بچپنہ ہے عمر یونہی کھیل کود میں گزر جائے گی اور جوانی بھی ضرورت کی تکمیل سے قبل ہی رخصت ہوگئی، اس کے بعد سوائے خفا کے اور کسی چیز کی امید نہیں کی جاسکتی اور نہ بڑھاپا میرے مطلب براری کرسکتی ہے برابر میرے دل کا جو کبھی نہ نیک کام میں رہا اور نہ باادب رہا، اے دل کبھی میری غلط خواہش نہ رہی اس لئے اپنی حرکت سے باز آؤ اور اللہ تعالی کا مراقبہ کرو اور اس سے ڈرتے رہو)۔

حضرت عمرؓ نے بھی دہرایا:

نفس لا كنت ولا كان الهوى راقبی المولی وخافی وارهبی

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا جسے طرز سے پڑھنا ہو وہ اس شعر کو پڑھے، ابن طاہر نے حضرت زید بن اسلمؓ سے اور انہوں نے اپنے والد سے کہ حضرت عمرؓ کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جو گا رہا تھا، امیر المومنین نے فرمایا گانا مسافر کے لئے زاد راہ ہے۔

ان روایتوں سے حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، خوات بن جبیرؓ اور ان کے علاوہ دیگر انصار ومہاجر صحابہ کرام سے سماع ثابت ہو گیا۔

## حضرت عثمانؓ کا موقف :

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں قاضی ابوالحسن ماوردی نے اپنی کتاب ''الحاوی'' میں جو فقہ شافعی میں ہے اسی طرح ''البیان'' کے مصنف وغیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ ان کے پاس دو باندی تھی جو گا کر انہیں سناتی تھیں جب سحر کا وقت ہوتا تو ان دونوں سے

فرماتے رک جاؤ یہ توبہ واستغفار کا وقت ہے۔

## حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا موقف :

حضرت عمرؓ کا موقف بیان کرتے ہوئے ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ — جن کا شمار عشرہ مبشرہ اور چھ اصحاب شوری میں ہوتا ہے — وہ اپنے شریک تجارت حضرت رباح بن معترفؓ سے اشعار سنتے اوران کی خوبصورت آواز سے محظوظ ہوتے اوران سے اس کی خواہش کرتے ہوئے کہتے اے ابوحسان کچھ گاؤ سناؤ، اور جب حضرت عمرؓ کا گزر ہوا تو دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ توحضرت عبدالرحمن نے فرمایا کچھ نہیں اس میں کوئی حرج نہیں اس سے ہمارے سفر کی دوری کم ہورہی ہے۔

شاید حضرت عبدالرحمن کے مزاج کا یہ رجحان ان کے بعد ان کی ذریت میں بطور وراثت منتقل ہوئی جس میں ان کے پوتے لوگ جو مدینہ کے علماء میں شمار ہوتے تھے کافی مشہور ہوئے جیسے سعد بن ابراہیم بن مالکؓ اوران کے بیٹے ابراہیم بن سعدؓ جو قابل اعتماد امام اور مشہور محدث تھے آگے کی سطروں میں یہ تفصیلات ذکر کی جائیں گی۔

## تمام عشرہ مبشرہ کا موقف :

اس سے پہلے یہ لکھا جا چکا ہے کہ امت کے امین حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ بھی حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کے ساتھ سماع میں شریک ہوتے تھے، اسی طرح حضرت سعد بن ابووقاصؓ سے بھی سماع ثابت ہے جیسے ابن قتیبہ نے ''کتاب الرخصة فی السماع'' میں بیان کیا ہے۔

مجھے اپنے مطالعہ میں حضرت علیؓ کا کوئی قول اس مسئلہ سے متعلق نہیں ملا سوائے اس روایت کے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ وہ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں اپنی باندیوں سے اشعار سنتے اوران کی غلطیوں کی اصلاح فرماتے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کا رجحان زہد وتقوی اور سادگی کی جانب تھا، پھر اپنے دور حکومت میں جنگ وجدال میں اور وقتاً فوقتاً اٹھنے والے فتنوں کی سرکوبی میں مشغول رہے جس کی وجہ سے انہیں سیر وتفریح اور کھیل کود کا موقع نہیں ملا جبکہ انہی کا یہ قول ہے کہ دلوں کو وقفے وقفے سے آرام دو اس لئے کہ جب دلوں پر زبردستی کی جاتی ہے تو دل اندھے ہوجاتے ہیں۔

## ابومسعودؓ، قرظہؓ اور ثابت بن یزیدؓ کا موقف :

نسائی نے عامر بن سعد کے حوالہ سے جو روایت بیان کی تھی وہ گزر چکی ہے اس میں سعد بن عامر سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ میں نے ایک شادی میں شرکت کی اس میں قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری بھی موجود تھے، چند بچیاں گا رہی تھیں میں نے کہا کہ آپ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہے ہیں اور جنگ بدر میں بھی شرکت کی ہے، اور آپ حضرات کے سامنے یہ عمل ہو رہا ہے، تو انہوں نے کہا بیٹھو اگر چاہو تو ہمارے ساتھ سنو اور اگر چاہو تو جا سکتے ہو، اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شادی کے موقع سے اس طرح کے کھیل تماشا کی اجازت دی ہے۔

حافظ نے ''الاصابہ'' میں ثابت بن یزید انصاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ماوردی اور ابونعیم شریک عن ابن اسحاق عن عامر بن سعد کے طریق سے نکلے ہوئے ہیں اور جو روایت اس طریق سے مروی ہے اس میں تفصیل یوں ہے کہ عامر بن سعد کہتے ہیں کہ میں قرظہ بن کعبؓ، ثابت بن یزید اور ابومسعودؓ کے پاس پہنچا تو ان کے پاس بچیاں گا رہی تھیں اور کھیل تماشا بھی ہو رہا تھا تو اس پر میں نے کہا کہ آپ حضرات کو صحابیات کا شرف حاصل ہے اور آپ کی موجودگی میں ایسا کام ہو رہا ہے تو ان حضرات نے کہا کہ شادی بیاہ کے موقع سے اس طرح کے کھیل تماشا کی گنجائش دی گئی ہے۔

## حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کا موقف :

وہ صحابہ کرام جن سے آلات طرب کے ساتھ سماع منقول ہے ان میں ایک نام حضرت

عبداللہ بن جعفرؓ کا ہے، جن کا شمار مسلمانوں بالخصوص بنو ہاشم کے سخی ترین لوگوں میں ہوتا ہے، ان کے والد جعفر الطیارؓ ہیں اور والدہ اسماء بن عمیسؓ ہیں ان کی وفات ۸۰ھ میں اسی سال کی عمر میں ہوئی، ایک جماعت نے ان سے روایت لی ہے۔ یہ ساری تفصیلات شیخ ابوطالب مکی نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں تحریر کی ہے۔علامہ کمال الدین ابوالفضل جعفر بن ثعلب ادنوی مصری نے ''الامتاع'' میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ سے نغمہ سماعت کرنے کا ثبوت خبر مشہور کے درجہ میں ہے، چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ فقہائے حفاظ اور معتمد مؤرخین میں سے جن کی بھی اس مسئلہ پر گہری نگاہ ہے ان سے حضرت عبدالرحمن بن جعفرؓ کا سماع منقول ہے۔

ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ ان کے نزدیک گانا سننے سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن عبدالبرؒ نے یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ جب حضرت معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کا بڑا اعزاز واکرام کیا اور ان کی شایان شان ان کی خدمت کی، اس سے ان کی اہلیہ فاختہ برہم ہوگئیں، ایک رات عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس گانے کی آواز سنی، حضرت معاویہؓ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں آئیے اور سنئے اس شخص کے کمرہ میں یہ کیسا تماشا ہو رہا ہے جس پر آپ نے اپنی جان نچھاور کردی ہے، وہ سن کر واپس ہوگئے جب رات کا آخری حصہ ہوا تو حضرت معاویہؓ نے عبداللہ بن جعفرؓ کی تلاوت کی آواز سنی آکر اپنی اہلیہ کو بتایا کہ جو تم نے مجھے سنوایا اس کی جگہ دوسری چیز سنو! اس سے حضرت معاویہؓ یہ بتلانا چاہتے تھے کہ ایمان والے کے نزدیک کھیل کود کا ایک وقت ہوتا ہے اور عبادت کا بھی، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت حنظلہؓ سے فرمایا تھا کہ وقفے وقفے سے آرام کرلیا کرو۔

ابومنصور بغدادی نے اپنی تالیف ''السماع'' میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ — اپنی بلند مقامی — کے باوجود باندیوں کی آواز پر کان لگاتے اور وقفہ وقفہ سے سماعت کرتے۔

زبیر بن بکارؒ نے اپنی سند سے یہ روایت کی ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ جمیلہ کے گھر گئے

(یہ صحابہ کرام کے عہد میں ایک مشہور مغنیہ تھی) تا کہ اس سے کچھ سن لیں، کیونکہ اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ کسی بھی فرد کو اپنے گھر میں ہی سنائے گی، اس نے ان کو سنایا، اس کے بعد اس نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہا اور ان کے گھر آ کر ان کو سنانا چاہا مگر انہوں نے اسے اس کام کے کرنے سے روکا۔

## حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا موقف :

ابوطالب مکی اور ان ہی جیسے دوسرے مصنفین نے سماع غناء کے قائل اور اس پر عمل پیرا جن صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کیا ہے ان میں عبداللہ بن زبیرؓ بھی شامل ہیں، ان کا پورا نام عبداللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد قرشی اسدی ہے، ان کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ ہیں، ان کی زبان میں بلا کی روانی تھی، بے باک و بہادر تھے، یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد ان کی خلافت پر ان سے بیعت کی گئی، حجاج نے مکہ میں عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۷۳ھ میں انہیں شہید کر دیا، ایک جماعت نے ان سے روایت لی ہے۔ شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے اپنی کتاب ''اقتناص الوانح'' میں اپنی سند سے وہب بن سنان کے حوالے سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو ترنم سے گاتے ہوئے سنا ہے۔

عبداللہ کا کہنا ہے کہ مہاجرین میں بہت کم کسی فرد کو ترنم سے گاتے ہوئے سنا، امام الحرمین اور ابن ابوالدم کا کہنا ہے : مؤرخین کی جماعت کے قابل اعتماد حضرات نے یہ نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس سارنگی بجانے والی باندیاں تھیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے پاس گئے تو انہیں سارنگی نظر آئی، پوچھا اے صحابی رسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟ اسے ہاتھ میں لیا اور بغور دیکھا اور فرمایا یہ شامی ترازو ہے، اس پر ابن زبیرؓ نے فرمایا اس سے عقلیں وزن کی جاتی ہیں، شیخ تاج الدین فرازی نے بھی ان کے بارے میں نغمہ سننے کا واقعہ نقل کیا ہے، اور اس قسم کے تمام تر واقعات ادنوی نے ''امتاع'' میں نقل کیا ہے۔

## مغیرہؓ، معاویہؓ اور ابن العاصؓ وغیرہم کا موقف :

ان صحابہ کرام میں مغیرہ بن شعبہ بن ابوعامر بن مسعود ابوعبداللہ ثقفی کا بھی نام آتا ہے، وہ عرب کے ذہین لوگوں میں تھے، شیخ تاج الدین فزاری وغیرہ نے ان سے متعلق نغمہ سننے کا واقعہ نقل کیا ہے، اور شادی بیاہ کے معاملات میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔

اور معاویہ بن سفیان اموی بھی انہی صحابہ کرام میں شامل ہیں، ابن قتیبہ نے اپنی سند سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے صاحبزادہ یزید کے یہاں ساز اور آواز کے ساتھ نغمہ سرائی سنی تو جھوم اٹھے، اس کے بعد ایک لمبا قصہ بیان کیا جاتا ہے جسے مبرد نے الکامل میں بھی لکھا ہے، اور ابن قتیبہ نے 'کتاب الرخصہ' میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ عبداللہ بن جعفرؓ کی عیادت کے واسطے گئے تو ان کے پاس ایک باندی تھی جس کی گود میں سارنگی تھی، حضرت معاویہؓ نے فرمایا اے ابن جعفر! یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ باندی ہے جسے میں رقت آمیز اشعار سناتا ہوں اور وہ انہیں اپنی خوبصورت آواز میں پڑھ کر سناتی ہے جس سے اس کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے، حضرت معاویہؓ نے پڑھنے کی خواہش کی باندی نے سارنگی کو حرکت دیتے ہوئے یہ شعر سنایا :

**أليس عندک شکر للتی جعلت　　ما أبيض من قادمات الرأس کالحم**

**وجددت منک ما قد کان أخلقه　　طول الزمان وصرف الدهر والقدم**

اتنا سننا تھا کہ حضرت معاویہؓ کے پاؤں ہلنے لگے، حضرت عبداللہ نے پوچھا آپ اپنا پاؤں کیوں ہلا رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا : باذوق لوگ ایسے ہی جھوم جاتے ہیں۔

ماوردی نے حاوی میں نقل کیا ہے کہ معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ دونوں ہی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس گئے کیونکہ وہ نغمہ سننے میں اور اس سے محظوظ ہونے میں کچھ زیادہ ہی منہمک ہوگئے تھے تاکہ ان سے وہ دونوں اس مسئلہ میں گفت وشنید کرسکیں، حضرت معاویہؓ جیسے ہی ان کے پاس پہنچے تمام باندیاں جو گارہی تھیں خاموش ہوگئیں، حضرت معاویہؓ نے ان

سے عرض کیا کہ ان خواتین کو حکم دیجئے کہ وہ عمل جو وہ کر رہی تھیں کرتی رہیں، ان سب کا عمل دوبارہ جاری ہوا اور حضرت معاویہؓ کو سنایا، سنتے ہی حضرت معاویہؓ جبکہ وہ چارپائی پر بیٹھے تھے کے پاؤں ہلنے لگے، حضرت عمروؓ نے کہا کہ جسے آپ اس کی حرکت پر متنبہ کرنے آئے ہیں وہ آپ سے اچھی حالت میں ہے، حضرت معاویہؓ نے فرمایا : اے عمرو چپو چپو، باذوق لوگ ایسے ہی جھوم جایا کرتے ہیں۔

## اسامہ بن زیدؓ :

ان صحابہؓ میں حضرت اسامہ بن زیدؓ بھی ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے، اور آپ ﷺ کے محبوب کے فرزند تھے۔

عبدالرزاق نے اپنی ''مصنف'' میں زہری سے اور انہوں نے عمر بن عبدالعزیز سے اور انہوں نے عبداللہ بن حارث بن نوفلؓ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن حارث بن نوفلؓ نے فرمایا کہ میں نے اسامہ بن زیدؓ کو مسجد میں بیٹھے دیکھا اس حال میں کہ ایک پاؤں اٹھائے دوسرے پر رکھے ہوئے تھے، اور بلند آواز سے کچھ پڑھ رہے تھے، میرا خیال ہے نصب کے اشعار پڑھ رہے تھے۔

نصب اعرابیوں کے گانا کی ایک قسم ہے جو حدی کے مماثل ہوتی ہے یہ حضرت ابوعبید کی تحقیق ہے۔

## عبداللہ بن ارقم :

ان صحابہ میں حضرت عبداللہ بن ارقم بن ابوالارقم بھی ہیں۔

بیہقی نے سنن میں عن الزہری عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ روایت کی ہے کہ عبید اللہ بن عبداللہ کو ان کے والد نے بتایا کہ انہوں نے عبداللہ بن ارقم کو بلند آوازی سے کچھ گا کر پڑھتے سنا ہے، عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں خدا کی قسم جتنے لوگوں سے میری ملاقات ہوئی ان میں میں

نے عبداللہ بن ارقم سے بڑھ کر خدا تعالی کا لحاظ کرنے والا اور اس سے ڈرنے والا کسی کو نہیں پایا، اسی طرح کی بات سائب بن یزید نے بھی کہی ہے، اور حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

اور حضرت عبداللہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے، اور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی جانب سے خطوط نویسی بھی کی ہے، اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں بیت المال کی کفالت میں تھے، ان کے بارے میں حضرت حفصہؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے مجھے کہا کہ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میری قوم میری مذمت کرے گی تو میں عبداللہ بن ارقمؓ کو ضرور خلیفہ نامزد کردیتا۔

اور نبی کریم ﷺ انہیں بعض بادشاہوں کے نام خط لکھنے کا حکم دیتے تو وہ خط لکھتے اور اس پر مہر لگاتے مگر خط کا مضمون چونکہ ان کے نزدیک امانت ہوتا اسے نہ پڑھتے۔

## عمران بن حصینؓ :

ان میں حضرت عمران بن حصینؓ بھی ہیں۔

امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں مطرف بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کوفہ سے بصرہ تک عمران بن حصین کے ساتھ رہا جہاں کہیں بھی پڑاؤ کرتے اشعار ترنم میں سناتے۔

عبدالرزاق نے بھی یہ روایت بیان کی ہے مگر ان کی روایت میں بصرہ سے مکہ تک کے سفر کا تذکرہ ہے، روزانہ وہ اشعار سناتے پھر مجھ سے یہ کہتے کہ شاعری بھی کلام ہی ہے اور ایسا کلام حق کی بھی ترجمانی کرتا ہے اور باطل کی بھی۔

## بلال بن رباحؓ :

عبدالرزاق نے روایت کی اور بیہقی نے بھی اسی طریق سے روایت کی ہے، مگر الفاظ عبدالرزاق کے ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر جو ٹیک لگائے ہوئے تھے فرمایا اے بلال نغمہ سناؤ

تو ایک آدمی نے تعجب بھرے انداز میں کہا کہ نغمہ سنائیں گے؟ وہ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ مہاجرین میں کون ایسا فرد ہے جسے میں نے نصب کے اشعار پڑھتے نہ سنا ہو۔

## حسان بن ثابتؓ :

صاحب اغانی اور مبرد نے ''الکامل'' میں روایت کی ہے کہ خارجہ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک دعوت میں مدعو تھے ہم لوگ پہنچے اور حضرت حسان بن ثابتؓ بھی پہنچے مگر اس وقت ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی ان کے ساتھ ان کے صاحبزادہ عبدالرحمنؓ تھے ہم سبھی دستر خوان پر بیٹھے جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میزبان حضرات دو باندی جو گانا جانتی تھیں لے کر آئے ان میں سے ایک کا نام ربعہ تھا اور دوسری کا نام عزہ تھا وہ دونوں بیٹھیں اور باجا بجانے لگیں اور حضرت حسانؓ کا یہ شعر پڑھنے لگیں :

فلا زال قصر بین بصری وجلق علیه من الوسمی جود ووابل

تو میں نے حسانؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا مجھے یہاں ایک شخص نظر آرہا ہے جس کی سماعت و بصارت دونوں ہی سلامت ہیں اور اس کی دونوں آنکھیں اشکبار ہیں جب یہ دونوں خاموش ہوتی ہیں تو آنکھ بھی نہیں بہتی اور جب گاتی ہیں تو آنکھ بھی رو پڑتی ہے اور میں ان کے صاحبزادے عبدالرحمنؓ کو دیکھتا جب وہ دونوں خاموش ہو جاتیں تو انہیں گانے کے لئے اشارہ کرتے۔

## دوسرے صحابہ کرامؓ :

ایسے صحابہ کرامؓ میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہیں جن کا واقعہ صحیحین میں مذکور ہے، عبداللہ بن عمرؓ ہیں جن کا واقعہ ابن طاہر ابن حزم اور ابن ابی الدم نے نقل کیا ہے، ان میں براء بن مالکؓ ہیں جن کا واقعہ ابونعیم حافظ نے اور ابن دقیق العید نے بیان کیا ہے، ان میں نعمان

بن بشیرؓ ہیں جن کا واقعہ صاحب اغانی صاحب عقد اور شارع مقنع نے ذکر کیا ہے، ان میں عبید اللہ بن عمرو ہیں جن کا واقعہ زبیر بن بکار نے ''الموفقیات'' میں روایت کی ہے، اور ان میں حضرت عائشہؓ ہیں جن کے سماع سے متعلق بہت سی روایتیں منقول ہوئی ہیں، اور ان میں علی بن مینا رالدمی ہیں، جنہیں حافظ بن حجر نے ''الاصابہ'' میں تحریر کیا ہے۔

## حضرت ابن مسعودؓ کا موقف :

گانا کے مسئلہ میں جتنی روایتیں اور آثار وارد ہوئے ہیں ان سب سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ — صحابہ کرامؓ میں جن حضرات کا موقف سخت تھا بلکہ ان میں بھی سب سے زیادہ سخت موقف حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا تھا، اور ان کا یہ قول بھی ذکر کیا جا چکا ہے ''**الغناء یُنبت النفاق فی القلب**'' ( گانا دل میں نفاق کی آبیاری کرتا ہے ) اور ان کی زندگی سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک سنجیدہ آدمی تھے کھیل تماشے کا ان کی زندگی میں گزر نہ تھا۔

ابن مسعودؓ اس مسئلہ میں سخت موقف کا اثر ان کے رفقاء میں بھی نمایاں تھا چنانچہ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے جو ابراہیم نخعی تک پہنچتی ہے روایت کی ہے کہ ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے رفقاء جن کی رات و دن ان کے ساتھ رفاقت رہتی اگر انہیں گلیوں میں دف کے ساتھ لونڈیاں نظر آتیں تو وہ ان سے لے کر پھاڑ دیتے۔

شاید اسی سختی کا نتیجہ ہے کہ مسلک حنفی میں گانا کے مسئلہ میں خلاف توقع اس قدر سختی پائی جاتی ہے، جبکہ اہل علم کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے رفقاء ان کے رفقاء کوفہ کے مسعود مکتب فکر کے تربیت یافتہ تھے، جس کی بنیاد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے رکھی اور ان کے بعد ان کے شاگردوں میں اسود، علقمہ وغیرہ جیسے لوگ اس پر قائم رہے، ابراہیم نخعی اور حماد جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاذ تھے وہ بھی اس کے ترتیب یافتہ تھے، جبکہ اصلاً مسلک حنفی میں حرام و واجب کے مسئلہ میں سختی اور تنگی کا پہلو اختیار کیا جاتا ہے، گانا اور اس جیسے دیگر مسئلوں میں اس طرح سختی نہیں برتی جاتی۔

## ابن عمرؓ کا مختلف موقف :

غناء اور سماع کے مسئلہ میں جن صحابہ کرام سے مختلف طرح کی روایتیں مروی ہیں ان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا نام نامی شامل ہے ان سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ سماع کے قائل تھے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا، اور ابن حزم کی روایت کے مطابق انہوں نے عبداللہ بن جعفرؓ کی بعض گانے والی لونڈیوں کے بیچنے کی ہمت افزائی فرمائی، اسی طرح اس موقف کے خلاف بھی ان سے روایت مروی ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ نے ''الاحیاء'' میں حرمت سماع کے قائل حضرات کے دلائل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

حرمت کے قائل علماء کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے سے احرام باندھے ہوئے کچھ لوگوں کا گزر ہوا ان میں ایک شخص مترنم آواز میں چند اشعار پڑھتا ہوا جارہا تھا اتنا سنتے ہی حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا :''**ألا لا أسمع الله لکم، ألا لا أسمع الله لکم**''۔

حضرت نافع سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کے ساتھ ایک سفر میں تھا چرواہا کے سارنگی بجانے کی آواز سنی انہوں نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں میں ڈال لی اور راستہ سے کنارہ ہوگئے، اور یہ کہنے لگے اے نافع کیا تم یہ سن رہے ہو؟ یہاں تک کہ میں نے کہا کہ نہیں پھر انہوں نے اپنی انگلیاں نکالی اور فرمایا اس طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے سنا۔

جہاں تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس قول ''**ألا لا أسمع الله لکم**'' کا تعلق ہے تو اس سے غناء کی حرمت ثابت نہیں ہورہی ہے، چونکہ وہ لوگ احرام کی حالت میں تھے اس لئے ان کے واسطے اس طرح کا کھیل تماشا اور سننے سنانے کا کام مناسب نہ تھا، اور ان کی نقل وحرکت دیکھ کر انہیں یہ محسوس ہوا کہ ان حضرات کا نغمہ سننا بیت اللہ کی زیارت کے شوق میں نہ تھا، بلکہ صرف کھیل کود کی غرض سے تھا، اس لئے انہوں نے ان کی مذمت کی کیونکہ ان کی موجودہ

پوزیشن اور احرام کی حالت کی وجہ سے ان کا یہ عمل منکر میں تبدیل ہو چکا تھا اس لئے اس وقت تنبیہ ضروری تھی، جب کسی کیفیت کو بیان کیا جاتا ہے تو اس میں کئی طرح کے احتمالات پائے جاتے ہیں، جہاں تک کانوں میں انگلیاں رکھنے کا معاملہ ہے نافع کو انہوں نے اس طرح کرنے کا حکم نہ دیا اور نہ سماع کی مذمت کی تو یہ عمل مذکورہ عمل سے متعارض ہوا گویا ان کے سامنے دو طرح کا عمل وجود میں آیا اور دونوں ہی باہم متعارض تھے، تو یہ سمجھا جائے گا کہ انہوں نے کان میں انگلی اس لئے ڈالی تا کہ اس وقت اپنی سماعت اور دل کو ایسی آواز سے پاک رکھ سکیں جس سے کھیل تماشہ کے جذبات برانگیختہ ہونے اور ایسے تفکرات سے دور ہونے کا اندیشہ تھا جس میں مشغول ہونا زیادہ بہتر معلوم ہو رہا تھا، اس طرح رسول اللہ ﷺ سے یہ عمل ثابت ہے مگر آپ ﷺ کا ابن عمرؓ کو سننے سے منع نہ فرمانا سماع کی حرمت ثابت نہیں کرتا، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عمل نہ خلاف اولی ہے اور نہ ایسا کرنا بہتر ہے، اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ زیادہ تر حالات میں اس طرح کے عمل سے گریز کرنا ہی بہتر ہے، بلکہ دنیا کی مباح چیزوں سے اجتناب ہی بہتر ہے جبکہ یہ قطعیت کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کی چیزیں براہ راست دلوں پر اثر کرتی ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہوتے ہی ابوجہم کا کپڑا اتار پھینکا کیونکہ اس پر کچھ ایسے نشانات تھے جن سے قلب مبارک غافل ہو سکتا تھا، تو کیا اس عمل سے کپڑوں پر نشانات کا ہونا حرام سمجھا جائے گا؟ تو ایسا ہی یہاں بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت جس کیفیت میں رہے ہوں گے چرواہے کی سارنگی کی آواز اس کیفیت سے غافل کرنے کا سبب بنی ہوگی جس طرح کپڑے پر موجود نشانات خشوع وخضوع میں مانع ہوئے، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سماع کے توسط سے دل کے اندر اس طرح کی روحانی کیفیت بیدار کی جائے اگرچہ سماع یہ ایک معمولی عمل ہے اس ذات گرامی کے لئے جو ہر وقت حق پر قائم ودائم رہی ہے مگر اس کے علاوہ دیگر حضرات کے لئے ذریعہ کمال اور ترقی درجات کا زینہ ہے۔

یہ سارے واقعات جو صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال پر مشتمل ہیں اس نقطہ نظر کی

تقویت کے لئے کافی ہے، کیونکہ صحابہ کرام امت کے تمام افراد میں افضل ترین جماعت کا نام ہے اور علی الاطلاق افضل ترین نسل انسانی ہے، اس لئے ان واقعات پر اعتراض کرنا آسان نہیں ہے اور ان میں جو واقعات صحیح ہیں ان سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

## وہ تابعین جن کے نزدیک سماع وغناء دونوں جائز ہیں

ابوطالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ عمل سلف صالحین میں سے بہتوں سے ثابت ہے''
جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا۔

### سعید بن المسیبؒ :

تابعین میں صرف حضرت سعید بن المسیبؒ کا نام لینا ہی کافی ہے، ورع وتقویٰ میں وہ ضرب المثل تھے، حضرت اویس کے بعد سب سے افضل تابعی تھے، بعض حضرات کے نزدیک علی الاطلاق سید التابعین تھے، سات بڑے فقہاء میں ان کا شمار ہوتا ہے، نغمہ سننا اور سن کر محظوظ ہونا دونوں ہی ان سے ثابت ہے۔

ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ وکیع نے محمد بن خلف کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن ابوسعید نے مجھ سے بیان کیا اور ان سے حسن بن علی بن منصور نے بیان کیا اور ان سے ابو غیاث نے ابراہیم بن محمد عباس مطلبی سے کہ سعید بن المسیب کا ایک مرتبہ مکہ کی گلیوں سے گزر ہوا تو انہوں نے اخضر کو عاص بن وائل کے گھر میں گاتے ہوئے سنا وہ گا رہے تھے :

تضوع مسكا بطن نعمان إذ مشت

به زينب في نسوة خضرات

(نعمان کے پیٹ کی خوشبو چاروں طرف پھیل گئی جب زینب اسے باحیا عورتوں میں لے کر چلی گئی)۔

سعید بن مسیب نے پاؤں مارا، اور ارشاد فرمایا : خدا کی قسم یہ وہ شعر ہے جس کا سننا لذت بخشتا ہے، پھر بزبان خود گویا ہوئے :

وليست كأخرى أوسعت جيب درعها
أبدت بنان الكف فى الجمرات
وعلت بنان المسک وصفا مرجلاً
على مثل بدر لاح فى ظلمات
وفاضت ترائى يوم جمع فأفتنت
برؤيتها من راح من عرفات

(وہ دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہے کہ اپنا گریبان پھیلا دے اور تاریکیوں میں اپنی ہتھیلی ظاہر کرے۔ خوشبوں کی انگلیاں نمایاں ہوئی دھاری دار کپڑے کی طرح جس طرح تاریکیوں میں بدر کامل نمایاں ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)۔

عبد البر کہتے ہیں وہ لوگ ان اشعار کو سعید بن المسیب کی طرف سے منسوب کرتے ہیں، عبد البر کے نزدیک یہ اشعار نمیری کے نہیں ہیں، اس لئے کہ ہم لوگوں نے نمیری کے اشعار نقل کئے ہیں مگر ان میں یہ اشعار شامل نہیں ہیں، یہ سعید بن المسیب کے ہیں، نمیری کا نام محمد بن عبد اللہ ہے وہ قبیلہ بنو ثقیف کے ہیں قبیلہ بنو نمیر کے نہیں ہیں، اور ان کے (سعید بن المسیب) یہ اشعار زینب جو کہ حجاج کی بہن ہے کے بارے میں ہیں، اور اس واقعہ کو ابن الجوزی نے (تلبیس ابلیس) میں اور طبرانی اور سمعانی نے ''اوائل الذیل'' میں بیان کیا ہے۔

سالم بن عبد اللہ :

سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب کے بارے میں حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر نے اپنی سند سے جو عبد العزیز بن عبد اللطیف تک پہنچتی ہے فرمایا ہے مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ میں سالم بن عبد اللہ بن عمر کے پاس گیا تو اشعب انہیں ترنم سے یہ اشعار سنا رہے تھے۔

مغيرة كالبدر سنة وجهها

مطهرة الأثواب والعرض وافر

لها حسب زاک وعرض مهذب

وعن کل مکروه من الأمر زاجر

من الخضرات البيض لم تلق ريبة

ولم يستملها عن تقى الله شاعر

یہاں تک جب کلام مکمل ہوا تو سالم نے مزید سننے کی خواہش کی تو وہ پڑھنے لگے :

ألمت بنا والليل داج كأنه

جناح غراب عنه قد نفض القطرا

ففلت أعطار ثوىٔ فی رحالنا

وما احتملت ليلى سوى ريحها عطراً

خارجہ بن زیدؒ :

خارجہ بن زید بن ثابت سات بڑے فقہاء میں شمار ہوتے ہیں، اس سے پہلے ہم نے وہ روایت بیان کی ہے جسے صاحب ''الاغانی'' نے اپنی سند سے جو خارجہ بن زید تک پہنچتی ہے، روایت کی ہے کہ ہم سبھی لوگ ایک دعوت میں مدعو تھے اس میں ہم پہنچے اور حضرت حسان بن ثابتؓ بھی پہنچے اور وہ ہمارے چچا تھے ہم سبھی لوگ ایک ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گئے، جب کھانا سے فارغ ہوئے تو ہمارے پاس دو نغمہ سرائی کرنے والی باندی لائی گئیں ایک کا نام ربعہ تھا اور دوسری کا نام عزۃ المیلاء تھا دونوں بیٹھ کر باجا بجانے لگیں اور حضرت حسانؓ کا شعر گانے لگیں :

فلا زال قصری بين بصرى وجلق

عليه من الوسمى جود ووابل

اسی طرح اخیر تک پورا بالکل اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح التذکرۃ الحمدونیہ کے مصنف نے اور مبرد نے ''الکامل'' میں بیان کیا ہے، تو یہ حضرت خارجہ اور ان کے چچازاد بھائی

عبد الرحمن بن حسان دونوں ایک ساتھ اشعار سماعت فرمارہے ہیں جنہیں گانے والی خواتین ساز اور آواز کے ساتھ پیش کررہی ہیں۔

## قاضی شریح :

قاضی شریح کے متعلق استاذ ابومنصور بغدادی نے اپنی تالیف ''السماع'' میں نقل کیا ہے کہ طرز سے پڑھے جانے والے ہر نغمہ پر کان لگاتے تھے، اور یہ نغمے اپنی عظمت وجلالت کے باوجود گانے والی خواتین سے سنا کرتے تھے۔

## سعید بن جبیر :

رہی بات سعید بن جبیر کی تو حافظ محمد بن طاہر نے اپنی سند سے جو اصمعی تک پہنچتی ہے کا کہنا ہے کہ اصمعی کو عمر بن زائدہ نے اور عمر بن زائدہ کو عمرو بن اہم کی اہلیہ نے بیان کیا کہ ہمارا گزر ہوا اس حال میں کہ ہم لوگ سعید بن جبیر کے پہلو میں تھے اور ہمارے ساتھ ایک باندی تھی جو دف بجا کر یہ اشعار پڑھ رہی تھی :

لئن فتنتی فهی لا بأس أفتنت — سعیداً فأضحی قد قلی کل مسلم

وألقی مفاتیح القرائة واشتری — وصال الغوانی بالکتاب المخضم

سعید نے کہا تم جھوٹ بولتی ہو تم جھوٹ بولتی ہو! اس واقعہ کو فاکہانی نے تاریخ مکہ میں اور ابن سمعانی نے ''اوائل الذیل'' میں بیان کیا ہے، اور ان کی روایت اصمعی نے بیان کی ہے سعید نے نغمہ دف کے ساتھ سنا ہے اور باندی کے اس عمل کی مذمت نہیں کی، اور جب خاتون نے اس عمل کا تذکرہ کیا جو وقوع پذیر نہیں ہوا تھا تو اس نے اس کے قول کی نکیر کی نہ کہ اس عمل کی جبکہ سعید بن جبیر منکر کی مذمت میں سادگی پسندی اور زہد وتقوی میں سب سے آگے رہتے تھے۔

## عامر شعبی :

شعبی اپنے علم وعمل کے اعتبار سے بڑے تابعین میں شمار ہوتے ہیں، ان کے بارے میں استاذ ابومنصور نے یہ نقل کیا ہے کہ وہ آوازوں کو ثقیل اول (وہ آواز جس کا سننا بار خاطر ہو اور ثقیل دوم اور آگے کے درجات میں بھی تقسیم فرماتے تھے، حافظ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب ''صفوۃ التصوف'' میں لکھا ہے کہ اصمعی روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن زائدہ نے مجھ سے بیان کیا کہ عامر شعبی ایک باندی کے پاس سے گزرے جو اسوقت گا رہی تھی، شعبی کو اس کا طرز پسند آیا، جب اس باندی کی نظر شعبی پر پڑی تو وہ خاموش ہوگئی، تو شعبی نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا پڑھو پڑھو! اصمعی نے جن کی روایت لی ان میں یہ بھی ہیں، اور اس واقعہ کو ابن السمعانی نے ''اوائل الذیل'' میں اپنی سندوں سے بیان کیا ہے۔

## ابن ابی عتیق :

عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن بن ابوبکر جو ابن ابوعتیق کے لقب سے معروف ہیں، استاذ ابومنصور فرماتے ہیں : عبادت گزار فقیہ تھے، گانے والی خواتین کو گانے کی ٹریننگ دیتے تھے، زبیر بن بکار نے موافقات میں لکھا ہے طیبہ جو فاطمہ بنت عمر بن مصعب بن زبیر کی آزاد کردہ غلام تھی نے ہم سے ام سلیمان بنت نافع کے حوالے سے بیان کیا کہ ابن عتیق مدینہ میں ایک باندی کے پاس گئے اور اس سے ابن جریج کے اشعار گا کر پڑھتے سنا :

ذکر القلب ذکرہ أم زید
والمطایا بالشھب شھب الرکاب
وبنعمان طاف منھا خیال
یا لقومی من طیفھا المنتاب
عللتہ وقربتہ بوعد

ذاک منها إلی مشیب الغراب

بت فی نعمه وبات وسادی

بین کف حدیثة بخضاب

ابن عتیق نے اس سے دوہرانے کو کہا مگر اس نے انکار کر دیا، اس کے پاس سے نکلے اور پوری شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سواری پر سوار ہوئے اور مکہ آگئے، ابن شریح کو پکڑا اور انہیں غسل خانہ میں داخل کیا اور تیار کیا، پھر ان کو لے کر اس باندی کے پاس پہنچے اور فرمایا یہ بھی گاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ پہلے تم وہ اشعار مجھے سناؤ اور باندی سے کہا کہ تم بھی سنانا، باندی آمادہ ہوگئی تو انہوں نے سنانے کا حکم دیا تو انہوں نے وہ اشعار سنائے جنہیں زبیر نے ذکر کئے ہیں، اس باندی نے دوہرانے کی درخواست کی تو ابن ابوعتیق نے ابن شریح سے کہا کہ اپنے جوتے لو اور جاؤ کیا تم ابن شریح کو جانتی ہو؟ اور صاحب ''الاغانی'' نے اس کے بعد کا جملہ ذکر کر کے واقعہ کو مکمل کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ابن ابی عتیق کا نغمہ سننا ایک مشہور واقعہ ہے، اس میں رواۃ کی روایتوں میں جو صحیح سندوں سے ثابت ہیں کوئی اختلاف نہیں ہے وہ زہد وتقوی اور پاکدامنی سے متصف ہونے کے باوجود کھیل تماشا اور زندگی کو لذت بخشنے والی سرگرمیوں کے سلسلہ میں کھلا مزاج رکھتے تھے۔

## عطاء بن ابی رباح :

عطاء بن ابی رباح بڑے تابعین میں ہیں وہ باوجود اس کے کہ علم وتقوی عبادت اور سنن وآثار سے پوری واقفیت میں بلند مقام پر فائز تھے جیسا کہ ان کے بارے میں ابومنصور نے لکھا ہے وہ آوازوں کو ثقیل اول ثقیل دوم اور اس کے بعد کے درجات میں تقسیم کرتے تھے، بیہقی نے اپنی سند سے جو ابن جریج تک پہنچتی ہے فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے بیان کیا کہ میں نے عطاء سے شعر طرز سے پڑھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا : اس میں میرے نزدیک

جب تک اس میں بے حیائی شامل نہ ہو کوئی حرج نہیں ہے، اور ابن قتیبہ نے اپنی سند سے جو ابراہیم مخزومی تک پہنچتی ہے روایت کی ہے کہ مخزومی نے بیان کیا کہ میرے والد نے مجھے عطاء بن ابو رباح کے پاس ایک مسئلہ کے متعلق شرعی حکم دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا، میں ان کے پاس آیا تو انہیں دار العقبی میں موجود دیکھا جہاں وہ ایک زرد رنگ کی چادر اوڑھے تشریف فرما تھے، وہاں موجود لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ اے ابومحمد! اگر آپ مجھے اجازت دیدیں تو ہم عریض اور ابن سریج کو بلاتے ہیں انہوں نے فرمایا جو چاہو کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ان لوگوں نے ان دونوں کو بلایا وہ دونوں حاضر ہوئے اور گا کر اشعار سنائے عطاء ان دونوں کی آواز سے محظوظ ہوئے یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔

ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ گانا کے سلسلہ میں محمد بن ابراہیم کے نزدیک اختلاف ہے، انہوں نے ابن جریج اور عمرو بن عبیدہ کو اس مسئلہ کے متعلق بلایا اور وہ دونوں آئے تو انہوں نے ان دونوں سے پوچھا تو ابن جریج کا کہنا تھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، میں عطاء بن رباح کے پاس گیا تھا انہوں نے اپنے لڑکے کا ختنہ کرایا تھا اور ان کے پاس ابجر بیٹھا گا رہا تھا، جب وہ چپ ہوتا تب اسے گانے کو نہ کہتے اور جب گاتا تو اسے چپ رہنے کو نہیں کہتے اور جب غلطی کرتا تو اس کی اصلاح کرتے، عمرو بن عبید نے پوچھا ان دونوں فرشتوں میں سے گانا کو کون لکھتا ہے جو داہنے جانب مامور ہے وہ لکھتا ہے یا وہ جو بائیں جانب مامور ہے، ابن جریج نے فرمایا ان میں سے کوئی بھی نہیں لکھتا (مطلب یہ ہے کہ گانا کا شمار نہ سیئات میں ہوتا ہے اور نہ حسنات میں بلکہ یہ ایک مباح عمل ہے)۔

ابن عبدالبر نے اپنی سند سے جو جریج تک پہنچتی ہے روایت کی ہے کہ جریج کا کہنا ہے کہ میں نے عطاء سے حدی خوانی شعر و شاعری اور نغمہ سرائی کی بابت پوچھا تو جواب دیا اس میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ وہ بے حیائی کے مضامین پر مشتمل نہ ہو۔

محمد بن اسحاق فاکھانی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن احمد نے مجھ سے بیان کیا اور انہیں خلف بن سالم نے جو ابن صیفی کے آزاد کردہ غلام تھے بیان کیا اور انہیں عبدالرحمن بن عبدالحمید مخزومی نے اور انہوں نے اپنے چچا عیسی ابن عبدالحمید سے سنا کہ انہوں نے فرمایا عطاء نے اپنے لڑکے کے ختنہ کے موقع سے دارالاخنس میں کھانا پر مدعو کیا، جب لوگ کھا کر فارغ ہوئے تو عطاء منبر پر بیٹھ کر بقیہ کھانا تقسیم کرنے لگے اور دو گانے والے عرض اور ابن سریج کو بھی بلایا وہ دونوں گانے لگے، تو ان لوگوں نے عطاء سے عرض کیا ان دونوں میں کون اچھا گاتا ہے تو انہوں نے کہا کہ پہلے ایک بار دونوں گائیں تاکہ میں سنوں پھر کچھ کہوں ان دونوں نے دوبارہ گایا اور انہوں نے سماعت کی اور فرمایا ان دونوں میں سب سے اچھا وہ گاتا ہے جس کی آواز باریک ہے یعنی ابن سریج، اور زہری کے متعلق استاذ ابومنصور نے سماع نقل کیا ہے۔

## عمر بن عبدالعزیز :

عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اسحاق سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ان کے کانوں میں ایسی کسی طرح کی آواز پڑی ہی نہیں، اور اس سے پہلے وہ اس کے بادشاہ تھے، اپنی باندیوں سے سنتے اور انہیں داد دیتے اور بسا اوقات تالیاں بجاتے اور جھومتے ہوئے بستر پر لوٹتے اور اپنا پاؤں بھی بجاتے۔

زبیر بن بکار نے موقفیات میں لکھا ہے : میرے چچا نے مجھ سے بتایا کہ میں نے مدینہ میں لوگوں کو ایک ایسا کلام طرز سے پڑھتے ہوئے سنا جسے وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی جانب منسوب کر رہے تھے۔

**كأن قد شهدت الناس يوم تقسمت خلائقهم فاختزن منهن أربعاً**

**إعارة سمع كل مغتاب صاحب ويأتى بعيب الناس إلا تتبعاً**

**وأعجب من هاتين أنک تدعى ال سلامة من عيب الخليقة أجمعا**

وإنک لو حاولت فعل إساء ة فکوفیت إحسانا جحدتهم معاً

### سعد بن ابراہیم :

سعد بن ابراہیم کے بارے میں ابن حزم اور ابن قدامہ حنبلی وغیرہ نے نقل کیا ہے اور یہ سبھی حضرات جملہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔

## تابعین کے بعد جن حضرات نے غناء اور سماع کی اجازت دی :

### ابن جریج :

ان میں عبد الملک بن جریج ہیں، وہ حفاظ علماء اور عبادت گزار فقہاء میں شمار ہوتے ہیں، ان کی جلالت شان اور عدالت متفق علیہ ہے، نغمہ سنتے تھے اور نغمہ سرائی کے طرز سے بھی واقف تھے، ان کے بارے میں استاذ ابو منصور نے نقل کیا ہے کہ وہ موزوں کلام کے طرز پر غور کرتے اور جو ان میں ہلکا سخت اور ہموار لہجہ ہوتا اس کا فرق بیان کرتے۔

ابن قتیبہ نے ابن جریج کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ جمعہ کے لئے نکلتے اور مغنی کے پاس سے گزرتے تو اس کے دروازہ کے پاس کھڑے ہوجاتے جب وہ نکلتا تو اس کے ساتھ راستہ میں بیٹھ جاتے اور اس سے کہتے مجھے گا کر سناؤ تو انہیں ایسی آواز میں گا کر سناتا جن سے ان کے آنسو نکل جاتے پھر فرماتے گانا میں بعض ایسے ہیں جن سے جنت یاد آجاتی ہے۔

### امام ابوحنیفہؒ :

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ''التذکرۃ الحمدونیۃ'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ ان سے اور حضرت سفیان ثوریؒ سے گانا کے متعلق دریافت کیا گیا تو ان دونوں حضرات نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہ گناہ کبیرہ میں شمار ہوتا ہے اور نہ قابل مذمت گناہ صغیرہ میں، ابن عبد ربہ نے بھی ''العقد'' میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق نقل کیا ہے، اور پڑوسی کا وہ واقعہ تحریر کیا ہے

جس کی تفصیل ہم بعد میں ذکر کریں گے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ رشید کی اس محفل میں شریک ہوتے تھے جس میں نغمہ سرائی ہوتی، حافظ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے : امام ابوحنیفہؒ کے سلسلہ میں ان کے شاگردوں نے مجھ سے بیان کیا، جن میں کچھ لوگوں نے حفص بن غیاث کے حوالے سے بیان کیا ہے اور کچھ نے محمد بن الحسن عن ابی یوسف کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس گانے کا مسئلہ چھیڑا گیا اس پر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا ایک ایسا قرضخواہ ہو جو ہر وقت مجھ سے چمٹا رہے اور مجھے ایسی جگہ لے جائے جہاں سماع کا بازار گرم ہو اور میں اس سے مزے لے سکوں۔ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق امام ابو یوسفؒ کے سامنے گانے کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پڑوسی کا وہ واقعہ بیان کیا جس کی تفصیلات درج کی جاتی ہے، اور جسے ابن قتیبہ وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے کہ ان کا ایک پڑوسی تھا جو ہر رات گا کر یہ شعر پڑھتا :

أضاعونی وأی فتی أضاعوا

لیوم کریهة وسداد ثغر

(ان لوگوں نے مجھے کھویا اور مجھ جیسے بہت سے نوجوانوں کو جنگ اور سرحد کی حفاظت کے موقع سے کھویا)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اس سے یہ شعر سنتے رہتے تھے، ایک دن اسے غائب پایا تو اس کے متعلق دریافت کیا، تو یہ معلوم ہوا کہ ایک روز رات میں کسی غیر مناسب مقام پر پایا گیا تھا جس کی وجہ سے امیر عیسیٰ کے قید خانے میں قید کر دیا گیا ہے، امام صاحب نے اپنا عمامہ پہنا، اور امیر کا رخ کیا، اور ان سے اس کے متعلق گفتگو کی امیر نے پوچھا کیا آپ اس کا نام جانتے ہیں، امام صاحب نے فرمایا ان کا نام عمرو ہے، اس پر امیر نے کہا عمرو نام کے ہر شخص کو رہا کر دیا جائے، چنانچہ اس شخص کو رہا کر دیا گیا، جب رہا ہو کر وہ شخص باہر آیا تو امام صاحب نے فرمایا کیا ہم لوگوں نے تمہیں ضائع کر دیا؟ اس نے کہا کہ بلکہ آپ نے ہماری حفاظت کی،

خلاصہ یہ کہ آخر میں امام صاحب نے اس شخص سے اپنی سابقہ حالت یعنی گانا گانے کا سلسلہ جاری رکھنے کا حکم دیا۔

ابوعمر یوسف بن ہارون کندی نے جو رمادی کی نسبت سے مشہور ہیں اس واقعہ کی حافظ ابومحمد عبدالواحد بن علی تمیمی مراکشی جو ''المعجب فی أخبار أہل المغر ب'' کے مصنف ہیں کے بیان کردہ حصے پر اپنے قصیدہ میں تضمین فرمائی ہے، قصیدہ میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ امام صاحب پڑوس کے گانے کی آواز سنتے ایک رات یا دو رات اس کی آواز نہ سن سکے تحقیق کرنے پر معلوا ہوا کہ اسے جیل میں بند کر دیا گیا ہے، امام صاحب امیر کے پاس تشریف لے گئے تا کہ اس کی رہائی کی سفارش کرسکیں۔

ویحتم جاره عیسی بن موسی فلاقاه بإكرام وبشر

فقال : سجنت لي جاراً يسمى بعمرو قال : يطلق كل عمرو

(اوراس کے پڑوسی نے عیسی بن موسی کا رخ کیا،عیسی بن موسی نے گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا، تو امام صاحب نے عرض کیا کہ آپ نے عمرو نام کے میرے پڑوسی کو قید کرلیا ہے، تو امیر نے کہا کہ عمرو نام کے ہر شخص کو رہا کر دیا جائے)۔

یہ واقعہ اور قصیدہ دونوں اس بات کی دلیل ہیں کہ امام صاحب گانا سماعت کرتے اور گانے والوں کو اس سے روکتے بھی نہیں، لہذا گانا گانے کا عمل ان کے نزدیک مباح قرار پایا کیونکہ زہد وتقوی کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود ہر رات بغور سماعت کرنا اباحت پر محمول کئے جانے کا قرینہ ہے، اور اس کے برعکس جو روایت امام صاحب سے مروی ہے اس سے گندے مضامین پر مشتمل گانے مراد ہیں، اس طرح سے ان کے قول اور فعل دونوں میں تطبیق ہوجائے گی اور بظاہر جو تضاد نظر آرہا ہے وہ ختم ہوجائے گا، کیونکہ حرمت غناء کی روایت امام صاحب کے قول سے اقتضاءً ثابت ہے نہ کہ صراحۃً اور نہ ان کے قول سے حرمت غناء کا استدلال مکمل ہوتا نظر آتا ہے کیونکہ اس قول میں مزید کئی طرح کے احتمال کی گنجائش پائی جاتی ہے

جیسا کہ کمال افودی نے امام صاحب کی کتابوں کے طویل مطالعہ کی روشنی میں ''الامتاع'' میں تحریر کیا ہے۔

صاحب ہدایہ اور صاحب قدوری نے جو شہادت ( گواہی ) کے باب میں لکھا ہے کہ ''**ولا تقبل شهادة نائحة ولا مغنية**'' (نوحہ کرنے والی اور گانے والی خاتون کی گواہی قبول نہ ہوگی ) اور آگے مطلقاً لکھا ہے ''**ولا من يغني للناس** ''اور نہ اس آدمی کی گواہی قبول ہوگی جو لوگوں کو گا کر سناتا ہو'' اس سلسلہ میں میرا ماننا ہے کہ یہ لفظ کا تکرار ہے مضمون ایک ہے جیسا کہ پہلی عبارت میں نائحۃ کے بعد مغنیہ کے لفظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ لفظ مغنیہ اور مغنی یہ دونوں عرف میں اس شخص کے لئے استعمال ہوتے ہیں گانا بجانا جن کا ذریعہ معاش ہو، اور اس عبارت میں دراصل یہی مراد ہے مگر مؤنث کا صیغہ اس لئے ذکر کیا گیا تا کہ حدیث میں وارد الفاظ سے مطابقت ہو جائے ''لعن اللہ النائحات لعن اللہ المغنیات'' اور جیسا کہ سبھی جانتے ہیں مغنیہ کی صفت گانا گانے کی وجہ سے ہے نہ کہ عورت ہونے کی وجہ سے اور نہ غناء کا صفت تانیث کے ساتھ خصوصی لگاؤ ہے، کیونکہ جب کوئی حکم کسی اسم مشتق پر مرتب ہوتا ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشتقاق کی صفت میں حکم کی علت ہے نہ کہ کوئی دوسری خارجی چیز، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ غناء کا صدور جب عورت سے ہوگا تو اس کی شناعت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ اسے بلند آوازی سے اس عمل کو انجام دینا پڑتا ہے جو کہ حرام ہے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ گانا گانا کھیل کود کی غرض سے یا مال جمع کرنے کی غرض سے حرام ہے، اور اسمیں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، شیخ ابن ہمام نے اتنی ساری تفصیلات لکھنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے آپ کو سنانے کے واسطے اور وحشت واجنبیت دور کرنے کی خاطر گانا گانے کے مسئلہ میں ائمہ ومشائخ کا اختلاف رہا ہے، بعض مشائخ کراہت کے قائل ہیں اگر اشعار لہو ولعب کے مضامین پر مشتمل ہوں، اس سلسلہ میں حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی روایت سے استدلال کیا ہے کہ وہ اپنے بھائی حضرت براء

بن مالکؓ کے پاس حاضر ہوئے جو وقت کے بڑے متقی و پرہیز گار صحابیؓ تھے اس وقت وہ کچھ گا کر پڑھ رہے تھے، شمس الائمہ سرخسی بھی اسی کے قائل ہیں، بعض مشائخ کے نزدیک اس کی تمام صورتیں کراہت میں داخل ہیں اور شیخ الاسلام بھی اسی کے قائل ہیں اور براء بن مالکؓ کی حدیث ان مباح اشعار سے متعلق ہے جن کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور مباح کی قسم میں وہ اشعار بھی داخل ہیں جن میں عام خواتین کی عام نوعیت کی صفات کی بیان کی گئی ہوں، مگر وہ اشعار جن میں کسی خاص زندہ خاتون کی صفت بیان کی گئی ہو اس زمرہ سے خارج ہوں گے، لہذا اس تفصیل سے یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ ان اشعار کو ترنم سے پڑھنا درست نہیں ہے بلکہ حرام ہے جن میں ایسے مواد ہوں جنہیں الفاظ کے پیکر میں ڈھالنا درست نہیں ہے جیسے مرد و عورت کا ان صفات کے حوالے سے تذکرہ کیا جائے جنہیں بیان کرنا کسی اعتبار سے صحیح نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح شراب کی خوبیاں اس طرح بیان کی جائیں تاکہ دوسرے اس کی جانب راغب ہوں، یا پھر کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو کی جائے جبکہ شعر پڑھنے والے کا مقصد بھی ہجو ہی ہو، مگر شعر پڑھنے کی غرض کسی مثبت پہلو کا استدلال ہو یا شاعر کی فصاحت کا اندازہ لگانا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ لہو و لعب کی غرض سے اس طرح کے اشعار کا پڑھنا ممنوع ہے اور لہو و لعب کے ان تمام ذرائع کا حکم بیان کرنے اور ان کے تعلق سے پند و نصیحت کی غرض اس طرح کے اشعار پڑھنے سے مقصود ہو تو پھر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، معنی میں لکھا ہے کہ ایک نیک صفت شخص اگر ایسا شعر پڑھے جو بے حیائی پر مشتمل ہو تو اس کی عدالت مجروح نہیں ہوگی، ابن قدامہ کی ''مغنی'' میں تحریر ہے کہ لہو و لعب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک حرام جیسے آلات طرب دوسرے مباح جیسے نکاح کے موقع پر دف بجانا، اور اس کے ہم معنی وقتی و عارضی خوشی و مسرت کے دوسرے مواقع ان کے علاوہ دیگر تقریبات میں دف بجانا مکروہ ہے، محمد بن شجاع سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اس طرح کے اشعار ترنم سے پڑھتا ضرور ہو مگر خود کو ہی سناتا ہو دوسرے اس سے محظوظ نہ ہوتے ہوں، فرمایا اس طرز عمل سے اس کی شہادت پر کوئی

حرف نہیں آئے گا۔

## امام مالکؒ :

پھر ادفوی نے بیان کیا ہے کہ رہی بات حضرت امام مالکؒ کی تو ہم نے ابراہیم بن سعد کے قصے میں امام موصوف سے صادر ہونے والے طرز عمل پر روشنی ڈالی ہے کہ رشید نے ابراہیم بن سعد سے دریافت کیا کہ آپ تک اس سلسلہ میں حضرت مالک بن انسؒ کا کوئی قول موصول ہوا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا : نہیں اللہ کی قسم اس کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں ہے مگر میرے والد نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ بنو یربوع کی ایک دعوت میں چند سربرآوردہ حضرات کے ساتھ اکٹھا ہوئے اور امام مالکؒ اپنی فقاہت اور طاقت وقوت میں ان سے فروتر تھے وہ لوگ دف اور سارنگی بجاتے اور مستی کرتے اور امام مالکؒ کے پاس بھی ایک چوکور دف تھا جسے بجاتے اور ان حضرات کو یہ شعر گا کر سناتے :

سلیمی أزمعت بینا وأین لقاؤھا أینا؟

(سلیمی نے ہم سے تعلقات ختم کر لئے ہیں تو اب اس سے ملاقات کہاں ممکن رہی؟)

الأغانی اور التذکرۃ الحمدونیۃ کے مصنف نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے ایک شخص کو کچھ غلط گاتے ہوئے سنا تو اس شخص نے ان سے درخواست کی کہ صحیح کیا ہے بتا دیجئے؟ انہوں نے روشن دان سے اپنا سر باہر کیا اور صحیح پڑھ کر بلکہ گا کر بتلایا، اس شخص نے دہرانے کی درخواست کی تو امام صاحب نے فرمایا کہ تم بار بار اس طرح کی درخواست اس لئے کرتے ہو تا کہ میں یہ کہہ سکوں کہ میں نے اسے براہ راست امام مالک سے سیکھا ہے؟

ابوالقاسم قشیری استاذ ابومنصور اور قفال وغیرہ نے امام مالکؒ سے اباحت غناء کا قول نقل کیا ہے۔

میں نے مالکی مسلک کے فضلاء کی ایک جماعت سے دریافت کیا کہ کیا امام

مالکؒ سے حرمت غناء کے بارے میں کوئی قول صراحت کے ساتھ منقول ہے؟ تو ان حضرات کا کہنا تھا کہ نہیں بلکہ ان کے اس قول "إنه لا يصح بيع الجارية المغنية على أنها مغنية"، "وأنه إذا وجدها مغنية كان له امرء" (گانے والی باندی کی بیع اس شرط پر کہ وہ مغنیہ ملے تو اسے لوٹانے کا حق ہے) سے حرمت غناء مستنبط کیا گیا ہے، مگر حقیقت کے آئینے میں جائزہ لیں تو اس قول سے غناء کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ ان دو جملوں سے صرف اتنا ثاتب ہوتا ہے کہ باندی کی بیع حلال ہے مگر دوسری شرط کی بنا پر ناجائز ہے، کیونکہ وہ شرط قابو میں نہیں آسکتی اور شرعاً عوض کا مقابل بھی نہیں ہوسکتی، جیسا کہ سانڈ سے جفتی کروانا جائز ہے مگر اس صفت کی بناء پر بیع کرنا اور اجارہ کرنا درست نہیں ہے۔

قاضی عیاض نے "التنبیہات" میں اباحت غناء کے ساتھ دف بجائے جانے کی ممانعت کا قول بھی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر مباح چیز کی بیع جائز ہے رہی بات مبیع کے لوٹانے کی تو وہ عیب کی بنیاد پر ہوتا ہے، ابن رشد نے مقدمات میں امام مالکؒ کے متعلق مزید ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ہمخوابی کی باندی اور خدمت کی باندی کے درمیان فرق کیا ہے کیونکہ ہمخوابی کی باندی سے اولاد مطلوب ہوتی ہے اور خدمت کی باندی سے اولاد مطلوب نہیں ہوتی، ابن رشد نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور ابن المواز مبیع کے نہ لوٹائے جانے کا رد کیا ہے، صاحب بحر لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ باندی گویّا ہونے کی بنیاد پر لوٹانے کے قائل ہیں، مگر اگر غلام گویّا ہو تو اس کے لوٹانے کے قائل نہیں ہیں، اس لئے کہ غناء کی بنیاد پر باندی کی حفاظت کا امکان کم رہتا ہے، اور اگر غناء حرام ہوتا تو غلام بھی امام موصوف کے نزدیک لوٹانے کے قابل ہوتا، اگر ان تمام اقوال کو درست مان بھی لیں تو بھی ان سے صرف اتنا حکم ہی مستنبط ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے گانا حرام ہے اس وجہ سے نہیں کہ گانا بذات خود حرام ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ عورتوں کا گانا فتنہ وفساد کا سبب بن سکتا ہے جس کی وجہ سے سماج میں برائی کے پھیلنے کا امکان رہتا ہے، اس لئے ابن العربی مالکیؒ نے صراحت سے لکھا ہے کہ کسی بھی مرد

کے لئے اپنی باندی سے گانا سننا درست ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب اس مسئلے میں امام موصوف سے صراحۃً کوئی قول منقول نہیں ہے تو علماء نے جو کچھ بھی ان کے اقوال سے مستنبط کیا ہے وہ صراحت کے ساتھ حرمت وحلت پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ ان میں کسی نہ کسی طرح سے دوسرا احتمال باقی رہتا ہے، اور امام موصوف سے سند کے ساتھ جو یہ منقول ہے کہ ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اسے فساق سنتے ہیں، یہ بھی قابل احتمال ہے، اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ جائز نہیں ہے یہ دراصل ان نغموں سے متعلق ہے جن میں گندے مضامین شامل ہوتے ہیں، اس توجیہ سے ان روایتوں کے درمیان جوان سے صراحت سے منقول ہیں تطبیق ہوجائے گی، اور ''**انما یسمعه الفساق**'' کہ گانا تو فاسق لوگ سنتے ہیں، اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ ہم اپنے زمانے کے گانا سننے والے جن لوگوں سے واقف ہیں ان کے عادات واطوار اس طرح کے ہوتے ہیں، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس جملہ سے حرمت غناء کا اظہار کیا ہے، جیسے کوئی خاتون کہے سمندر میں سیر وسیاحت کرنے والوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ کہیں کہ یہ کام تو اس زمانہ میں عیاش ذہنیت کے لوگ کرتے ہیں تو اس سے سمندر کی سیر وسیاحت کی حرمت ثابت نہیں ہوگی، ابن العربی فرماتے ہیں کہ ہمارے سارے علماء اس مسئلے میں اس کے قائل ہیں کہ جب بیع ہوجائے گی تو اسے فسخ کردیا جائے گا اگر بیع حرام ہوتی تو علماء کرام فسخ بیع کے قائل ہی نہ ہوتے۔

## امام شافعیؒ :

امام شافعیؒ کے بارے میں امام غزالیؒ نے ''الاحیاء'' میں تحریر کیا ہے گانا گانا اور سننا دراصل ان کے مسلک میں حرام نہیں ہے، امام مذکور نے صراحت کے ساتھ اس شخص کے بارے میں جو گانے بجانے کو پیشہ کے طور پر اختیار کرتا ہے لکھا ہے کہ اس کی گواہی درست نہ

ہوگی، کیونکہ یہ ایک ایسا مکروہ عمل ہے جو بے فائدہ کام کے مشابہ ہے، اور جو اسے پیشہ کے طور پر اختیار کرلے گا اسے احمق سمجھا جائے گا اور سماج میں اس کی حیثیت عرفی بھی مجروح ہوگی، گرچہ یہ کام پوری طرح حرام نہیں ہے اور اگر کوئی شخص گویّا کی حیثیت سے متعارف نہ ہو نہ اس کے واسطے مدعو ہوتا ہو اور نہ اس کام کے لئے اس کو دعوت دی جائے اس کی آمادگی ظاہر کرتا ہو، بلکہ صرف اس اعتبار سے معروف ہو کہ اس پر کبھی مستی غالب آتی ہے تو وہ ترنم سے پڑھ کر سنانے لگتا ہے اس سے نہ اس کی حیثیت عرفی متاثر ہوگی اور نہ اس کی گواہی مسترد ہوگی، استدلال میں انہوں نے وہ حدیث پیش کی ہے جس میں حضرت عائشہؓ کے گھر میں دو باندیوں کے گانے کا تذکرہ ہے۔

یونس بن عبد الاعلیٰؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ سے اس بابت دریافت کیا کہ اہل مدینہ سماع کو مباح سمجھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے علماء حجاز میں کسی فرد کے بارے میں یہ علم نہیں کہ وہ سماع کو مکروہ سمجھتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ ایسے اوصاف کے تذکرے پر مشتمل ہو جو بیہودہ شمار کئے جاتے ہیں، اور اگر حدی خوانی ہو کھنڈرات اور ٹیلوں کا بیان ہو تو مباح ہے۔ اور امام صاحب کا یہ کہنا کہ "إنه لهو مكروه يشبه الباطل" یہ ایک ناپسندیدہ کام ہے جو بے فائدہ عمل کی مانند ہے ) لہو کی تعبیر درست ہے مگر لہو سے وہ لہو مراد نہیں ہے جو حرام ہوتا ہے کیونکہ اہل حبشہ کا کھیل کود اور ان کی اچھل کود جسے آنحضرت ﷺ بذات خود مشاہدہ فرماتے تھے مگر اسے ناپسند نہ فرماتے، بلکہ لہو ولغو عمل پر منجانب اللہ گرفت بھی نہیں ہوتی، اور اگر لہو سے لایعنی عمل مراد لیا جائے تو بھی اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ کوئی شخص اگر اپنے آپ کو اس کا پابند بنالے کہ وہ ایک دن سے سو مرتبہ اپنے سر پر ہاتھ رکھے گا تو اس کا یہ عمل عبث تو سمجھا جائے گا مگر حرام نہ ہوگا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے :"لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم" (سورہ بقرہ: ۲۲۵) (اللہ تعالی تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم کو نہیں پکڑتا)۔

جب کسی شیئ پر قسم کے انداز میں ذات باری تعالی کا نام بلاارادہ لینا قابل مواخذہ

نہیں ہے تو پھر اچھل کود اور شعر و شاعری پر مواخذہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ "**یشبه الباطل**" سے امام صاحبؒ کا حرمت کا قائل ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اگر "**هو باطل صريحا**" کہتے تب بھی حرمت ثابت نہ ہوتی، صرف اس عمل کا بے فائدہ ہونا ثابت ہوتا کیونکہ باطل سے مراد بے فائدہ عمل ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "**بعت نفسي منک**" (میں نے تم سے خود کو بیچ دیا)، اور وہ جواب میں کہے کہ میں نے خرید ا تو یہ عقد باطل ہوگا یعنی فائدہ سے خالی ہوگا حرام نہیں ہوگا اگر چہ اس جملہ کا مقصد آپس کی لطف اندوزی اور خوش گپی ہو، مگر اگر وہ بیع سے ثابت ہونے والی تملیک حقیقی مراد لے تو یہ شرعاً ممنوع ہے۔

رہی بات یہ کہ امام موصوف نے "مکروہ" کہا اس سے بعض مواقع پر جن کا اس سے پہلے اظہار کیا گیا ہے حرام مراد ہوتا ہے یا پھر مکروہ تنزیہی مراد ہوتا ہے، امام موصوف نے شطرنج کھیلنے کو مباح قرار دیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ مباح ہونے کے باوجود میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کیونکہ یہ اور اس طرح کے دوسرے کھیل دیندار اور شریف لوگ نہیں کھیلتے، جس کی بنا پر یہ عمل تنزیہی سمجھا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کھیل کا پابند ہو جاتا ہے تو اس کی گواہی غیر معتبر سمجھی جاتی ہے، اس کے باوجود اس کھیل کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ بازار میں سرعام کھانے سے اور ہر اس عمل کے کرنے سے جس سے شرافت مجروح ہوتی ہے گواہی رد ہو جاتی ہے، اسی طرح بنگری مباح کام ہے، مگر شرفاء کا کام نہیں ہے اور گواہی ہر کمتر درجے کے پیشوں سے جڑنے کی وجہ سے رد ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک تنزیہی عمل ہے، اور امام شافعیؒ کے علاوہ دیگر بڑے ائمہ کا بھی یہی کہنا ہے اور اگر وہ حضرات کراہت سے حرمت مراد لیتے ہیں تو ایسی صورت میں ہم نے جو تفصیلات ذکر کی ہے وہ ان کے خلاف دلیل بن سکتی ہیں۔

## امام احمد بن حنبلؒ :

امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں ابو الوفاء بن عقیل نے اپنی کتاب "الفصول" میں لکھا ہے کہ امام موصوف کے بارے میں یہ روایت صحیح ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ صالح

سے گانا سنا، اور ابوحامد فرماتے ہیں کہ ان کا یہ عمل ان کی طرف مسلک کی حیثیت سے ان کے اقوال کی طرح منسوب کیا جاتا ہے، انہوں نے امام موصوف کا یہ عمل ان کے شاگردوں کی ایک جماعت کے حوالے سے نقل کیا ہے، ابوبکر خلال اور ان کے شاگرد عبدالعزیز نے امام احمدؒ سے منسوب کراہت غناء کے قول کو ایسے گانے پر محمول کیا ہے جس کے مضامین کراہت کے متقاضی ہوں، مقنّع کے شارح فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے صالح کے پاس ایک گویّا کو گاتے ہوئے سنا مگر انہوں نے نکیر نہیں فرمائی تو ان سے ان کے صاحبزادہ نے کہا والد محترم کیا آپ اس پر نکیر نہیں فرماتے، یا اسے ناپسند نہیں کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہ گانے کے ساتھ برائی کو بھی انجام دیتے ہیں، ابن جوزی نے اس سے جو استنباط کیا ہے وہ لائق اعتبار نہیں ہے، اور جہاں تک گانے والی باندی کی بیع کی ممانعت کا معاملہ ہے تو اس پر امام مالکؒ کے باب میں کلام کیا جا چکا ہے، اور اگر گانا گانے کو مخنث اپنی کمائی کا ذریعہ بنالے تو کیا اس سے بھی گانا کی حرمت ثابت ہو جائے گی؟ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ مخنث کی کمائی گانا سے ہوتی ہے تب بھی اس سے گانا کی حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ ان علماء میں سے زیادہ تر حضرات نے جو گانا کی اباحت کے قائل ہیں اس پر اجرت لینے کو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے، اور ایسا اس لئے بھی ممکن ہے کہ ایک شیئ بذات خود جائز ہوتی ہے مگر دوسری وجہ سے اس کا عوض لینا ممنوع ہوتا ہے، اور حرمت غناء کو امام موصوف کے مقتضائے کلام سے کیسے مستنبط کرنا صحیح ہوسکتا ہے جبکہ ان کا عمل ان کے قول کے برعکس ہے، اس لئے بعض حضرات نے غناء کی ممانعت والے قول کی یہ توجیہ کی ہے کہ ممانعت منکر پر مبنی کلام سے متعلق ہے، اور ابن الجوزی کا یہ کہنا کہ امام موصوف کے قول وعمل کو ان لغو قصائد پر محمول کیا جائے گا جو ان کے زمانہ میں پڑھے جاتے تھے، ایک طرح کی تعجب خیز بات ہے، کیونکہ اس جگہ گفتگو دراصل نفس غناء کی حرمت واباحت کے بارے میں ہورہی ہے نہ کہ اس سے متعلق مضامین ومعانی سے، اور پڑھے جانے والے وہ اشعار جو گندے مضامین پر مشتمل

ہوں ان کے عدم جواز کے سلسلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ عدم جواز نفس غناء سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس سے متعلق کسی خارجی سبب سے ہے، اور ہمارے علم میں کوئی ایسا فقیہ نہیں ہے جو کمتر درجہ کے قصیدوں کو خوش آوازی سے پڑھنے کو جائز سمجھتا ہو، حقیقت یہ ہے کہ ابن جوزی پر وعظ وروایت غالب رہتی ہے، اس لئے انہوں نے اس طرح کی توجیہ کی ہے، اور بحث وتحقیق کے میدان میں مہارت رکھنے والے فقیہ کی کچھ اور ہی بات ہوتی ہے۔

## اسحاق موصلی :

اسحاق موصلی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو آلات طرب کے ذریعہ گانا گانے کو جائز سمجھتے ہیں، اور نہ صرف یہ کہ جواز کے قائل تھے بلکہ اس فن میں بلا کی مہارت رکھتے تھے، یہاں تک کہ بہت سے لوگ انہیں اس فن کا امام کہا کرتے تھے، اسحاق بن ابراہیم موصلی اسلامی تہذیب کے بڑے واقف کاروں میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

حافظ ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسحاق بن ابراہیم حافظ حدیث تھے کئی علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی، وقت کے بڑے امام تھے، ابومحمد اسحاق بن ابراہیم بن ہمون تمیمی موصلی انکا پورا نام تھا، میوزک، اچھی شاعری، ادبی تصنیفات میں بے مثال لیاقت کے حامل تھے، فقہ ولغت، جنگ وجدال کے واقعات اور حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔

صاحب کتاب نے اسحاق بن ابراہیم کے متعلق ان کے اساتذہ، شاگردوں کے حالات، ان کی زندگی کے بعض واقعات اور اس وقت کے علماء کرام نے ان کے متعلق جو مثبت اظہار خیال کیا تھا اسے قلمبند کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہ اس چیز کو ناپسند کرتے تھے کہ انہیں گانے کے حوالے سے یاد کیا جائے، اس لئے وہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے سر پر کوڑا ماروں یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ مجھے گویّا کہہ کر پکارا جائے۔

مامون کہتے تھے کہ اگر اسحاق کی شہرت گویّا کی حیثیت سے نہ ہوتی تو میں اسے

منصب قضاء پر فائز کر دیتا۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ اسحاق نے یحییٰ بن خالد سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے لئے سفیان بن عیینیہ سے بات کریں کہ وہ مجھ سے احادیث بیان کریں، تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جب وہ آئیں تو آپ مجھے یاد دلائیں، اسحاق کہتے ہیں کہ جب وہ آئے تو میں نے یحییٰ کو اشارہ کیا، وہ عرض گزار ہوئے کہ اے ابومحمد اسحاق بن ابراہیم علم وادب سے آراستہ و پیراستہ ہیں، اور جو انہوں نے سیکھ رکھا ہے یعنی گانے بجانے کا ہنر اس پر وہ اپنے کو مجبور سمجھتے ہیں، اس پر سفیان بن عیینہ نے عرض کیا کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ تو انہو ں نے کہا کہ آپ ان سے احادیث بیان کیجئے، یہ سن کر سفیان بن عیینہ نے یحییٰ سے پوچھا تب تو آپ اسے ناپسند کریں گے تو ان کا جواب تھا کہ میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس طرح کا کام جو میں نے کیا سو کیا اب آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا، سفیان نے درخواست قبول کر لی اور مجھے صبح سویرے آنے کو کہا، میں نے یحییٰ سے کہا کہ آپ ان سے یہ بھی طے کرا لیجئے کہ وہ روزانہ کتنی حدیثیں بیان کریں گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ کچھ طے کر دیجئے اس پر انہوں نے کہا کہ میں نے پانچ روایتیں طے کر دی، یحییٰ نے کہا کہ بڑھا دیجئے تو انہوں نے کہا میں نے سات کر دی، تو یحییٰ نے کہا آپ دس کر سکتے ہیں کہا کہ ہاں، اسحاق کہتے ہیں کہ میں صبح سویرے ان کے پاس گیا ان سے اجازت لی حاضر ہوا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا اپنی کتاب نکالی اور مجھے دس احادیث املا کرائی، جب فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ اے ابومحمد محدث سے کبھی سہو ہو جاتا ہے اس طرح محدَّث جس سے حدیث بیان کی جاتی ہے اس سے بھی سہو ہو جاتا ہے، میں نے یہ بھی کہا کہ پڑھنے والے سے بھی ایک حرف چھوٹ جاتا ہے اسی طرح جس پر پڑھا جاتا ہے اس سے بھی چھوٹ جاتا ہے تو کیا مجھے اس کی اجازت ہوگی جو کچھ میں آپ سے سنوں سب کو روایت کر سکوں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے تم کو اجازت دی، تم بخدا اس سے بڑھ کر ہو کہ تم سے سفارش کروائی جائے یا تمہارے لئے سفارش کی جائے، اسی طرح تم روزانہ میرے پاس آتے

رہو، میری یہ تمنا ہے کہ حدیث کے تمام طلبہ تمہاری ہی طرح باذوق ہو جائیں۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند سے اسحاق کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانہ تک روزانہ ہشیم اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین کے پاس رات کے بالکل اخیر حصے میں جاتا اور ان سے حدیثیں سنتا، پھر کسائی، یا فراء یا ابن غزالہ کے پاس جاتا اور انہیں قرآن کریم کا ایک پارہ پڑھ کر سناتا، پھر ایک معروف طبلچی منصور کے پاس آتا اور وہ میرے واسطے دو تین نغمے ساز و آواز کے ساتھ سناتے پھر عاتکہ بنت شہدہ کے پاس آتا اور ان سے بھی ایک دو طرز سیکھ لیتا پھر لوٹ کر اپنے والد کے پاس جاتا اور ان کو جو کچھ کرتا جن سے ملتا، جو کچھ حاصل کرتا اور جس کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتا یہ ساری تفصیلات بتاتا، اور جب رات کا کھانا کھا لیتا تو امیر المومنین رشید کے پاس چلا جاتا۔

موصلی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم ہوگ رشید کے ساتھ رقہ شہر گئے تو اصمعی نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے اپنے ساتھ کتنی کتابیں اٹھا رکھی ہیں؟ کہنے لگے کہ تم نے کم کتابیں لی ہے، تو میں نے آٹھ گھٹر انیس صندوق اٹھالی اس پر ان کا کہنا تھا حیرانی کی بات ہے، میں نے پوچھا آپ کے ساتھ کتنی کتابیں ہیں؟ کہنے لگے کہ میرے پاس صرف ایک صندوق ہے تو میں نے عرض کیا بس اتنا ہی؟ تو ان کا جواب تھا کہ سچ تو یہ ہے کہ تم ایک ہی صندوق اٹھائے ہوئے ہو۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند سے ابن محمد کندی کے حوالے سے لکھا ہے کہ محمد بن عطیہ عطوی شاعر نے ان سے بیان کیا کہ وہ یحییٰ بن اکثم کی ایک مجلس میں حاضر تھے وہاں لوگوں کا جماوڑا ہوتا تھا، اس مجلس میں ان کی ملاقات اسحاق بن ابراہیم موصلی سے ہوئی تو اہل کلام سے مناظرہ کرنے لگے، یہاں تک کہ ان پر غالب ہو گئے، پھر فقہ میں لب کشائی کی تو اس میں بھی قابل تعریف کردار کے مالک ثابت ہوئے، غیر منصوص مسئلہ کو منصوص مسئلہ پر قیاس کیا اور حکم کا استدلال کیا، شاعری اور لغت کے موضوع پر گویا ہوئے تو حاضرین پر فائق رہے، یحییٰ بن اکثم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اللہ تعالی قاضی کو سربلند رکھے، کیا جس مسئلے میں میں نے ان

سے مناظرہ کیا یا بحث کی اس میں میری جانب سے کسی طرح کی کمی کا احساس ہوا؟

یحییٰ نے کہا نہیں، تو پھر اب کیا ہے کہ میں ان تمام علوم کا حق ادا کرتا ہوں اور صرف ایک ہی علم کی جانب منسوب ہوتا ہوں، یعنی فن غناء اور موسیقی ہی سے میری وابستگی کا اظہار کیا جاتا ہے، عطوی کہتے ہیں کہ میں یحییٰ بن اکثم کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ اس سوال کا جواب آپ دیں گے، کیونکہ اہل مناظرہ میں میرا شمار بھی ہوتا رہا ہے، میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالی قاضی کو سربلند رکھے اس کا جواب مرے ذمہ ہے، پھر میں نے اسحاق کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا اے ابو محمد کیا نحو میں آپ فراء واخفش کی طرح ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں، میں نے پوچھا کیا آپ علم شاعری اور علم لغت میں اصمعی اور ابوعبیدہ کی مانند ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں، میں نے کہا کہ کیا آپ علم الانساب میں کلبی اور ابوالیقظان کی طرح ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں، میں نے کہا کہ علم کلام میں کیا آپ ابوالہذیل اور نظام کی مانند ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں، میں نے پوچھا کہ کیا آپ فقہ میں قاضی کی طرح ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں، میں نے پوچھا کہ کیا آپ شعر کہتے ہیں ابوالعتاہیہ اور ابونواس کی طرح ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں، ان تمام تر سوالات اور ان کے جوابات سننے کے بعد میں نے عرض کیا کہ انہی وجوہات کی بناء پر آپ کو صرف ایک فن کے ماہر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے کیونکہ اس فن میں آپ کا کوئی نظیر نہیں ہے، اور اس فن کے علاوہ دیگر فنون میں ان فنون کے ماہرین کے مقابلے میں کمتر ہیں اس لئے ان فنون وعلوم کے حوالوں سے آپ کو یاد نہیں کیا جاتا، یہ سن کر ہنسنے لگے اور اٹھ کر اپنی منزل کی طرف راہ یاب ہوئے، یحییٰ بن اکثم نے مجھ سے کہا کہ آپ نے دلیل پیش کرنے میں حق ادا کر دیا گرچہ اس میں اسحاق کے حق میں تھوڑی زیادتی ضرور ہوئی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ زمانہ میں ان جیسے لوگ بہت کم ہیں۔

## سفیان بن عیینہ :

سفیان بن عیینہؒ کے بارے میں ان کے شاگرد زبیر بن بکار نے موفقیات میں نقل کیا ہے کہ جب ابن جامع کثیر مقدار میں مال لے کر مکہ آئے تو سفیان نے اپنے شاگردوں سے

پوچھا کہ کس کام پر ابن جامع کو اس قدر مال دیئے جاتے ہیں، تو شاگردوں نے جواب دیا گانا گانے پر پوچھا کہ گانے میں وہ کیا پڑھتے؟ جواب دیا گیا وہ پڑھتے ہیں :

أطوف بالبيت مع من يطوف
وأرفع من مئزری المسبل

(میں طواف کرنے والوں کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کرتا ہوں اور ٹخنے سے نیچے لٹکنے والے ازار کو اٹھائے رکھتا ہوں)۔

سفیان نے فرمایا کہ یہ تو سنت ہے، اس کے بعد کیا پڑھتے ہیں؟ تو شاگردوں نے کہا کہ وہ پڑھتے ہیں :

وأسجد بالليل حتى الصباح
وأتلو من المحكم المنزل

(میں رات میں سجدہ کرتا ہوں یہاں تک کہ صبح صادق ہوجاتی اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتا رہتا ہوں)۔

یہ سن کر سفیان کا کہنا تھا ان کا یہ بہت ہی اچھا عمل ہے، اس کے بعد وہ کیا پڑھتے ہیں، شاگردوں نے کہا کہ درج ذیل شعر پڑھتے ہیں :

عسى فارج الهم عن يوسف يسخر لى ربة المحمل

(امید ہے کہ یوسف کے غم کو کافور کرنے والی ذات عالی مرتبت ہودج کی ملکہ کو میرے قابو میں کردے)۔

سفیان نے کہا کہ اس احمق نے بہت ہی غیر معقول بات کہی، ''اللہ تعالی اسے اس کے قابو میں نہ کرے''۔ اسی ترتیب سے اس واقعہ کو ماوردی نے ''حاوی'' میں اور مبرد نے ''الکامل'' میں بیان کیا ہے مگر صرف اتنا اضافہ نقل کیا گیا ہے کہ جب اس نے تیسرا شعر سنا تو اشارہ میں خاموشی اختیار کرنے کو کہا، اور کہا کہ بہتر ہے درست ہے، اس تفصیل سے یہ حقیقت

ثابت ہوتی ہے کہ سفیان بن عیینہ کے نزدیک بھی گانا بجانا جائز ہے کیونکہ انہوں نے اول مرحلہ میں تحسین کی اور اخیر میں ناپسندیدگی کا اظہار اس لئے کیا کہ طواف کے دوران ہودج کی ملکہ کا ذکر آ گیا جو ہر اعتبار سے قابل مذمت ہے۔

جہاں تک عبدالعزیز بن مطلب قاضی کی بات ہے تو امام مسلم نے اور ترمذی وغیرہ نے ان سے جواز غناء کا قول نقل کیا ہے، اور امام بخاریؒ نے اس قول سے اپنے مدعا پر استدلال کیا ہے، اور اس سے پہلے ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ وہ گانا گاتے تھے اور کس طرح گانا گاتے تھے یہ تفصیل سالم بن عبد اللہ بن عمر کے تذکرے میں درج ہے، زبیدی اِحیاء کی شرح میں فرماتے ہیں، پھر ادفوی نے متأخرین کی ایک ایسی جماعت کا تذکرہ کیا ہے جو سماع کے جواز کے قائل تھی، جیسے قاضی ابوبکر باقلانی، ابوعبد اللہ بن مجاہد، ابوعلی ثقفی، ابوبکر بن اسحاق، ابونصر سندی، حاکم بن عبد اللہ، شیخ تاج الدین فزاری، عز بن عبد السلام اور ابن دقیق العید، اور ان حضرات سے منقول عبارتیں پوری طوالت کے ساتھ ذکر کی ہے، اگر وہ ساری اصل عبارتیں اس جگہ بھی نقل کی جائیں تو کتاب ضخیم ہوجائے گی، اور عنقریب حسب موقع دوران سیاق ان حضرات کی عبارتیں نقل کی جائیں گی۔

مذکورہ منقولہ اقوال پر اگر کسی طرح کا اعتراض کیا جاتا ہے تو اس سے حرمت غناء کے قائل حضرات کو خاص فائدہ ہونے والا نہیں، اس لئے کہ ان میں بعض اقوال ایسے ہیں جن پر اعتراض کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، یہ اقوال ثقہ رواۃ سے مروی ہیں، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے اس طرح کے اقوال امام شوکانیؒ کے حوالے سے نقل کی جنہوں نے یہ سارے اقوال امت کے بڑے علماء چاہے وہ جس مسلک کے پیروکار ہوں یا جس مکتب فکر سے وابستہ ہوں سے نقل کئے ہیں، وللہ الحمد۔

## ۴۔ حلت غناء مقاصد شریعت کی روشنی میں

وہ علماء جنہوں نے غناء اور آلات غناء کی اجازت دی ہے انہوں نے اپنے مدّعا کو ثابت کرنے کی خاطر مقاصد شریعت اور اسرار شریعت سے بھی استدلال کیا ہے، جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں کہ شرعی احکام ۔ معاملات اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے باب میں نصوص سے مستنبط ہونے والے مفہوم وعلت پر مبنی ہیں، گویا اس نوعیت کے شرعی احکام اس طرح معقولیت سے ہم آہنگ ہیں کہ قلب ودماغ ان سے پوری طرح مطمئن نظر آتے ہیں، جیسا کہ بوصیری نے نبی کریم ﷺ کی شان میں نعت ومنقبت پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

لم يمتحنا بما تعيا العقول به

حرصاً علينا فلم نرتب ولم نهم

(آپ ﷺ نے ہماری محبت میں عقلوں کو حیران کردینے والے مسائل کے ذریعہ ہمیں آزمائش میں مبتلا نہیں کیا، اس لئے ہمیں نہ ان مسائل کو ثابت کرنے کی ضرورت پڑی اور نہ ہم نے ایسا ارادہ کیا)۔

اور ایسا اس لئے ہے کہ اس دین کی بنیاد جس ذات عالی مرتبت پر ہے اس کی صفات حسنہ میں ایک صفت حکیم ہے، چنانچہ اس کی پیدا کردہ ہر مخلوق میں اس کے جاری کردہ احکام میں یہ حکمت نمایاں نظر آتی ہے، لہذا وہ ایسی مخلوق کے اعتبار سے بھی حکیم ہے اور اپنی جانب سے دیئے گئے احکام کے اعتبار سے بھی حکیم ہے، کیونکہ اس کی پیدا کی ہوئی کوئی بھی شئی حکمت سے خالی نہیں ہوسکتی اور نہ لغو وعبث ہوسکتی ہے، اس کے برعکس کوئی مسئلہ اگر حکمت سے خالی ہو اور لغویات پر مبنی ہو اگر اس میں انسانی مفاد کی رعایت نہ بلکہ انسانی زندگی کی تخریب کاری کا عنصر

شامل ہوتو اسے شرعی مسئلہ نہیں کہا جائے گا گرچہ بزور تاویل شریعت کے دائرہ میں لانے کی کوششیں کی گئی ہو، جیسا کہ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شریعت کا ہر حکم حکمت وعلت پر اس طرح مبنی ہوتا ہے کہ علت اگر معلوم ہے تو شریعت کا علم ہوگا اور اگر علت معلوم نہیں ہے تو شریعت بھی معلوم نہ ہوگی۔

یہاں تک کہ قرآن کریم بھی بذات خود عبادات کے احکام کی علت بیان کی ہے نماز کا حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ برائی اور بے حیائی کے کام سے روکتی ہے، "**تنھی عن الفحشاء والمنکر**" زکاۃ ادا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ زکاۃ مال والوں کے دل ودماغ کو پاک صاف کردیتی ہے، "**تطھرھم وتزکیھم بھا**" روزے کا مکلف اس لئے بنایا گیا کہ روزہ دار متقی ہوجائے "**لعلّکم تتقون**"، حج کرنے کا حکم اس لئے کہ دیا گیا تاکہ اپنے نفع کو دیکھ سکیں اور اللہ کا نام لیں "**لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ**"۔

مگر عبادات کے کچھ پہلو ایسے ہیں جو منجانب اللہ بندوں کے امتحان کے پیش نظر علت وحکمت سے بالاتر ہیں جیسے نماز کے اوقات، رکعتوں کی تعداد، ایک رکعت میں رکوع کا ایک بار کرنا اور سجدوں کا دوبار کرنا، اسی طرح حج کا طواف سعی اور رمی جمار وغیرہ جیسے احکام کی منطقی علت پروردگار عالم کی طرف سے ہی مخفی رکھی گئی ہے۔

مگر روزمرہ پیش آنے والے مسائل اور زندگی کے دیگر مسائل کے احکام کی علت کے نقطہ نظر سے جاننا ہر طرح سے ایک واضح اور آسان عمل ہے اس لئے ان مسائل میں جمہور ائمہ کے نزدیک قیاس کا اعتبار کیا جاتا ہے، اسی طرح محققین علماء امت کے نزدیک استحسان اور استصلاح سے بھی کام لیا جاتا ہے۔

اس لئے امام شاطبیؒ نے موافقات میں ایک اہم قاعدہ وضع کیا ہے عبادات میں اصل تعبد ہے یعنی ظاہری حکم جو نصوص سے مستنبط ہوا سے اس کی حکمت جانے بغیر قبول کیا جائے

اور معاملات اور روزمرہ کے مسائل میں حکم شرعی دریافت کرتے وقت شریعت کی نظر میں مقصود علت وحکمت پیش نظر رہنی چاہئے، کیونکہ ان دونوں طرح کے مسائل اپنے مزاج کے لحاظ سے باہم متفاوت ہیں، امام موصوف نے دونوں مسائل کے درمیان پائے جانے والے اس فرق کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

مقاصد شریعت کے نقطہ نظر سے اس سلسلہ کا سب سے واضح پہلو وہ ہے جسے کسی شئی کو حرام قرار دینے میں ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے اس امت کے لئے کسی پاکیزہ شئی کو حرام نہیں بنایا اور نہ ناپاک شئی کو حلال بنایا۔

بنی اسرائیل کے لئے بعض پاکیزہ چیزیں ان کے ظالمانہ کردار، سودی لین دین جس سے انہیں روکا گیا تھا اور ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کی وجہ سے بطور سزا حرام کردی گئیں۔

جب آنحضرت ﷺ بطور نبی مبعوث ہوئے تو اہل کتاب کی کتابوں میں آپ ﷺ کی رسالت کا عنوان اس طرح بتایا گیا کہ "**يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم إصرهم والأغلال التي كانت عليهم**" (الاعراف: ۱۵۷) (وہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور ان کے واسطے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیں گے اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہرائیں گے اور ان سے ان طوق وسلاسل کو اتار پھینکیں گے جو ان پر پڑے ہوئے تھے)۔

چنانچہ اسلام میں کوئی چیز حرام نہیں الّا یہ کہ وہ ناپاک ہو نقصان دہ ہو چاہے اس کا نقصان اور اس کی ناپاکی ظاہری ہو یا معنوی انفرادی ہو یا اجتماعی، نقصانات فی الحال ظاہر ہونے والے ہوں یا مستقبل میں۔

اور اگر ان میں ناپاکی اور ضرر کا کوئی پہلو موجود نہیں تو گویا وہ دنیا کی ان پاکیزہ چیزوں میں ہے جن سے دلوں کو لذت ملتی ہے، انسانی دماغ سکون محسوس کرتا ہے، فطرت سلیمہ محظوظ ہوتی

ہے اور قوت سماعت ان کی چاہت رکھتی ہے، کیونکہ ان میں کان کی لذت کا بھر پور سامان مہیا ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح لذیذ کھانا سے معدے کو لذت ملتی ہے، خوبصورت منظر سے آنکھوں کو راحت نصیب ہوتی ہے، اور خوشبو سے قوت حس لطف اندوز ہوتی ہے، تو کیا اس طرح کی پاکیزہ چیزیں جنہیں علم طیبات کہتے ہیں اور جن میں ہماری حواس کی لذت سامانی کا وافر حصہ موجود رہتا ہے، حلال ہوں گی یا حرام؟

جیسا کہ یہ بات سبھوں کے علم میں ہے کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے لئے دنیا کی بعض پاکیزہ چیزوں کو ان کے غلط کردار کی پاداش میں بطور سزا حرام ٹھہرایا، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے "**فبظلم من الذين هادوا حرّمنا عليهم طيبات أحلت لهم و بصدهم عن سبيل الله كثيراً و أخذهم الربا و قد نهوا عنه و أكلهم أموال الناس**" (النساء: ۱۶۰-۱۶۱) (پس یہود کے ظلم کی وجہ سے ہم نے وہ پاک چیزیں ان پر حرام کردیں جو ان کے لئے حلال تھیں، اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے، اور اس وجہ سے کہ وہ سود لیتے تھے حالانکہ اس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے وہ لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھاتے تھے)۔

لہذا اسلام کی نظر میں ہر وہ پاکیزہ شئی جو دل و دماغ کو بھائے وہ اس کے آفاقی اور جاودانی پیغام کی وجہ سے امت پر رحم و کرم کے پیش نظر حلال کردی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے: "**يسألونك ماذا أحل لهم قل أحل لكم الطيبات**" (المائدہ: ۴) (وہ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا چیز حلال کی گئی ہے کہو کہ تمہارے لئے ستھری چیزیں حلال ہیں، اور طیبات کا لفظ جو مستلذات یعنی لذت بخش چیزوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اپنے اندر عمومیت کو سموئے ہوئے ہے، جس سے مراد کھانے پینے پہننے سونگھنے دیکھنے اور سننے کی قبیل کی ہر وہ شئی ہوسکتی ہے جس سے قلب و دماغ لذت و فرحت محسوس کرے چنانچہ اس نوعیت کی ہر شئی طیبات میں شامل ہے اور حلال ہے۔

اللہ تعالی نے کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنے یا غیر کے واسطے

اللہ تعالی کی پاکیزہ رزق کوحرام سمجھے گرچہ اس عمل کے پس پردہ اس کی اچھی نیت اور رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ موجزن ہو، کیونکہ حرام اور حلال کا حکم صادر کرنا یہ صرف ذات باری تعالی کا حق ہے کسی انسان کا حق نہیں، ارشاد ربانی ہے: "قل أرأيتيم ما أنزل الله لكم من رزق فجعلتم منه حراماً وحلالاً قل آلله أذن لكم أم على الله تفترون" (یونس:۵۹) (کہو یہ بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق اتارا تھا پھر تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال کہو کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہو)۔

اللہ تعالی کے نزدیک پاکیزہ رزق کو حرام سمجھنا جرم کی سنگینی کے اعتبار سے بالکل اس طرح ہے جس طرح حرام برائیوں کو حلال سمجھنا، دونوں طرح کا یہ کردار عذاب الٰہی اور پروردگار کی ناراضگی کو دعوت دیتا ہے، اور ایسا رول ادا کرنے والا فرد کھلے ہوئے خسارے میں اور ہر طرح کی گمراہی سے ہمرکاب رہتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی زمانہ جاہلیت کے ان حضرات کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے جنہوں نے اس طرح کی باغیانہ حرکت کی تھی، "قد خسر الذين قتلوا أولادهم سفهاً بغير علم وحرّموا ما رزقهم الله افتراءً على الله قد ضلوا وما كانوا مهتدين" (الانعام:۱۴۰) (وہ لوگ گھاٹے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا نادانی سے بغیر کسی علم کے اور انہوں نے اس رزق کو حرام کرلیا جو اللہ نے ان کو دیا تھا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے وہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت پانے والے نہ بنے)۔

اگر ہم تھوڑا غور کریں تو ہمیں یہ سمجھ میں آئے گا گانا کا شوق اور اس سے الفت اچھی آواز سن کر مست ہونا اور جھومنا یہ دراصل انسانی مزاج ہے اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ عمل ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم بچوں کو دیکھتے ہیں کہ اچھی آواز سن کر وہ رونا بند کر دیتے ہیں، اور ان کی بے چینی کافور ہو جاتی ہے، اس لئے زمانہ قدیم سے یہ مشاہدہ ہے کہ بچوں کی پرورش و پرداخت اور دودھ پلانے والی خواتین بچوں کو طرح طرح کے نغمے سنانے کی عادی رہی ہیں، بلکہ ہمارا تو یہاں تک کہنا ہے کہ پرندے اور چوپائے بھی خوبصورت آوازوں اور موزوں نغموں سے متاثر

ہوتے ہیں چنانچہ امام غزالی نے ''الاحیاء'' میں لکھا ہے کہ خوبصورت آواز کو سن کر جس میں حرکت نہ پیدا ہو وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے ناقص ہے اور اعتدال سے پرے ہے، اور روحانیت سے دور ہے، اور اپنی طبیعت کی سختی، تندخوئی، اور سخت مزاجی میں پرندوں اونٹوں اور تمام چوپایوں سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اونٹ فطرۃً اپنی تمام ترحماقتوں کے باوجود حدی خوانی سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اس پر لدے بھاری بوجھ بھی اسے ہلکے محسوس ہونے لگتے ہیں، اور — سماع پر پوری توجہ مرکوز کرنے کی وجہ سے — طویل مسافت بھی اسے کم معلوم ہوتی ہے، نتیجۃً اس میں ایسا نشاط پیدا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے ایک طرح سے بالکل دیوانہ ہوجاتا ہے اور اپنی گردن اٹھا کر حدی خواں کی حدی سنتا ہوا بڑی برق رفتاری سے منزل کی طرف رواں دواں ہوجاتا ہے، نہ اسے اپنے سوار اور نہ اپنے اوپر لدے ہوئے سامان کے گرنے کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔

جب یہ ثابت ہوا کہ گانا سے محبت انسانی فطرت وطبیعت کا تقاضا ہے، تو کیا یہ دین اس لئے برپا ہوا کہ وہ فطرت وطبیعت کے تمام تر تقاضوں کو کچل کر رکھ دے اور اسے ملیامیٹ کردے، ہرگز نہیں بلکہ اس کا مقصد فطرت کی بلندی اس کی تربیت اور اسے صحیح رخ دینا ہے، امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت اس لئے ہوئی تا کہ فطرت کی تکمیل ہو، نہ کہ اسے تبدیل کردیا جائے۔

عملی طور پر اس کی مثال ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس طرح ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، اہل مدینہ ان دنوں دو دن کھیل تماشوں میں مصروف رہتے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل تماشا کیا کرتے تھے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی نے تمہیں بدلے میں اس سے بھی بہتر دو دن دیئے ہیں ایک ہے عید الاضحیٰ کا دن اور ایک ہے عید الفطر کا دن۔
حضرت عائشہؓ نے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

میں نے نبی کریم ﷺ کو پایا کہ وہ اپنی چادر میں مجھے چھپائے ہوئے ہیں اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی ہوں کہ وہ مسجد میں کھیل رہے ہیں، یہاں تک کہ میں دیکھتی دیکھتی اکتا گئی، تو اس سے اندازہ لگاؤ کہ ایک نوعمر لڑکی جسے کھیل کود کا شوق تھا کا کیا حال رہا ہوگا۔

اور اگر گانا کو لہو ولعب شمار کریں تب بھی لہو ولعب حرام نہیں ہے کیونکہ انسان ہر وقت سنجیدہ رہے یا مستقل بور فیل کرتا رہے ایسا نہیں ہوسکتا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت حنظلہؓ سے فرمایا جب انہیں یہ گمان ہوا کہ بیوی اور بچوں میں رہنے کی وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے میں ایمان کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ گھر میں رہنے سے بدل جانے کی وجہ سے منافق ہوگئے، ''**یا حنظلة ساعة وساعة**'' (رواہ مسلم) (اے حنظلہ مگر تھوڑی دیر دل کو راحت دیا کرو)۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا: ''دلوں کو وقفے وقفے سے آرام دیا کرو کیونکہ جب دل کو مجبور کیا جاتا ہے تو وہ کام کرنا بند کردیتا ہے''۔

آپؓ ہی کا قول ہے: ''دل بالکل اسی طرح اکتا جاتے ہیں جس طرح جسم اکتاتے ہیں، اس لئے حکمت پر مبنی لطیفوں سے دل بہلایا کرو''۔

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں میں اپنا دل کھیل کود سے بہلاتا ہوں تاکہ وہ حق پر مضبوطی سے گامزن رہے۔

امام غزالیؒ نے اس شخص کو جواب دیتے ہوئے فرمایا جس نے یہ کہا تھا کہ گانا لہو ولعب ہے، ہاں بالکل مگر پوری دنیا لہو ولعب ہے، عورتوں کے ساتھ لطف اندوزی کا ہر عمل لہو ہے سوائے مجامعت کے کیونکہ افزائش نسل کا سبب ہے، اسی طرح ہر وہ ایسا مزاح جس میں بے حیائی کا کوئی عنصر شامل نہ ہو وہ بھی حلال ہے اور ایسا نبی کریم ﷺ سے منقول ہے۔

کسی بھی طرح کا کھیل تماشا جو حبشیوں کے کھیل تماشہ سے بڑھ کر ہو نص سے اس کی اباحت ثابت ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کھیل کود دل کو راحت کا ذریعہ ہے، اس سے فکری

تکان دور ہوتا ہے، کیونکہ دل جب مجبور کیا جاتا ہے تو وہ اپنا کام بند کردیتا ہے، اور دل کو آرام دینا گویا اسے سنجیدہ رہنے پر آمادہ کرنا ہے، اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ جو پابندی سے تفقہانہ مشغولیتوں میں رہتا ہوا سے جمعہ کے دن چھٹی کرنی چاہئے اس لئے کہ ایک دن کی چھٹی ہفتہ بھر کے لئے چاق وچوبند بنادیتی ہے، اور تمام اوقات نماز میں نوافل کے پابند شخص کو چاہئے کہ وہ کسی وقت نفل نہ پڑھے، اسی مقصد کے پیش نظر بعض اوقات میں نماز مکروہ قرار دی گئی ہے، غرض یہ کہ چھٹی کام کے واسطے متحرک رہنے میں معاون ثابت ہوتی ہے، اور کھیل کود سنجیدگی کی راہ آسان کرتا ہے، کیونکہ خالصۃً سنجیدگی اور حق کے ان کاموں پر جن کی جانب طبیعت ہر وقت آمادہ نہ رہتی ہو انبیاء علیہم السلام کے دل ہی قائم رہ سکتے ہیں، دوسروں کے لئے ایسا ہر وقت ممکن نہیں۔

تو کھیل کود ایک دوا ہے جو دل کو تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے مرض سے نجات دیتا ہے، لہذا اسے مباح ہونا چاہئے، لیکن اس کی زیادتی نہیں ہونی چاہئے، جس طرح دوا بقدر مرض لی جاتی ہے اس سے زیادہ نہیں لی جاتی، ایسی نیت کے تناظر میں کھیل کود عبادت کہلائے گا، اور ایسا ان لوگوں کے حق میں مطلوب ہے جن کے دلوں میں کسی طرح کے نغمے سننے سے تحریک پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ایسے حضرات کے لئے سماع کا عمل خالصۃً ذریعہ لذت اور آرام دہ ہے اس لئے ان لوگوں کے لئے اسے مستحب ہونا چاہئے تاکہ ان مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے جن کا ذکر گذشتہ سطروں میں کیا جاچکا ہے، ہاں مگر اتنا ضرور ہے کہ اس سے رتبہ کمال میں خلل واقع ہوتا ہے کیونکہ کامل انسان کو حق کے بغیر کسی دوسرے راستے سے اپنے آپ کو آرام پہنچانے کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت ہے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں، اللہ تعالی کے مقرب بندوں کی کمی کوتاہیوں کی مانند ہوتی ہیں، اور جسے دلوں کے علاج اور ان کے ساتھ نرم برتاؤ اور انہیں حق کے راستوں پر گامزن رکھنے کے طریقوں کی بابت علم ہوگا وہ پوری قطعیت کے ساتھ اس حقیقت سے واقف ہوگا ان جیسی چیزوں سے دلوں کو راحت پہنچانا ایک نفع بخش دوا سے فائدہ اٹھانا ہے

جس سے کوئی شخص بے نیاز نہیں ہوسکتا، یہاں پر امام غزالی کی بات ختم ہوجاتی ہے،جس کی حیثیت ایک جامع فکر وخیال کی ہے جس سے اسلام کی حقیقی روح ابھر کر سامنے آتی ہے۔

علماء کرام میں سے محققین کی ایک جماعت نے حرمت غناء کے موضوع پر تحقیقی نظر ڈالی تو انہیں بھی اس سلسلہ کی کوئی اطمینان بخش علت دریافت نہ ہوسکی، ان علماء میں سب سے نمایاں نام ابوحامد الغزالیؒ کا ہے جنہوں نے اپنی کتاب ''الاحیاء'' میں علمی طور پر اس مسئلے کا تجزیہ کیا ہے اور اس سے تحقیقی نتیجہ بھی اخذ کیا ہے۔

ہمیں اس طرح کے علمی اور حقیقت کو ادا کرنے والے نظریوں کو اختیار کرنا چاہئے تا کہ ہمیں مزید اطمینان حاصل ہوجائے کہ حرمت غناء اور آلات غناء کی شرعاً کوئی وجہ نہیں ہے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ گانا کی حرمت نہ نص سے ثابت ہے اور نہ قیاس سے، قیاس کا مطلب وہ عقلی توجیہ ہے جو نص سے سمجھ میں آتی ہے، اور صحیح تعبیر میں یہ کہا جاسکتا ہے حرام قرار دینے کا شرعی مقصد کیا ہے؟ کیونکہ اللہ تعالی پاکیزہ شیئ حرام نہیں کرتا۔

امام غزالیؒ نے اس طرح بھی صراحت کی ہے کہ :

گانا کے کئی پہلو ہیں جن میں انفرادی طور پر اور پھر اجتماعی طور پر غور وخوض کیا جاسکتا ہے، ایک پہلو خوبصورت آواز کے سننے کا ہے، دوسرا پہلو کلام کے موزوں ہونے کا ہے، تیسرا پہلو کلام کے معانی سمجھ میں آرہے ہوں چوتھا پہلو آواز دلوں میں تحریک پیدا کرتی ہے، عمومی وصف یہ ہے کہ غناء ایک خوبصورت آواز ہے، پھر خوبصورت آواز کی بھی دو قسمیں ہیں ایک موزوں دوسری غیر موزوں اور موزوں کی بھی دو قسمیں ہیں ایک مفہوم جیسے کہ اشعار دوسری غیر مفہوم جیسے کہ جمادات اور تمام حیوانوں کی آواز، جہاں تک خوبصورت آواز کے سننے کا مسئلہ ہے آواز کے خوبصورت ہونے کی حیثیت سے تو اسے کسی طرح بھی حرام نہ ہونا چاہئے، بلکہ نص اور قیاس دونوں کی بنا پر درست ہے، قیاس کے اعتبار سے غور کیا جائے تو گانا سننے میں حاسہ سامعہ کے واسطے لذت اندوزی کا سامان موجود ہے کیونکہ حاسہ سامعہ اس شئی کو حاصل کرنے

میں کامیاب ہورہا ہے جو اس کا خاصہ ہے، اور انسان کے پاس عقل کے ساتھ پانچ حواس بھی ہیں، اور ہر حاسہ مخصوص شئی کو حاصل کرتا ہے اور جب اسے وہ شئی مخصوص مل جاتی ہے تو اسے لذت محسوس ہوتی ہے، خوبصورت مناظر جیسے ہریالی، خوبصورت چہرہ، آب رواں اور غرضیکہ تمام خوبصورت رنگوں کا جب آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں تو انہیں لذت محسوس ہوتی ہے۔

اور ان مناظر کے مقابلے میں وہ سارے رنگ آتے ہیں جو گدلے اور بدلے ہوتے ہیں، قوت شامہ کو اچھی خوشبو سونگھنے میں لطف آتا ہے اور اس کے بالمقابل ناپسندیدہ بدبو ہوتی ہے جس سے اس کو کڑھن محسوس ہوتی ہے، قوت ذائقہ چکناہٹ شیرینی اور نمکینی چکھنے میں مزہ محسوس کرتی ہے اور اس کے بالمقابل بے مزہ کڑواہٹ سے اس کو تنفر ہوتا ہے، قوت لامسہ کو نرمی ملائمت اور چکناہٹ کو چھونے میں سکون محسوس ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل کھردراہٹ اور سختی سے اسے یک گونہ کلفت ہوتی ہے، اور عقل کو علم و معرفت سے اطمینان نصیب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل جہالت و حماقت سے نفرت ہوتی ہے۔

اس طرح وہ آوازیں جو قوت سامعہ کے توسط سے سنی جاتی ہیں وہ بھی دو طرح کی ہوتی ہیں ایک لذت بخش ہوتی ہے جیسے بلبل اور سارنگی کی آواز، دوسری ناپسندیدہ اور قوت سماعت پر بار ہوتی ہے جیسے گدھے کے رینکنے کی آواز، اسی طرح اس حاسہ اور اس کی لذت کو دوسرے تمام حواس اور ان کی لذتوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے جو ہر اعتبار سے قرین قیاس معلوم ہورہا ہے۔

نص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھی آواز جس کا سننا مباح قرار دیا گیا ہے یہ دراصل اللہ تعالی کی جانب سے بندوں پر احسان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: **"یزید فی الخلق ما یشاء"** (سورہ فاطر:۱) (وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کردیتا ہے)، اس سے مراد خوبصورت آواز ہے جیسا کہ بعض مفسرین کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "اللہ تعالی اس شخص سے بڑھ کر جو اپنی نغمہ خواں باندی سے نغمہ سنتا ہے اپنے اس بندہ کی آواز پر کان لگاتا ہے جو خوبصورت آواز میں قرآن شریف پڑھتا ہے"۔

آپ ﷺ کا حضرت ابوموسی اشعری ؓ کے بارے میں فرمانا کہ انہیں آل داؤد جیسی آواز دی گئی، اسی طرح ارشاد باری ہے : "إن أنكر الأصوات لصوت الحمير" (لقمان: ۱۹) (بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے)، جس کا مفہوم مخالف اچھی آواز کی معتبریت پر دلالت کرتا ہے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ خوبصورت آواز کے سننے کی گنجائش قرآن کریم کی شرط کے ساتھ مشروط ہے تو ایسی صورت میں بلبل کی خوشنوائی کو حرام سمجھنا بھی لازم آئے گا کیونکہ یہ آواز قرآن کا حصہ نہیں ہے، اور جب ایک پرندہ کی بے معنی آواز کا سننا جائز ہے تو پھر اس آواز کا سننا کیوں جائز نہیں ہوگا جس سے حکمت ودانائی اور مثبت پیغام ملتا ہے کیونکہ شعروشاعری حکمت ودانائی پر مبنی ہوتی ہے، یہ تحقیق اور غوروخوض آواز کے سلسلہ میں اس کے خوبصورت اور خوشگوار ہونے کے اعتبار سے ہے۔

خوبصورت آواز میں غوروخوض کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ موزوں ہے موزونیت اور خوبصورتی دونوں کا اجتماع ہر وقت ممکن نہیں ہے کیونکہ بہت سی خوبصورت آواز موزونیت کے دائرہ سے باہر ہوتی ہے، اور بہت سی موزوں آواز خوبصورت نہیں ہوتی، موزوں آوازیں اپنے مخارج کے اعتبار سے تین طرح کی ہوتی ہیں، یا تو وہ جمادات کی آواز ہوگی، جیسے سارنگی بانسری اور ڈھول کی آواز وغیرہ، یا حیوان کے نرخرے سے نکلنے والی آواز ہوگی اور وہ حیوان یا تو انسان ہوگا یا غیر انسان جیسے بلبل کی آواز، فاختہ کی مانند ایک پرندہ کی آواز اور مقفی کلام کی طرح پرندہ کی آواز تو یہ ساری آوازیں خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ موزوں بھی ہیں اور ان کا مطلع ومقطع ایک دوسرے سے مربوط بھی ہے، اس لئے ان آوازوں کو سننے میں مزہ آتا ہے، اصل آواز وہ ہے جو حیوانوں کے نرخوں سے باہر آتی ہے، اور سارنگیاں نرخروں کی آوازوں کے مطابق بنائی گئی ہیں، گویا کاریگری مخلوق کے مشابہ ومماثل ہے اور دنیا میں جس شئی کی بھی کاریگر حضرات تصویر کشی کریں مگر اللہ کی مخلوق میں جسے اس نے وجود بخشا ہے اس کی مثال موجود ہوتی ہے، کاریگر حضرات اس سے کاریگری سیکھتے ہیں اور اس کی نقالی کرتے ہیں، اگر اس پہلو کو شرح وبسط

سے لکھا جائے تو اس سلسلہ کا ایک لمبا باب قائم ہوجائے گا، مختصر یہ کہ ان آوازوں پر حرمت کا حکم لگانا محض ان کے موزوں اور خوبصورت ہونے کی بنا پر ناممکن ہے کیونکہ بلبل اور دیگر پرندوں کی آوازوں کو حرام سمجھنے کی بظاہر کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

مجھے یاد آرہا کہ میں ایک مرتبہ بعض دوستوں کے ساتھ خلائی سفر میں تھا، اور بعض مشائخ بھی ساتھ تھے، چہچہانے والے بعض پرندوں کی خوبصورت طرب انگیز آواز ہمارے گوش گزار ہوئی، ان میں سے ایک بزرگ نے جو غناء اور آلات غناء کے سلسلہ میں بڑے سخت تھے ان کی زبان سے نکلا کتنی خوبصورت اللہ کی دی ہوئی آواز ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ جب اس کی نقالی کوئی انسان کرتا ہے تو ہم اسے حرام کیوں کہتے ہیں؟ جبکہ یہ نقالی بعض مخلوق میں ودیعت شدہ فطرت الٰہی کی نقالی ہے، وہ خاموش رہے اور ان سے اس کا کوئی جواب نہ بن سکا۔

پھر امام غزالیؒ نے اس کے بعد یعنی آواز کی خوبصورتی اور موزونیت کے بعد فہم کلام کے پہلو کو ذکر کیا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ وہ آواز خوبصورت اور موزوں ہونے کے ساتھ ساتھ بامعنی کلام بھی ہے جسے شعر کہتے ہیں اور کسی کلام کا بامعنی ہونا یا شاعری کی قبیل سے ہونا اس سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ شاعری عام کلام کی طرح ایک کلام ہے اس میں جو اچھے اور مثبت مواد پر مشتمل ہوتا ہے اسے اچھا کہتے ہیں اور جو منفی جذبات کی ترجمانی کرتا ہے اسے مذموم سمجھا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ نے وہ احادیث بھی ذکر فرمائی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے شعر سنا اس کی تحسین فرمائی اور اس پر ہمت افزائی فرمائی اور حضرت حسانؓ اور ان کے جیسے دوسرے حضرات کی تعریف کی، اور یہ قطعیت کے ساتھ ثابت ہونے والا امر واقعہ ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ یہاں تک ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بذات خود ترنم سے پڑھے گئے چند اشعار سماعت فرمائے اور ان پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا، جیسے :

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

اس کے بعد امام موصوف نے غور وخوض کا چوتھا پہلو ذکر کیا ہے جس میں اس پہلو سے غور کرنا ہے کہ گانا دل کو حرکت دیتا ہے، اور جس چیز کی اس میں دعوت دی گئی ہے اس پر برانگیختہ کرتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا ہے کہ موزوں نغموں کی روحوں سے جو مناسبت اور ہم آہنگی ہے اس کے راز کو اللہ تعالی ہی جانتا ہے، چنانچہ یہ مشاہدہ میں ہے کہ ان نغموں کے ارواح پر عجیب وغریب اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض آواز خوش کن ہوتی ہیں بعض غم انگیز، بعض سلانے والی بعض فرحت وانبساط انگیز، اور بعض کی موزونیت اس قدر اثر انگیز ہوتی ہے کہ سنتے ہی ہاتھ پاؤں اور سر حرکت کرنے لگتے ہیں اس صورتحال کی توجیہ اس طرح نہیں کرنی چاہئے کہ ایسا درحقیقت شعر فہمی کا نتیجہ ہے، یہ کیفیت سے پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ کہنے والوں نے کہا کہ موسم بہار اور اس کے پھولوں سے جس کے اندر حرکت پیدا نہ ہو اور سارنگی سے ذہن ودماغ پر کیف طاری نہ ہو تو وہ فاسد المزاج ہے اور اسے علاج کی ضرورت ہے۔

اور یہ اثر انگیزی معنیٰ فہمی کی بناء پر کیسے ممکن ہوسکتی؟ جبکہ یہ دیکھا گیا ہے ایک بچہ جب اپنی ماں کی گود میں ہوتا ہے اور اس طرح کی آواز اسے سنائی جاتی ہے تو وہ رونا بند کردیتا ہے اور غم کو بھول کر اس آواز کی طرف اس کا دل مائل ہو جاتا ہے۔

اور اونٹ طبعاً اپنی حماقت کے باوجود— حدی سے اس درجہ متاثر ہوتا ہے کہ بھاری بھرکم بوجھ اسے ہلکے محسوس ہونے لگتے ہیں، اور سنائے جانے والے حدی کے کلمات اس قدر اس کے حق میں نشاط انگیز ہوتے ہیں کہ سفر کی طویل مسافت اسے کم محسوس ہونے لگتی ہے، او راس پر ایسا نشاط طاری ہوتا ہے کہ اسی میں دنیا کی تمام ترکلفتوں کو بھول بیٹھتا ہے، اس لئے آپ نے بھی یہ تجربہ کیا ہوگا جب دیہاتوں کی مسافت اس کے واسطے پر مشقت ثابت ہوتی ہے اور لدے ہوئے سامان کی وجہ سے تکان محسوس کرنے لگتا مگر جیسے ہی حدی کی آواز سنتا ہے اس کی گردن کھڑی ہو جاتی ہے اور اس آواز پر کان لگاتا ہوا تیز رفتاری سے منزل کی جانب گامزن

ہوجاتا ہے، یہاں تک اس کا سوار اور اس پر لدے ہوئے سامان بھی ہلنے لگتے ہیں اور کبھی تیز رفتاری اور سامان کے دباؤ کی وجہ سے دائیں بائیں لڑجاتا ہے اور مستی اس قدر غالب ہوتی ہے کہ اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

ان تمام تر تفصیلات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سماع کے اثرات جو دلوں پر مرتب ہوئے ہیں محسوس کئے جاتے ہیں اور اس طرح کلمات سن کر جس کے اندرون میں کسی طرح کی تحریک پیدا نہ ہو وہ روحانیت سے دور اور اعتدال سے پرے انسان ہے جس پر اونٹوں اور پرندوں سے بھی زیادہ سخت مزاجی کا غلبہ ہے، کیونکہ اونٹ پرندے اور تمام جانور موزوں نغموں سے متاثر ہوتے ہیں۔

اور امام غزالیؒ نے سچ کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں کچھ گائیں ایسی ہیں جو دوہنے کے وقت ترنم آمیز لہجے میں کچھ سنا کرتی ہیں اور سنتے ہی آسانی کے ساتھ بھرپور مقدار میں ان سے دودھ نکلنے لگتا ہے۔

بلکہ ماہرین نے اس کا تجربہ نباتات پر بھی کیا ہے، اگر ان پر اچھی آواز میں کچھ پڑھا جاتا ہے تو بڑی جلد وہ بڑھنے لگتے ہیں۔

یہ اللہ تعالی کی مخلوقات میں اور زندہ کائنات میں ودیعت کی ہوئی فطرت ہے اور یہی فطرت اس انسان میں بھی ہے جو خوبصورت آواز سے متاثر ہوتا ہے، اور اسلام اللہ کی فطرت تبدیل کرنے کی خاطر نہیں آیا بلکہ اس کا مقصد فطرت کی بقاء اور اسے بلندی عطا کرنا ہے تا کہ وہ درجہ بدرجہ معنوی اور مادی طور پر ترقی کرتی رہے۔

(۴)

# تنقیدی جائزہ اور تجزیاتی نوٹس

# تنقیدی جائزہ اور تجزیاتی نوٹس

گانا کی حرمت کے قائل علماء کرام کے اقوال ودلائل ذکر کرنے اور ایک ایک دلیل پر بحث کرنے کے بعد۔

اسی طرح جواز کے قائل علماء کرام کے اقوال ودلائل بیان کرنے اور یہ دلائل حرمت کے قائل حضرات کے دلائل کے مقابلے کتنے قوی ہیں کے تذکرے کے بعد بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریق کے درمیان جاری معرکہ آرائی کا مندرجہ ذیل جملوں یا نظریوں کے ذریعہ تنقیدی جائزہ لیا جائے۔

"**التحریم لا یکون إلا بنص صریح صحیح (ولم یوجد)** (کسی شئی کی حرمت کا حکم اس نص سے مستنبط کیا جاسکتا ہے جو صحیح سند سے ثابت ہو ساتھ ہی اپنے مدعا پر صراحۃً دلالت کر رہا ہو)۔

سب سے پہلی بات جو اس مسئلے میں مدنظر رکھنے کی ہے وہ یہ کہ حرمت کا حکم صریح وصحیح نص سے ہی ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ تن تنہا حرمت وحلت کے فیصلے کرنے کا حق صرف اللہ تعالی ہی کو ہے، اس کے علاوہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق کسی شیئ کو حرام وحلال ٹھہرائے، اس لئے جب تک کسی مسئلہ میں کتاب وسنت کی واضح نص وارد نہ ہو جو اپنی دلالت اور ثبوت کے لحاظ سے قابل اطمینان ہو اس وقت تک ہم اس کے بارے میں کسی طرح کی رائے زنی کرنے کے مجاز نہیں ہیں، اور "**الأصل فی الأشیاء الإباحة**" کے مطابق اباحت کا حکم لگایا جائے گا، ورنہ بغیر کسی علم کے اللہ تعالی کی جانب کسی بات کا انتساب کرنا لازم آئے گا جو دراصل شیطان کے نقش قدم کی پیروی کے مرادف ہے: "**إنما یأمرکم بالسوء**

**والفحشاء وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون**" (البقرہ :۱۶۹) (وہ تم کو صرف برے کام اور بے حیائی کی تلقین کرتا ہے اور اس بات کی کہ تم اللہ کی طرف وہ باتیں منسوب کرو جن کے بارے میں تم کو کوئی علم نہیں)، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول صحیح سند سے ثابت ہے، "**محرم الحلال كمستحل الحرام**" (حلال کو حرام کرنے والا حرام کو حلال سمجھنے والے کی طرح ہے)، اور اس طرح کا قول مرفوعاً بھی مروی ہے، اور اس نقطہ نظر کی اہمیت ان مسائل میں جو عموماً لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں اور جو براہ راست لوگوں کی زندگی اور ان کے احساسات اور برتاؤ پر اثرانداز ہوتے ہیں، غناء کا مسئلہ — چاہے بالآلہ ہو یا بدون الآلہ — بھی ان ہی مسائل کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ سبھی جانتے ہیں کہ گانا گانا سننا اور سنانا عرب وعجم میں اسلام کی آمد سے پہلے اور بعد بھی ایک عام اور مانوس عمل تھا، ہر جگہ گانے بجانے کا بازار گرم رہتا اور لوگ اس کے شیفتہ اور فریفتہ رہتے، اگر مذہب اسلام اس سے باز رہنے کی تعلیم دیتا ہے تو اسے دلائل کی روشنی میں بالکل واضح ہوجانا چاہئے تاکہ اصل حقیقت سامنے آجائے اور عذر لنگ کا دروازہ بند ہوجائے۔

جب اللہ تعالی کو یہ منظور ہوا کہ مردار خون خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو کا گوشت حرام کردیا جائے تو انہیں صریح لفظ کے ذریعہ حرام قرار دیا "**حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير**" (المائدہ: ۳) (تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سور کا گوشت'، اور جب زنا کو حرام کیا تو صریح لفظ کے ذریعہ "**ولا تقربوا الزنا إنه كان فاحشة وساء سبيلا**" (اسراء: ۳۲) (اور زنا کے قریب نہ جاؤ وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے)۔

شراب اور جوا کو حرام کرنے کی منشا ہوئی تو فرمایا: "**إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون**" (المائدہ: ۸۰) (شراب اور جوا اور تھان پاور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے پس تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

تو پھر گانے کے سلسلہ میں ان نصوص کی کوئی واضح نص کیوں نہیں وارد ہوئی؟ جبکہ زمانہ قدیم سے گانے بجانے کا عمل عام تھا اور لوگ اس میں مبتلا تھے۔

صحابہ کرام نے شراب کی حرمت کے سلسلہ میں اللہ تعالی کے صرف اس قول پر اکتفاء نہیں کیا "**يسألونك عن الخمر والميسر قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما**" (البقرہ: ۲۱۹) (لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو کہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ بہت زیادہ ہے ان کے فائدے سے)، بلکہ ان کی زبان یہ کہا جانے لگا اے اللہ شراب کے سلسلہ میں قابل اطمینان واضح حکم بیان فرما دیجئے باوجود یکہ اس آیت میں اسے بڑا گناہ کہا جا چکا تھا، یہاں تک کہ مائدہ کی مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں بڑی وضاحت کے ساتھ شراب کی حرمت کا حکم نازل کیا گیا، اور اخیر میں "**فهل أنتم منتهون**" (تو کیا تم لوگ اس سے بچو گے)، کہا گیا صحابہ کرام نے عرض کیا اے رب العالمین ہم نے پرہیز کرلیا۔

اس لئے کہ سلف کی تحریروں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ لفظ حرام کا استعمال صرف اس جگہ کرتے جہاں کے متعلق قطعیت کے ساتھ حرمت کا حکم معلوم ہوتا، بالفاظ دیگر جس صورت حال کے بارے میں حرمت کا واضح اور قابل اطمینان حکم معلوم ہوجاتا تب جا کر اس کے بارے میں حرام کا فیصلہ کرتے، اور ایسا صحابہ کرام کی اقتداء میں کرتے تھے۔

جس چیز کے لئے ہم کوشاں ہیں اور جس چیز کے ہم متلاشی ہیں ان مسائل میں جو عموماً لوگوں کو پیش آتے ہیں یعنی (قابل اطمینان واضح حکم کے) جو یہاں مفقود ہے، کیوں کہ اس موضوع سے متعلق جو روایت بیان کی جاتی ہے یا تو صریح ہوتی ہے مگر صحیح نہیں ہوتی اور اگر صحیح ہوتی ہے تو صریح نہیں ہوتی، اور یہ دعوی کہ اس طرح کی روایتیں باہم تقویت واستحکام بخشتی ہیں یہ مطلقاً تسلیم شدہ اصول نہیں ہے، خصوصا حرام اور واجب کے مسائل میں جن میں سختی برتنا حد درجہ ضروری ہے تا کہ وہ شخص جس نے نص محکم کے بغیر حرام کا حکم صادر کیا ہو کو یہ نہ کہا جا سکے

"آللہ أذن لکم أم علی اللہ تفترون" ( کیا اللہ تعالی نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا اللہ تعالی پر بہتان باندھتے ہو )۔

علامہ ابن رجب حنبلی نے "جامع العلوم والحکم" میں حدیث ثلاثین کی تشریح میں لکھا ہے کہ قطعیت کے ساتھ حرام کردہ چیزیں کتاب وسنت میں مذکور ہیں جیسے اللہ تعالی کا یہ کہنا "قل تعالوا أتل ما حرم ربکم علیکم ألا تشرکوا به شیئاً وبالوالدین إحسانا ولا تقتلوا أولادکم من إملاق" (الانعام: ۱۵۱) ( کہو آؤ میں سناؤں وہ چیزیں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو )۔

اور یہ فرمانا : "قل إنما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغی بغیر الحق وأن تشرکوا بالله ما لم ینزل به سلطاناً وأن تقولوا علی اللہ ما لا تفعلون" (الاعراف: ۳۳) ( کہو میرے رب نے تو بس فحش باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے وہ کھلی ہوں یا چھپی، اور گناہ کو اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرو جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاؤ جس کا تم علم نہیں رکھتے )۔

بعض آیتوں میں خاص قسم کی حرام شیئ کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح بعض جگہوں پر کھانے کی قبیل کی حرام اشیاء بیان کی گئی ہیں، "قل لا أجد فی ما أوحی إلی محرماً علی طاعم یطعمه إلا أن یکون میتة أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزیر فإنه رجس أو فسقاً أهل لغیر اللہ به" (الانعام: ۱۴۵) ( مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز نہیں پاتا جو حرام ہو کسی کھانے والے پر سوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو ) یہ آیت سورہ بقرہ نحل اور مائدہ میں بھی آئی ہے۔

محرمات نکاح کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا : "حرمت علیکم أمهاتکم

وبناتکم۔۔۔۔‘‘(النساء:۲۳)(تم پر تمہاری مائیں اور لڑکیاں حرام کردی گئیں) معاش کے جو ذرائع جو حرام ہیں ان کی حرمت یوں بیان کی گئی: ’’وأحل اللہ البیع وحرم الربا‘‘ (اللہ تعالی نے بیع کو حلال بنایا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے)۔

حدیث کے ذخیرے میں بھی محرمات کو صراحت کے ساتھ لفظ حرام سے بیان کیا گیا ہے مثلاً آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’**إن اللہ حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام**‘‘ (یقینا اللہ تعالی نے شراب مردار سور اور بتوں کی بیع وشراء (خرید وفروخت) کو حرام بنایا ہے)، اسی طرح آپ ﷺ کے ارشادات میں ’’**إن اللہ إذا حرم شیئاً حرم ثمنه**‘‘ (بے شک اللہ تعالی جب کسی شیئ کو حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کردیتا ہے)، ’’**کل مسکر حرام**‘‘ (ہر نشہ آور شیئ حرام ہے)، ’’**إن دماء کم وأموالکم وأعراضکم علیکم حرام**‘‘ (بلا شبہ تمہارا خون اور تمہارے مال تمہاری عزت وآبرو تمہارے لئے محترم ہے یعنی ان کو پامال کرنا پوری طرح سے حرام ہے)، جیسی روایتیں مروی ہیں جن میں لفظ حرام کے ذریعہ حرمت کا حکم وارد ہوا ہے۔

لہذا جس شیئ کی حرمت کتاب وسنت میں صراحت کے ساتھ مروی ہو وہ حرام ہے، اسی طرح حرمت کا حکم اس آیت یا حدیث سے بھی مستفاد ہوتا ہے جس میں کسی عمل کی ممانعت سخت وعید کے ساتھ آئی ہو، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ’’**إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون، إنما یرید الشیطان أن یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلاة فهل أنتم منتهون**‘‘ (المائدہ:۹۰-۹۱) (شراب اور جوا اور تھان اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے، پس تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم ان سے باز آؤ گے)۔

مگر ممانعت سخت وعید کے ساتھ نہ ہوتو علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس سے حرمت کا حکم مستنبط ہوگا یا نہیں؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ایسے صیغوں سے جن میں ممانعت تو وارد ہومگر سخت وعید نہ ہوتو حرمت کا حکم مستنبط کئے جانے کے قائل نہ تھے، ابن مبارک کہتے ہیں کہ سلام بن ابو مطیع نے مجھے ابن ابو دخیلہ کے حوالے سے اور انہوں نے اپنے والد سے کہ انہوں نے فرمایا میں ابن عمرؓ کے پاس تھا انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انگور اور کھجور دونوں کو ملانے سے منع فرمایا، تو مجھ سے میرے پیچھے بیٹھے ہوئے ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا فرمایا؟ میں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انگور اور کھجور کو حرام بنایا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں تو میں نے کہا کہ کیا آپ نے نہیں فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اس لئے یہ حرام ہے تو انہوں نے کہا کہ کیا آپ اس کی گواہی دیں گے؟ سلام کہتے ہیں کہ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کا کسی کام سے روکنا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کام ادب کے خلاف ہے۔

گذشتہ سطور میں ہم نے چند خداترس علماء جیسے امام احمدؒ و مالکؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب تک کسی شئی کے حرام ہونے کا یقین نہ ہوجائے اس وقت تک اس پر لفظ حرام کا اطلاق نہیں کیا جائے گا خاص طور سے اس صورت مسئلہ میں جس میں حرمت کا یا تو شبہ ہو یا اختلاف ہو۔

امام نخعیؒ فرماتے ہیں : ائمہ کرام کچھ چیزوں کو مکروہ سمجھتے تھے مگر انہیں حرام نہیں سمجھتے تھے، ابن عون فرماتے ہیں : مکحول نے مجھ سے کہا کہ آپ اس میوہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو لوگوں کے درمیان پھینک دیا جائے اور لوگ اسے لوٹنے لگیں میں نے کہا یہ مکروہ عمل ہے، انہوں نے سوالیہ لہجے میں کہا یہ حرام ہے؟ میں نے کہا کہ ایسا میرے نزدیک مکروہ ہے، پھر انہوں نے کہا کہ یہ حرام ہے؟ ابن عون کہتے ہیں...........

جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو قاسم بن محمد سے پوچھتے ہوئے سنا کہ گانا کیا حرام ہے؟ قاسم بن محمد خاموش رہے، اس نے دوبارہ سوال کیا پھر بھی خاموش رہے تیسری دفعہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا حرام وہ عمل ہوتا ہے جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہو، آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جب اللہ تعالی کے پاس حق و باطل دونوں طرح کے اعمال پیش کئے جائیں گے تو گانا کا شمار کس میں ہوگا؟ اس شخص نے کہا کہ باطل اعمال میں، تو انہوں نے فرمایا کہ جب آپ اس درجہ سمجھ چکے ہیں تو پھر اپنے آپ کو سمجھائیے۔

عبداللہ بن امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے جن چیزوں کی ممانعت وارد ہوئی ہے ان میں کچھ چیزیں حرام ہیں جیسے آپ ﷺ کا یہ منع فرمانا کہ کسی خاتون سے اس کی پھوپھی یا خالہ کی موجودگی میں نکاح نہ کیا جائے، اوراس طرح آپ ﷺ کا درندوں کی کھال سے روکنا حرام ہونے پر دلالت کرتا ہے، اس کے مماثل چند اور مثالیں دی ہیں جن میں ممانعت حرام کے ہم معنی ہے۔

اور چند چیزیں ایسی ہیں جن میں ممانعت خلاف ادب کے معنی میں ہے۔

## اللہ تعالی پاکیزہ شیئ کو حرام نہیں ٹھہراتا :

دوسری چیز یہ کہ مذکورہ تفصیلات جو کسی شیئ پر حرام کا حکم لگائے جانے اور نہ لگائے جانے سے متعلق تھیں سے یہ بات پوری مضبوطی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ ”طیبات“ (پاکیزہ چیزوں) کے سلسلے میں اصل حکم یہ ہے کہ وہ حلال ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی نے ان کی تخلیق اس غرض سے فرمائی ہے کہ بندگان خدا ان سے فیضیاب ہوں اور لطف اندوز ہوں، یہی وجہ ہے کہ رب کریم نے اپنی کتاب میں طیبات کو بطور احسان ذکر کیا ہے تو اس ذات عالی کے لئے کسی طرح سے مناسب نہیں کہ ایک بار بندوں پر احسان کریں پھر اسے حرام قرار دے کر بندوں کو اس نعمت سے مستفید ہونے سے روک دیں، ارشاد باری ہے : ”ولقد کرمنا بنی

آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات'' (الاسراء:۷۰) (اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائی) گویا پروردگار عالم کے نزدیک طیبات آدم خاکی کی تکریم وتعظیم کا جزء لاینفک ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ''الله الذی جعل لكم الأرض قرارا والسماء بناء وصوركم فأحسن صوركم ورزقكم من الطيبات ذلكم الله ربكم فتبارك الله أحسن الخالقين'' (غافر:۶۴) (اللہ ہی ہے جس نے زمین کو مخلوق کی قرارگاہ بنایا اور آسمان کو (مثل) چھت کے بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں (پس) یہ اللہ ہے تمہارا رب سو بڑا عالیشان ہے اللہ جو سارے جہاں کا پروردگار ہے)۔

طیبات کی روزی عالمین کے لئے رب کی ربوبیت کی دلیل ہے، اس لئے قرآن کریم نے سوال کرنے والوں کے سوال کا جواب دیتے ہوئے پوری وضاحت کے ساتھ طیبات کو حلال ٹھہرایا ہے ''يسألونك ماذا أحل لكم قل أحل لكم الطيبات'' (المائدہ:۴) (لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا (جانور) ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل (جانور) حلال رکھے ہیں، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے طیبات کو حلال بتانا اور خبائث کو حرام بتلانا آپ ﷺ کی رسالت کی امتیازی خوبی بتائی گئی ہے، اور اہل کتاب کے نزدیک آپ کا بنیادی اور نمایاں وصف تھا ''يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم إصرهم والأغلال التي كانت عليهم'' (الاعراف:۱۵۷) (ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں)۔

''طیبات'' کہتے ہیں جو دلوں کو بھائے اور جن سے دل محظوظ ہوں گویا طیبات کا لفظ

عام ہے اس میں کھانے پینے پہننے سونگھنے دیکھنے سننے کی قبیل کی تمام طرح کی طیبات شامل ہیں، کیونکہ ہر حال کے واسطے طیبات کا ایک حصہ موجود ہوتا ہے، پھر ایسی صورت میں یہ کہنا کہ ناک اس طرح کی خوشبو جو مشک، عنبر، گلاب اور عود کی قبیل کی ہوا سے سونگھنے اور مشام جاں کو معطر کرے، اور کان خوبصورت آوازوں سے لطف اندوز ہوا اور بلبل وعندلیب کی خوش الحانی سے مست ہو مگر بغیر آلات طرب کے بے معنی ہوجاتا ہے کیونکہ آلات کی آواز دراصل انسان کی طرف سے نقالی ہے اللہ تعالی کی اس کاریگری کی جو اس کی فطرت میں ودیعت ہے۔

لفظ ''الطیبات'' الف لام کے ساتھ استعمال ہوا ہے جس سے اس لفظ کے معنی کا عموم سمجھ میں آتا ہے جیسا کہ علماء اصول فرماتے ہیں، امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ ہر طرح کی پاکیزہ شیئ کو شامل ہے، اور یہ لفظ جب ''مستلذات'' کے ساتھ آتا ہے تو جیسا کہ قرائن سے خالی ہونے کی صورت میں بادی النظر میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مطلق ہے، اسی طرح جب ''طاہر'' اور ''حلال'' کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے تو مطلق ہوتا ہے، غرضیکہ عموم کا صیغہ کلیۃ کی حیثیت رکھتا ہے جو عام کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے، لہذا اس میں تینوں طرح کے مفاہیم یعنی واحد تثنیہ اور جمع سبھی مراد لئے جائیں گے، اور اگر عمومیت میں تخصیص کریں گے تب بھی ظاہر کے مطابق ہی تشخیص ہوگی پھر بھی عموم باقی ہی رہے گا، ابن عبد السلام نے ''دلائل الاحکام'' میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں طیبات سے مراد مستلذات ہے، اور جب طیبات کا حلال ہونا عموم کے ساتھ ثابت ہوجائے تو پھر اس عموم کے صرف اتنے ہی حصے کی تخصیص ممکن ہوگی جو صحیح سند سے ثابت اور معانی کے لحاظ سے واضح نص سے سمجھ میں آئے جیسے کہ وہ گانا جو معاصی والے مضامین پر مشتمل ہو اور اس کے علاوہ جو گانے ہیں وہ اپنی اصل کے اعتبار سے طیبات میں ہونے کی وجہ سے حلال ہوں گے۔

## سوم : حرمت غناء کے قائل حضرات پر تنقیدی نوٹس

اس عنوان کے تحت ہماری یہ خواہش ہے کہ حرمت کے قائل حضرات نے طرز استدلال کے اعتبار سے کہاں کہاں غلطی کی ہے ان کی نشاندہی کی جائے اور ان پر تنقیدی تبصرہ کیا جائے تا کہ دونوں فریق کے دلائل کی معقولیت واضح ہو جائے۔

سب سے پہلا قابل غور معاملہ یہ ہے کہ ان حضرات نے اباحت غناء کو ثابت کرنے والے دلائل سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ انہیں لائق اعتناء سمجھا ہی نہیں چاہے وہ دلائل ان شرعی نصوص کی شکل میں ہوں یا ان قواعد شریعت اور مقاصد شریعت کی شکل میں ہوں، جنہیں ہم نے ان کے محل میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کے برعکس ان لوگوں نے ان دلائل سے استفادہ کیا جنہیں ایسے مواقع پر بہت کم بیان کیا جاتا ہے، کیونکہ نقد کی کسوٹی پر کھرے نہیں اترتے، چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حرمت غناء کے سلسلہ میں کوئی بھی ایسا نص موجود نہیں جو صحیح سند سے ثابت ہو اور صراحت کے ساتھ اپنے مدعا کو واضح کر رہے ہوں۔

اسی طرح ان معاصر اہل علم نے زمانہ کے موجودہ حالات سے لوگوں کی صحیح صورت حال سے، ضروریات زندگی کی ترقی پذیری سے اور گانے بجانے میں لوگوں کے عمومی انہاک سے غفلت کا ثبوت دیا ہے، بالخصوص یورپ امریکہ اور افریقہ کے اقوام وملل کے گانے بجانے سے حد درجہ دلچسپی کے پہلو سے پہلو تہی اختیار کی ہے جبکہ اسلام اپنے پیغام کی وسعت و برتری کے لحاظ سے تمام عالم کے لئے ہے۔

دوسرا قابل غور پہلو یہ ہے کہ بعض علماء نے گانا کو حرام قرار دینے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا یہاں تک کہ اسے گناہ کبیرہ تک کہہ دیا، جبکہ اس طرح کی مبالغہ آرائی کسی مختلف فیہ

مسئلے میں غیر مقبول سمجھی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی کراہت کا قائل ہے تو وہ مجرد کراہت کا قائل ہے اور جو کوئی اباحت کا قائل ہے یا پھر استحباب کا۔

اور جو حرمت کا قائل ہے اس کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس گناہ کبیرہ کے درجہ میں اسے حرام سمجھے گا جس کا مرتکب ہر حال میں برے انجام تک پہنچ کر رہے گا جیسے کہ قتل وغارتگری، زنا کاری، شراب نوشی، سودخوری، یتیم کا مال کھانا، اور پاکدامن صاحب ایمان خاتون پر بدکاری کا الزام لگانا وغیرہ وغیرہ۔

امام ابوحنیفہؒ سے — جو گانا کے سلسلہ میں بڑے سخت تھے — کسی نے پوچھا کہ گانا گانے اور سننے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا نہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور نہ قابل مذمت گناہ صغیرہ ہے۔

اور یہی صحیح ہے اور معتبر علماء کی ایک بڑی تعداد نے اسی کی وضاحت کی ہے، اور ماوردی نے ان حضرات کی نکیر فرمائی ہے جنہوں نے گانا کو گناہ کبیرہ شمار کیا ہے۔

اور یہی بات معروف شافعی فقیہ علامہ بن حجر ہیثمی کی تحریر سے سمجھ میں آتی ہے جو انہوں نے غناء کے سلسلہ میں اپنی کتاب ''الزواجر عن اقتراف الکبائر'' میں لکھی ہے۔

''اس طرح کی بات کہنا یعنی گانا کو گناہ کبیرہ کہنا حد درجہ غلو پسندی کی ایک بدھی مثال ہے، جس میں اللہ کی مخلوق کو ایسے مسئلے میں زچ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے امت کا سواد اعظم دوچار ہے، اور بڑی کم تعداد گریز کئے ہوئی ہے''۔

آپ غور کریں اباحت غناء کے قول جس میں غناء کو مسنون کہے جانے والا قول شامل نہیں ہے اور گناہ کبیرہ کے قول کے درمیان پائے جانے والے بڑے فرق پر تو ان دونوں قول کے درمیان آسمان زمین کا فرق نظر آئے گا۔

لہذا غناء کی مسنونیت کا قول اس سے کم درجہ کا قول وہ ہے جس میں غناء کو مباح کہا گیا ہے اور اس سے کم درجہ کا قول وہ ہے جس میں اسے مشتبہ کہا گیا ہے، اور اس سے کم درجہ کا قول وہ ہے جس میں اسے حرام کہا گیا گناہ صغیرہ ہونے کی بنا پر اور اس سے کم درجہ کا قول وہ

ہے جس میں اسے حرام بتلایا گیا ہے گناہ کبیرہ ہونے کی بنیاد پر، بلکہ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جنہوں نے گانا گانے سننے کو حلال سمجھنے والوں کو کافر تک کہہ دیا ہے (والعیاذ باللہ)۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ گانا حرام ہے مگر وہ گناہ صغیرہ ہے تو معاملہ کچھ آسان رہے گا، کیونکہ صغیرہ گناہوں کے واسطے نماز پنجگانہ نماز جمعہ رمضان کے روزے تراویح اور صدقہ وزکاۃ وغیرہ جیسی نیکیاں کفارہ ثابت ہوتی ہیں، صحیح حدیث میں آیا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز پنجگانہ، جمعہ کی نماز دوسری جمعہ تک، رمضان کے روزے آنے والے روزوں تک کے لئے کفارہ ہوتے ہیں بشرطیکہ گناہ کبیرہ سے بچا جائے، ارشاد باری تعالی ہے: "**وأقم الصلاة طرفي النهار وزلفاً من الليل إن الحسنات يذهبن السيئات**" (ہود: ۱۱۴) آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو)۔

بلکہ قرآن کریم میں یہاں تک صراحت کی گئی ہے کہ صرف کبیرہ گناہوں سے گریز صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ثابت ہوجاتا ہے اور فضل خداوندی کے پیش نظر ایسا ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، "**وإن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم وندخلكم مدخلاً كريماً**" (نساء: ۳۱) (جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں جو بھاری بھاری کام ہیں اگر تم ان سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں تم سے دور فرما دیں گے اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کردیں گے)۔

اور ایسا اس لئے ممکن ہے کہ اللہ کی رحمت کا پہلو عدل کے پہلو پر غالب رہتا ہے، اس لئے رحمت خداوندی غضب الہی پر فائق رہتی ہے اور اللہ تعالی کی رحمت ہر شیئ کو اپنے پہلو میں سموئے ہوئے ہے، اور نیکی کا بدلہ اسی کے مثل دس گنا یا سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ دیا جاتا ہے، اور برائی کا بدلہ ایک یا معاف کردی جاتی ہے، اور جو نیکی کا ارادہ کرتا ہے مگر اسے عملاً برت نہیں پاتا تو اسے ایک نیکی مل جاتی ہے، اور اگر ایک برائی کرتا ہے تو ایک برائی لکھ دی

جاتی ہے۔

اسلام لوگوں کی مختلف انواع، مختلف رجحانات اور آپس کی امتیازی صفات اور دلچسپیوں کی بھرپور رعایت کرتا ہے :

چوتھا قابل غور امر یہ ہے کہ ہم ہمیشہ اس حقیقت کوملحوظ رکھیں کہ اسلام ایک عالمی وآفاقی پیغام ہے، جومختلف رنگ ونسل اورمختلف علاقہ وطبقہ سے مخاطب ہوتا ہے، لہذا یہ کہنا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں کہ یہ صرف عرب کا پیغام ہے عجم کے لئے نہیں ہے، یا صرف اہل مشرق کے واسطے ہدایت ہے اہل مغرب کے لئے نہیں، اورصرف گرم علاقوں کی رہنمائی کرتا ہے ٹھنڈے علاقوں کی نہیں، اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ بورطبیعت افراد کے لئے قابل عمل ہے نہ کہ پرمزاح وپرمذاق حضرات کے لئے، اورصرف طاقتورلوگوں کے لئے ہے نہ کہ کمزوروں کے لئے، اورصرف مردوں کے لئے ہے نہ کہ عورتوں کے لئے اورصرف بزرگوں کے لئے ہے نہ کہ جوانوں کے لئے۔

اسلام کے اس ہمہ گیر تصور کو سامنے رکھئے تونظر آئے گا کہ اس مذہب میں لوگوں کے درمیان موجود امتیازی خوبیوں کی پوری رعایت کی گئی ہے، ساتھ ہی یہ پہلوبھی اس کے مدنظر ہے کہ لوگ اپنے رجحانات صلاحیت اورقوت برداشت وبرتاؤ کے لحاظ سے باہم متفاوت ہوتے ہیں، ارشادربانی ہے :"**ثم أورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات بإذن الله**" (فاطر:۳۲) (پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے (تمام دنیا کے) بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پرظلم کرنے والے ہیں اوربعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں"، اس آیت میں لوگوں کے مختلف رجحانات کی نشاندہی کی گئی ہے، جنکی ابتداء "ظالم لنفسہ" سے ہوتی ہے، اورانتہاء "سابق بالخیرات" پرہوتی ہے، اورہرقسم کےلوگ رب کریم کی اسی پسندیدہ امت میں شامل ہیں، کتاب

الٰہی کے وارث ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں تین اعتبار سے ان کی شان میں تعریفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں : ایک تو یہ کہ انہیں کتاب کا وارث بنایا گیا ہے اور کتاب کا وارث وہی ہوتا ہے جسے رب چاہتا ہے، پھر فرمایا : "الذین اصطفینا" اس میں اعلیٰ درجہ کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے، پھر ایسے افراد کی نسبت رب کریم نے اپنی طرف کی اور انہیں "عبادنا" کہا گویا دوبار عزت افزائی کی گئی۔

اللہ کے رسول ﷺ اس طرح کی امتیازی خوبیوں کا لحاظ فرماتے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی تاکید فرماتے اور اس سے غافل نہ رہنے کی ہدایت فرماتے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ حبشیوں کے حق میں توسع فرماتے اور انہیں مسجدوں میں رقص کی اجازت دیتے کیونکہ آپ ﷺ کو ان کے بارے میں یہ علم تھا کہ وہ لوگ اس طرح کے کھیل کود کے شوقین ہیں، اور اس کی محبت ان کے گوشت پوست میں سرایت کی ہوئی ہے، اس لئے جب حضرت سیدنا عمر فاروقؓ جیسے باکردار مہذب شخص نے ان حضرات کی اس عمل پر نکیر فرمائی یہاں تک کہ ان پر کنکری پھینکی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا : "دعہم یا عمر" (اے عمر انہیں کچھ مت کہو انہیں کھیلنے دو)۔

حضرت عائشہؓ کی ایک رشتہ دار خاتون کی ایک انصاری صحابی سے شادی ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ کیا اس موقع پر کھیل تماشا کچھ نہیں ہوا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا نہیں تو آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہونا چاہئے کیونکہ قبیلہ انصار کے لوگ کھیل کود کو پسند فرماتے ہیں۔

وجہ اس کی یہ تھی کہ مہاجر قریش کھیل کود سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے اور قبیلہ اوس وخزرج کے انصاری کھیل کود کے بڑے دلدادہ تھے اس لئے بعض روایتوں میں "**هلاّ كان معهم غناء؟ فإن الأنصار يعجبهم الغناء**" آیا ہے (یعنی ان کے واسطے رقص وسرور اور گانا سننے سنانے کی مجلس کیوں نہیں آراستہ کی گئی کیونکہ قبیلہ انصار کے لوگوں کا گانا سننا اور سنانا محبوب

مشغلہ ہے)۔

اس طرح کسی بھی طرح یہ مناسب نہیں کہ ہم نوجوانوں اور بزرگوں کے درمیان، عورتوں اور مردوں کے درمیان کھیل کود کی جانب میلان کا جو فرق پایا جاتا ہے اسے نظرانداز کردیں، کیونکہ شادی بیاہ اور خوشی کی دیگر تقریبات کے موقع پر عورتوں کا رجحان گیت گانے اچھلنے کودنے کا ہوتا ہے جبکہ مردوں کا رجحان بالکل ایسا نہیں ہوتا۔

دراصل یہی بنیادی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے گھر میں دو باندیوں کو گانے کی اجازت دی اور ان دونوں کی آواز سنی، اور جب حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں کو روکا تو انہیں منع فرمایا اور ان سے کہا کہ انہیں گانے دو، تاکہ حضرت ابوبکرؓ اپنی سنجیدہ مزاجی کا پورے سماج کو پابند نہ بنا سکیں بلکہ پوری انسانیت پر ہر وقت گرچہ خوشی و مسرت کا موقع ہو اپنی خاموش اور سنجیدہ طبیعت کو لازم نہ کرسکیں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی نوعمری اور کھیل کود سے ان کی دلچسپی کا پورا خیال فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دی کہ وہ دو باندیاں جو دف بجا کر ان کے گھر میں گا رہی ہیں انہیں سنیں اور اتنا ہی نہیں بلکہ جس عمل کو ان کے والد محترم اس درجہ ناپسند فرماتے تھے کہ اسے راہ حق سے انحراف سمجھتے تھے اس کی بھی اجازت مرحمت فرمائی، اور حضرت ابوبکرؓ کے متشددانہ موقف اور سخت نظریہ کی اپنی نوجوان بیوی کی نفسیات اور خواہشات کی رعایت کی خاطر تائید نہیں کی، اسی طرح انہیں اس کی بھی اجازت دی کہ وہ حبشیوں کو جو اپنے ہتھیار سے مسجد میں کھیل کود رہے تھے کو دیکھیں اور اس سے محظوظ ہوں اور آپ کی ذات گرامی بذات خود ان حضرات کی ہمت افزائی کر رہی تھی اور ان سے کہہ رہی تھی "دونکم یا بنی أرفدة" (اے بنی ارفدہ کھیلتے جاؤ)۔

امام نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے جب حبشی مسجد میں داخل ہوئے تو فرمایا اے حمیراء کیا تم انہیں دیکھنا چاہتی ہو؟ کہتی ہیں کہ میں

نے کہا ہاں آپ دروازہ پر کھڑے تھے میں بھی آئی اور اپنی ٹھڈی آپ ﷺ کی گردن پر رکھی اور اپنا چہرہ آپ ﷺ کی گال سے ٹیک دی۔ الحدیث۔

ایک روایت یوں بیان کرتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو پایا کہ مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے ہیں اور میں حبشیوں کو مسجد میں کھیلتے دیکھ رہی ہوں اور اس وقت میں نوعمر تھی تو اس سے آپ ایک نوعمر کھیل کی شوقین لڑکی کے جذبات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ اپنی ان تمام تر روایتوں میں امت کو اس بات کی تعلیم دے رہی ہیں کہ احوال و کوائف کی رعایت کرنا لوگوں کی دلچسپیوں اور ذوق وشوق کا لحاظ رکھنا یہ اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کا حصہ ہے۔

یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ طاقت وقوت عزم وحوصلہ کے مالک افراد کو اور اپنے آپ کو سخت مزاجی اور اضمحلالی کیفیت کا خوگر بنانے والوں کو چاہئے کہ تمام لوگوں کو اپنے اس طریقہ کار پر کار بند کرنے کی ترغیب نہ دیں، اس لئے کہ لوگ اپنی قوت برداشت مزاج اور رجحان کے اعتبار سے باہم متفاوت ہوتے ہیں، کچھ لوگ طاقت ور ہوتے ہیں اور کچھ کمزور صابر ہوتے ہیں اور کچھ جلد باز اور کمزور دل، کچھ خوش مزاج ہوتے ہیں اور کچھ سخت مزاج اور مضمحل طبیعت، کچھ رنگین مزاج یعنی تنوع پسند ہوتے ہیں اور کچھ سراپا عمل، تاہم شارع حکیم نے اپنی حکمت پر جنسی قانون سازی اور رہنمائی میں مزاجوں کی تمام نزاکتوں اور اختلافات پیش نظر رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت کا دروازہ کسی ایک جماعت کے لئے وا ہو اور دوسرے کے لئے بند ہو ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ سبھوں کے لئے دروازہ کھلا رکھا گیا، تو جہاں ایک طرف نیکیوں میں محض توفیق الٰہی کے نتیجہ میں پہل کرنے والے طاقت ور لوگوں کا تذکرہ کیا گیا تو دوسری طرف دائیں طرف کے معتدل مزاج حضرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ انہیں بھی شامل کیا گیا اور اتنا ہی نہیں عوام میں جو حضرات کوتاہی برتنے والے ہیں اور اپنے حق میں ظالم ہیں انہیں بھی شریک کیا گیا۔

اس لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کے لئے یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ تسلسل سے روزے رکھیں گرچہ آپ تسلسل سے روزے رکھتے تھے، اور فرمایا : "أیکم مثلی"؟ تم میں کون میری طرح ہے؟ نماز کو اتنی لمبی کر دینا کہ لوگ نماز سے بدک جائیں اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا : "تم میں کچھ لوگ بدکنے والے ہیں اس لئے جو کوئی نماز پڑھائے تو اعتدال سے پڑھائے کیونکہ ان کے پیچھے بڑے بیمار اور ضرورت مند ہیں۔

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈال دو گے؟ یہ وہی معاذ ہیں جن سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا "إنی لأحبک" (میں تم سے محبت کرتا ہوں)۔

جس طرح اعتدال کا یہ طریقہ کار مامورات کے سلسلہ میں زیر عمل لایا گیا ہے اسی طرح "منہیات" کے سلسلہ میں بھی بروئے کار لایا جائے گا۔

"غیر قوم کے واسطے اسلام کی بہترین تصویر کشی کی جائے اسے مدنظر رکھتے ہوئے دعوت کا فریضہ انجام دینا" :

ان لوگوں کو جو اسلام کا پیغام تمام لوگوں تک پہنچاتے ہیں چاہیے کہ دوسرے مذاہب کے اسلام مخالف حضرات نے اپنی نگاہ میں اسلام کا جو تصور قائم کر رکھا اور اس کی جو تصویر بنا رکھی ہے اس سے غفلت نہ برتیں بلکہ اسے نگاہ میں رکھتے ہوئے اسلام کی ایسی تصویر کشی کریں کہ وہ اسلام کی جانب مائل ہو جائیں اور اسے حرز جاں بنالیں اور اس حقیقت پر ان کا یقین کامل ہو جائے کہ اسلام محبت وخوشخبری کی تعلیم دیتا ہے نہ کہ نفرت وبغاوت کی، کیونکہ یہ دین آسانی، وسعت اور بلند خیالی کا پیکر ہے، کبھی ان کے سامنے دین کی ایسی وضاحت نہ کریں جس کی وجہ سے وہ دین سے بیزار ہو جائیں، اور دین کو سختی اور تنگ نظری سے تعبیر کرنے لگیں۔

یہ طریقہ کار نبی کریم ﷺ کے اس طرز عمل سے ابھر کر سامنے آتا ہے جو آپ ﷺ نے دو باندیوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اجازت دیتے وقت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس سلسلہ میں اختیار کئے جانے والے سخت جارحانہ موقف کے جواب میں علت بیان

کرتے ہوئے اختیار فرمایا، اور ایسا تو آپ ﷺ کے قول سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے "حتی تعلم الیهود أن فی دیننا فسحة وإنی بعثت بحنیفیة سمحة" (تاکہ یہود کو معلوم ہوجائے کہ میرا مذہب وسعت نظری پر قائم ہے اور میں سیدھی سادی حنیفیت لے کر اس دنیا میں آیا ہوں)۔

اور آج ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلام پورے عالم میں پھیل جائے اور اس کی دعوت تمام اقوام عالم تک پہنچے، جن میں کچھ قومیں تو ایسی ہیں جن کے نزدیک گانا بجانا رقص وسرور ان کی زندگی کا جزولاینفک ہے، جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی ہیں اور نہ انہیں زندگی میں چین وسکون مل سکتا ہے اگر ان کو اس سے محروم کردیا جائے، اس سلسلہ میں امریکہ ویورپ کی وہ ترقی یافتہ قومیں جنہوں نے فضاؤں کو زیر کرلیا ہے ذروں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اصل حقیقت دریافت کی ہے، کمپیوٹر، ڈی این اے ٹسٹ وغیرہ ایجاد کیا ہے، معلومات اور مواصلات کی دنیا میں بڑے بڑے حیرت انگیز اکتشافات کئے ہیں اور افریقہ وایشیا یعنی تیسری یا چوتھی دنیا کی زوال پذیر قوم دونوں برابر ہیں، تو ہم انہیں کیسے اسلام کی رغبت دلائیں گے؟ اور کیسے ان پر گانا بجانا حرام کریں گے؟ اور کیسے ان کو اس بات سے ڈرائیں گے کہ قیامت کے دن ان کے کانوں میں پگھلایا ہوا شیشہ ڈالا جائے گا؟ اور اس کے علاوہ دوسرے ذلت آمیز عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جبکہ وہ لوگ میوزک کو اپنی روح کی غذا سمجھتے ہیں وجدان کی بلندی اور انسانی ترقی کا زینہ تصور کرتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اسلام میں تحریف کرڈالیں اور حرام کو حلال بنادیں، تاکہ غیر مسلم کے دل میں اسلام کی محبوبیت قائم ہوجائے، کیونکہ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اسلام کے سامنے جھک جائیں نہ کہ اسلام لوگوں کے سامنے، وجہ اسلام کلمۃ اللہ ہے اور اللہ کا کلمہ بلند ہی رہتا ہے۔

بلکہ میری مراد یہ ہے کہ — جس وقت ہم اسلام کی دعوت دیں — اس وقت اسلام کی

عالمگیریت جامعیت اور ہرزمان ومکان کے واسطے اس کی فعالیت ولیاقت اوراثر پذیری سے صرف نظر نہ کریں، جب ہمیں ایسے احکام نظر آئیں جو صرف ایک مخصوص جماعت اور مخصوص ماحول کے ساتھ اس طرح خاص ہو کہ انہیں عام کرنا ممکن نہ ہوتو اس وقت ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اسلام کے حقیقی احکام نہیں ہیں بلکہ اسلام میں بذریعہ تاویل زبردستی داخل کردیئے گئے ہیں، جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ ہرایسے مسئلہ کے بارے میں فرماتے ہیں جوشریعت میں داخل کردیا گیا ہو اور وہ انسانی مصلحت حکمت ودانائی اورانسانی رحم وکرم کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہوتو اسے شرعی مسئلہ کا نام نہیں دیں گے گرچہ بذریعہ تاویل شریعت میں داخل کردیا گیا ہو۔

## محل اختلاف کی نشاندہی :

چھٹی چیز جو قابل ذکر ہے اور قابل غور ہے وہ دراصل وہ تمام عناصر اورعوامل ہیں جو اختلاف کی دوڑ میں شامل ہو گئے ہیں اور جن کی وجہ سے اختلاف وکشمکش کی حدت مزید بڑھ گئی ہے اور آگ پر تیل ڈالنے جیسی احمقانہ حرکت کو زیرعمل لایا گیا ہے، جبکہ یہ سارے عوامل وعناصر اوران میں غور وخوض ہمارے اس اختلاف کا موضوع نہیں ہیں، بلکہ ہمارے لئے ضروری ہے ہم انہیں اپنے اختلافی دائرے سے خارج سمجھیں تاکہ عجیب وغریب ان عوامل کی دخل اندازی سے نجات ملے جو ایک باحث کی تحقیقی کاوشوں اوران سے حاصل ہونے والے نتائج کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں :

## (ا) وہ پریشان کن اوراثرانداز عوامل کیا ہیں؟

ا–صوفیہ اورغیرصوفیہ کے درمیان ایک نزاعی مسئلہ یہ ہے کہ غناء اورسماع کوعبادت سمجھا جائے اوراسے مسجد میں انجام دیا جائے یانہیں؟ اس مسئلہ کی وجہ سے صوفیہ کے مخالف علماء نے ان پرتنقید کے تیر چلائے، اور پوری طرح ان کی مذمت میں پل پڑے۔جس کا مشاہدہ عملی طور پر امام ابن قیم کے یہاں ہوتا ہے جو پوری گرمجوشی کے ساتھ اباحت غناء کے قائل علماء کا

مقابلہ کرتے ہیں اور ہر طرح سے ان کا رد کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ دیکھیں گے کہ وہ اس مسئلہ میں بحث نہیں کرتے بلکہ اپنے مخالف سے جنگ کرتے ہیں، اور ایسے کمزور غیر معتبر دلیل سے استدلال کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے علاوہ کسی دوسرے مسئلہ کی بھی دلیل نہیں بن سکتی۔

میں نے جستجو کر کے ان کے اس جارحانہ موقف کا راز اور اس کی بنیاد تک رسائی حاصل کی وہ یہ کہ ان کی جنگ اصلاً صوفیاء کے گانے بجانے کے خلاف ہے جسے وہ حضرات سلوک کے منازل طے کرنے والوں کے واسطے لازم قرار دیتے ہیں، لہذا علامہ ابن قیم کے نزدیک صوفیہ کا یہ عمل غیر مشروع طریقے سے قرب الٰہی کی ناکام ومذموم کوشش ہے، اور دین میں نئی چیز داخل کرنا ہے جو سراسر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی کا نام ہے، ''إغاثۃ اللہفان'' میں موجود ان کے اقوال واشعار کا مطالعہ کیجئے آپ کو مذکورہ حقیقت کا یقین ہو جائے گا۔

وہ اس فصل کا آغاز درج ذیل عبارت سے کرتے ہیں :

اللہ کے دشمن کے ان مکر وفریب میں سے جس کے شکار وہ حضرات ہو جاتے ہیں جنہیں علم وعقل کا کمتر حصہ نصیب میں ملا ہے اور جنہیں دین کی نہایت کم واقفیت ہے سیٹی اور تالی کا سننا ہے، بیہودہ طبیعتیں جن پر فریفتہ ہو جاتی ہیں، اور دشمن خدا بندگان خدا کو دھوکہ دینے اور انہیں اپنی سازش کی جال میں پھانسنے کی غرض سے اس نازیبا اور غیر معقول حرکت کو خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں، اور دل میں پیدا ہونے والے شیطانی شبہے اور وسوسے اسے خوبتر سمجھنے اور قبول کرنے پر آمادہ کرتے ہیں نتیجۃً آوارہ دل اس کے بہکاوے میں آجاتے ہیں اور قرآن کریم سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مالکی فقیہ ابو بکر طرطوشی سے جو منقول ہے اس سے بھی امام ابن قیم کی تائید ہوتی ہے، ان کے خیالات اشعار کے قالب میں ڈھلے ہوئے ہیں جو عوام وخواص کے لئے نور بصیرت ہیں اور صوفیہ کی جماعت میں جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان پر اپنی برہمی کا اظہار کر رہے ہیں :

تلی الکتاب فأطرقوا لا ضیفة — لکنه إطراق ساه لاهی
وأتی الغناء فکا لحمیر تناهقوا — والله ما رقصوا لأجل الله
دف ومزمار ونغمة شادن — فمتی رأیت عبادة بملاهی
ثقل الکتاب علیهم لما رأواه — تقییده بأوامر ونواه
وأتی السماع موافقا أغراضها — فلأجل ذلک عدا عظیم الجاه

وقال آخر :

برئنا إلی الله من معشر — بهم مرض من سماع الغناء
وتکرارنا النصح منا لهم — لتعذر فیهم إلی ربنا
فعشنا علی سنة المصطفی — وماتوا علی (ثنتنا تنتنا)

تو ان کی اصل جنگ ان صوفیاء سے ہے جو گانا سننے میں اس قرآن کریم سے غافل ہو گئے جو متقیوں کے لئے باعث راحت ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعہ حلاوت ہے۔

گانا کے موضوع سے متعلق ان کی ایک مستقل کتاب ہے جو ''کشف الغطاء عن حکم مسئلۃ الغناء'' کے نام سے معنون ہو کر شائع ہوئی ہے، جس میں انہوں نے صوفیاء کے گانوں اور غناء کے ذریعہ تقرب إلی اللہ کے ان کے دعووں کا رد کیا ہے اور ان کے شبہات کو بے بنیاد قرار دیا ہے، اس طرح اس سلسلہ کا ایک مکالمہ بھی تحریر کیا ہے جس میں ذیل کے اسلوب پر حقیقت بیانی کی گئی ہے :

قال صاحب الغناء وقال صاحب القرآن

اول الذکر میں صوفیاء کے دعاوی ذکر کئے ہیں اور مؤخر الذکر میں ان کے دعووں کی تردید کی ہے اور ان کی بے ثباتی وکمزوری ظاہر کی ہے۔

ہم اس عنصر کو اختلاف کے دائرے سے خارج کرتے ہیں اور پوری اس غناء پر مرکوز کرتے ہیں جسے کھیل کود سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ اس وقت ہماری بحث وتحقیق کا

موضوع اس طرح کا گانا بجانا نہیں ہے جسے ذریعہ عبادت تصور کیا جاتا ہے، بلکہ گانے بجانے کی وہ قسم موضوع بحث ہے جسے دلبستگی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ گانا بجانا تفریح قلب کا ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ رب کے تقرب کا وسیلہ، بعد میں گانے بجانے کے مذہبی پہلو پر ہم روشنی ڈالیں گے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اختلافی رائے سے اس طرح کے گانا کو بھی خارج کردیں جس میں گناہ اور معصیت اور دیگر برائیوں کا پہلو غالب ہو مثلاً وہ گانے جن کے مضامین اسلامی عقائد یا اسلامی شریعت یا اسلامی اقدار یا اسلامی اخلاقیات کی مخالفت پر مبنی ہوں یا ان میں بے حیائی یا شراب نوشی کی تعلیم دی گئی ہو، ایسے گانوں کی حرمت کی کوئی فقیہ مخالفت نہیں کرے گا، کیونکہ ان میں گناہ یا گناہ کی ترغیب کی بابت زور آزمائی کی گئی ہے جس سے دین ودنیا کا بگاڑ لازم آتا ہے۔

موجودہ زمانہ کی برانگیختہ کرنے والی اور انسانی جذبات کو چھیڑنے والی میوزک جس کا بالعموم مغربی فنکار نغمہ سنجی کرتے وقت سہارا لیتے ہیں، نتیجتاً اس حیا سوز منظر کو دیکھنے والا یا سننے والا شخص پوری طرح سے حواس باختہ ہو کر شہوانیت کے نشے میں دھت ہو جاتا ہے اور اپنے وجود سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح رقص وسرور کی وہ غیر سنجیدہ مجلس جس میں برہنہ ہو کر پیشہ ور رقاصائیں رقص کرتی ہوئی نغمہ سرائی کرتی ہیں پھر اسے ٹیلی کاسٹ کیا جاتا ہے تاکہ پوری دنیا کا ایک ایک فرد اس سے اپنی بیمار ذہنیت کو فروغ دے سکے، اس طرح پروگرام کے حرام ہونے میں کسی طرح کوئی شک نہیں۔

عنقریب ہم چند ایسے ضابطہ بھی بیان کریں گے جن کے دائرہ میں گانا اور میوزک کا ہونا ضروری ہے تاکہ اباحت کے سلسلہ میں کسی طرح کا کوئی شک باقی نہ رہے۔

## جذبات وتاثرات سے ہٹ کر مقصدیت کی روشنی میں غور وفکر کی ضرورت ہے :

ساتویں چیز جو قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ شخصی اور ذاتی پہلو کو اختلافی موضوع سے خارج کر کے صرف دلائل کی روشنی میں غور کریں، اس لئے کہ میرا مشاہدہ ہے کہ اس موضوع پر بحث وتحقیق بہت حد تک مقصدیت سے منحرف ہو چکی ہے، اور خالص ذاتی پہلوؤں پر مرکوز ہوگئی ہے، اور علمی تنقید میں طعن وتشنیع فریق مخالف کو مجروح کرنے اور اس کے دین واخلاق کو مورد الزام ٹھہرانے کا عنصر شامل ہو چکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ غیظ وغضب اور تاثراتی کیفیت نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتی ہے، جس کے اثرات بالخصوص حرمت کے قائل فریق کے لہجے کی شدت میں نظر آتے ہیں، اور اس طور پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں کہ جابجا خطابی اسلوب پر برہانی اور مناظراتی اسلوب غالب نظر آتا ہے، اور کبھی ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جو تباہ وبرباد کرنے والے بم معلوم ہوتے ہیں نہ کہ جذبات وخیالات کو بیان کرنے والے کلمات۔

اس طرح کے غلط جذبات کی وجہ سے حرمت کا قائل طبقہ ہر اس شخص کو جو گانا اور آلات غناء کی اباحت کا دفاع کرتا ہے اس پر گندے الزامات لگانے پر آمادہ ہوگیا، جیسا کہ ان لوگوں نے ابراہیم بن سعد، عبیداللہ بن حسن عنبری، ابوالفضل حافظ بن طاہر اور ابومحمد بن حزم وغیرہ کے بارے میں ایسے نازیبا کلمات کہے جس کا ایک عالم کی طرف سے اپنے جیسے عالم کے بارے میں کہنا یا اپنے سے بڑے عالم کے بارے میں کہنا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں تھا۔

لیکن ان علماء میں جو منصف مزاج تھے اور اعتدال پسند تھے وہ اس سیلاب بلاخیز کے شکار نہیں ہوئے اور ہر صاحب حق کو اس کا جو حق تھا اسے ادا کرنے سے ذرہ برابر منحرف نہیں ہوئے، لہذا ایمان والے کو یہ زیبا نہیں کہ جب وہ غصہ ہو تو اس کا غصہ اسے راہ حق سے دور کردے، اور جب راضی ہو تو اس کی رضامندی اسے باطل کو قبول کرنے پر آمادہ کردے۔

اصل مسئلہ ہے حسن نیت کا، کسی مسلمان کے طرزِ عمل کو صلاح وتقوی پر محمول کرنا اور تمام مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا، تو پھر وہ علماء جو پوری انسانیت میں نمایاں ہوتے ہیں ان سے بدگمانی کیسے روا سمجھی جا سکتی ہے؟

فرض کیجئے کہ ان علماء نے غلطی کی تو کیا یہ معذور نہیں سمجھے جائیں گے؟ بلکہ کیا انہیں اجر نہیں ملے گا؟ کیا یہ متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے کہ جب کوئی عالم اجتہاد کرتا ہے اور اس سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے؟

اس موضوع کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ کسی عالم کو محض اس کی رائے زنی کی بدولت مجروح کیا جائے نہ کہ کسی دوسری وجہ سے جو فکری دہشت گردی کا ایک حصہ ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صاحب رائے شخص — جو گرچہ صاحب اجتہاد ہو — اس قدر خوفزدہ ہو جائے گا کہ وہ دوسروں سے اپنی رائے چھپائے رکھے گا، اور اپنی عزت وآبرو کی خاطر اسے محفوظ اور اپنی حد تک محدود رکھے گا، ورنہ اسے اس کی پاداش میں بے جا تنقید اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، الغرض پوری امت اس طرح کی بیہودہ نقل وحرکت کی بنا پر بہت سی مضبوط اور نفع بخش آراء وتجاویز سے محروم ہو جائے گی، اور اپنے تنگ نظر علماء کی ضمیر کی تنگ دامنی کا غلام بن کر رہ جائے گی، بالآخر اپنے نام نہاد محافظ علماء کے غصہ کے ڈر سے اور کہیں عوام اس کے خلاف برانگیختہ نہ ہو جائے اس ڈر سے بھی موت کو گلے لگانے پر اپنے کو مجبور محسوس کرے گی، اور ایسی نفرت انگیز صورتحال میں نقصان صرف علم کا ہوگا اور امت کا ہوگا، اور یہ کہا جائے گا کہ اس رائے کا کوئی قائل نہیں تھا جبکہ تھا مگر وہ اپنی رائے ظاہر کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس لئے اس موضوع پر حکم لگاتے وقت آسان پہلو کی رعایت ضروری ہے۔

آٹھویں چیز جو اس وقت خصوصیت کے ساتھ موجودہ حالات کے تناظر میں اہل فتوی پر عموماً لازم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موضوع پر آخری حکم صادر کرتے وقت آسان پہلو اختیار کریں، فقہ کا معروف قاعدہ ہے کہ ''عموم البلوی'' جب کسی شئی کا ابتلاء عام ہو جاتا ہے تو اس پر

حکم نافذ کرتے وقت آسان پہلو اختیار کیا جاتا ہے، کیونکہ عموم بلوی احکام کی تخفیف کا اہم ذریعہ شمار کیا جاتا ہے، اور اکثر وبیشتر فقہاء کا یہ طرز عمل مشاہدہ میں آتا رہتا ہے کہ ابتلاء عام پر فتوی دیتے وقت حکم کا وہ پہلو جو آسان ہوتا ہے اسی پر فتوی دیتے ہیں، نہ کہ سختی پر مبنی اور محتاط پہلو پر، اس لئے اس طرح کے مسئلوں میں ان کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے، "**هذا أرفق بالناس**" یہ پہلو لوگوں کے مناسب حال ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی شیئ کا ابتلا عام اکثر اس وقت ہوتا ہے جب اس کی ضرورت بڑھ جاتی ہے، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنے وسیع پیمانہ پر اس کا تعامل نہ ہوتا، اور جب اس شیئ کی ضرورت ہے تو شرعاً اس ضرورت کا اعتبار بھی کیا گیا ہے اور خصوصاً جب ضرورت ابتلاء عام بن جائے، تو فقہاء فرماتے ہیں : "**الحاجة تنزل منزلة الضرورة خاصة أو عامة**" (حاجت ضرورت کے درجہ میں منتقل ہوجاتی ہے چاہے وہ خصوصی یا عمومی، اسی طرح فقہاء کہتے ہیں "**ما حرم لسد الذريعة يباح للحاجة**" (جو شئی سد ذریعہ کے طور پر حرام کی گئی ہو وہ حاجت کی خاطر مباح کردی جاتی ہے)، جس طرح سے اگر کوئی شئی ذاتی طور پر حرام ہوتی ہے مگر اضطرار کی حالت میں مباح قرار دی جاتی ہے، اور فقہاء کے بیان کردہ قواعد جیسے "**إذا ضاق الأمر اتسع**" (جب تنگی کی صورت پیدا ہوتی ہے تو وسعت پر مبنی صورت اختیار کی جاتی ہے، "**المشقة تجلب التيسير**" (تنگی آسانی پیدا کرتی ہے)، "**الفتوى تتغير بتغير الزمان والمكان**" (فتاوی زمان ومکان کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں)، اور "**لا حرج في الدين**" (دین میں کوئی تنگی نہیں ہے) وغیرہ بھی ایسے مسائل میں آسانی اور وسعت پسند نظریہ کو قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

احکام میں تخفیف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ گذشتہ زمانہ میں جب کسی کو گانا سننے کی چاہت ہوتی تو وہ غناء گانا اور طرب وتماشا کی مجلس میں ضرور جاتا، اور بہت کم مجلسیں ایسی ہوتیں جو شراب نوشی اور دیگر بے حیائی کے مظاہر سے پاک ہوتی تھیں، چنانچہ اس میں کوئی اختلاف

نہیں کہ اس قسم کی مجلس شرعاً حرام ہے۔

مگر موجودہ زمانہ میں گانا سننے کی خواہش رکھنے والے کو اس طرح کی مجلسوں میں شرکت کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ اگر وہ گانا سننا چاہے تو وہ کیسیٹ یا ریڈیو یا ٹیلی ویژن سے سن سکتا ہے گرچہ ٹیلی ویژن پر ایسی تصویریں ٹیلی کاسٹ کی جاتی ہیں جو شرعاً غیر مقبول ہوتی ہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ گانا کے سلسلہ میں فتوی دیتے وقت گذشتہ اور موجودہ زمانے کے اس فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔

## متقدمین فقہاء پر اعتماد کیا جائے :

نویں چیز جو قابل غور ہے وہ یہ کہ علماء فقہ میں بالعموم متاخرین گانا یا سماع بالخصوص اگر ساز کے ساتھ ہو تو اس مسئلہ میں متقدمین فقہاء کی بنسبت زیادہ سخت نظر آتے ہیں، اور گہرائی اور گیرائی سے فقہی سرمایہ کا مطالعہ کرنے والا شخص اس نتیجہ تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ زندگی کے تمام امور کے متعلق ان حضرات نے اسی طرح تشدد پر مبنی موقف اختیار کیا ہے جبکہ متقدمین فقہاء نے سہولت آمیز طریقہ کار کو ترجیح دی ہے، اور گانے بجانے کے اس مسئلہ میں بھی اسی طریقہ کار کو اپنایا گیا ہے جس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

## محتاط پہلو کو اختیار کیا گیا ہے نہ کہ سہولت پر مبنی پہلو کو :

متقدمین فقہاء آسان پہلو کو لیتے تھے اور متاخرین احتیاط کے پہلو کو، اور احتیاط سے مراد ''اثقل''، یعنی سب سے سخت صورت عمل اور جو کوئی صحابہ کرام اور ان کے بعد کے دور کے فقہ وفتاوی کے درمیان پائے جانے والے خط فاصل کی تحقیق وجستجو کرے گا تو اسے اس طرح کا بین فرق واضح طور پر نظر آئے گا اور یہ صورتحال زندگی کے تمام مسائل چاہے انفرادی ہوں خاندانی ہوں اور سماجی ہوں سے مربوط نظر آتی ہے۔

## ضعیف اور موضوع روایتوں سے متاخرین فقہاء فریب خوردہ ہو گئے :

بہت سے متاخرین فقہاء ان ضعیف وموضوع روایات کے سیلاب بلاخیز سے مبہوت ہو گئے جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں، اور وہ لوگ روایات واحادیث کی تحقیق وتمحیص پر قادر نہ تھے اس لئے اس طرح کی روایتیں رائج ہو گئیں، اور خصوصاً ایک وجہ یہ بھی رہی کہ ہر خاص وعام کی زبان پر یہی رہا کہ ضعیف روایتیں جب متعدد طرق سے آتی ہیں تو ایک دوسرے کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہیں۔

انہی روایتوں میں سے مندرجہ ذیل روایتیں ہیں جو ضعیف طرق سے آئی ہیں :

ایک روایت وہ ہے جو یعقوب نیشاپوری نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے : "**من قعد إلى قينة يسمع يصب فى أذنه الآنک وهو الرصاص المذاب**" (جو سننے والی جماعت کے پاس بیٹھے گا اس کے کان میں پگھلا ہوا شیشہ ڈالا جائے گا)، حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے : "**أن النبی ﷺ سمع رجلاً يتغنى من الليل، فقال : لا صلاة له، لا صلاة له لا صلاة له**" (نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو رات میں گاتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ اس پر نماز جنازہ نہیں، اس پر نماز جنازہ نہیں، اس پر نماز جنازہ نہیں)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے: "**استماع الملاهی معصية، والجلوس إليها فسق، والتلذذ بها كفر**" (لہو ولعب کا سننا گناہ ہے، اس کی مجلس میں شرکت کرنا فسق ہے، اس سے مزے لینا فسق ہے)۔

## گانے بجانے کی حیاء سوز صورتحال نے حرمت کا پہلو اختیار کرنے پر مجبور کیا :

گانا گانے کی راہ حق سے منحرف صورت حال سے فقہاء متاخرین اس درجہ مجبور ہوئے کہ انہوں نے حرام کے پہلو کو ترجیح دی اور یہ حکم صادر کیا کہ گانا گانا اور سننا حرام ہے، اس صورت حال کی دو صورتیں ہیں جن میں سے ہر ایک سے فقہاء کی ایک جماعت متاثر ہوئی۔

## بےحیائی کے نغمے :

پہلی صورت بے حیاء گانوں کی ہے جو اس خوشحال طبقہ کے لئے زندگی کا جزو لا ینفک بن چکی ہیں، جو سرتاپا عشرت کوشیوں میں غرق ہے، نمازوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، خواہشات کی تکمیل ہی اس کے نزدیک اصل زندگی ہے، اور گانے بجانے کے ساتھ فسق وفجور، شراب نوشی، دروغ گوئی اور حاضرین مجلس کی خواہش کے مطابق خوبصورت نوجوان لڑکیوں کا ناچنا اور حیا سوز کرتب دکھانا ایک عام سی بات ہوچکی ہے، جس طرح عباسی خلفاء کے زمانہ میں یہ ساری بے حیائی اور عریانیت کے مظاہر معمولات زندگی بن چکے تھے، جہاں اس طرح کی مجلسیں آراستہ ہوتی تھیں، جن میں گانے گائے جاتے اور بے حیائی پر مبنی کردار انجام دیئے جاتے۔

افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جہاں اس طرح کے کرتب دکھانے کا ماحول ہے وہاں کا ایک ایک فرد اس گناہ میں مبتلا ہے اور اس وباء سے متاثر ہے، مگر اس ماحول کا مثبت اثر ہے کہ کرتب دکھانے والے مرد وخواتین میں سے جنہیں اللہ تعالی ہدایت کی توفیق دیتا ہے وہ اپنے کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ وہ اس بدنام زمانہ حلقہ سے پھر جائیں، اور اس سے دور ہوکر اپنے دین ومذہب کی حفاظت کریں۔

## صوفیاء کرام کے نغمے :

دوسری صورت مذہبی گانوں کی ہے جنہیں صوفیاء عظام نے شوق انگیزی کا اور سلوک کے منازل طے کرنے کی خاطر دلوں کو گرمانے کا ایک وسیلہ وذریعہ بنا رکھا ہے، جس طرح حدی خواں اونٹوں کے ساتھ کرتے ہیں کہ انہیں متحرک کرتے ہیں اور ان کو برق رفتاری سے چلنے پر اکساتے ہیں، اس لئے جس وقت اونٹ اچھی آوازیں حدی کے موزوں الفاظ سنتے ہیں بھاری بھرکم بوجھ ان کے لئے آسان ہوجاتے ہیں اور لمبی مسافت کم محسوس ہونے لگتی ہے، صوفیاء کرام

اس سماع کو عبادت اور قربت الی اللہ خیال کرتے ہیں یا کم از کم عبادت و قربت کی راہ میں ممد ومعاون تصور کرتے ہیں۔

جس کی امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم جیسے حضرات نے شدید نکیر فرمائی ہے، اور ایسے نغموں کی سخت مذمت کی ہے، خصوصاً ابن قیم نے ''إغاثة اللهفان'' میں اس طرح کے گانوں کو حرام ٹھہرانے کی خاطر انتھک کوشش کی ہے، اور خلاف معمول صحیح وغیر صحیح ہر طرح کی روایت سے استدلال کیا ہے کیونکہ ان کے پیش نظر اس قسم کا گانا ہے، اور ان کا او ران کے شیخ کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایسا عمل تقرب إلی اللہ کا غیر مشروع ذریعہ ہے اور دین میں ایسی بدعت کو ثابت کرنا ہے جس کا نہ عہد نبوت اور نہ عہد صحابہ سے کوئی ربط ہے، اور بسا اوقات اس کے ساتھ دوسری بدعتیں اور خرافات بھی شامل ہو جاتی ہیں، اور جب اس عمل کو مسجدوں میں انجام دیا جاتا ہے تو اس کی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے۔

چنانچہ ابن قیمؒ ان حضرات کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں :

تلی الكتاب فأطرقوا لا ضيفة     لكنه إطراق لاه ساهی
وأتى الغناء فكا لذباب ترافصوا     والله ما رقصوا لأجل الله
دف ومزمار ونغمة شادن     فمتى رأيت عبادة بملاهی؟

## حرام کا حکم بغیر طویل غور وفکر کے صادر کرنے سے گریز لازمی ہے :

دسویں بات جسے بیان کر کے ہم اپنی بات ختم کرنا چاہتے ہیں، اور جس کے مخاطب ہمارے وہ قابل احترام علماء کرام ہیں جو لفظ ''حرام'' کو بڑا ہی معمولی سمجھتے ہیں، اور فتاوی دیتے وقت اور تحقیقی مقالات قلمبند کرتے وقت بلا چوں و چرا جہاں چاہتے ہیں وہاں استعمال کرنے سے انہیں ذرہ گریز نہیں ہوتا، وہ اپنے اقوال پر دوبارہ غور کریں، اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ لفظ ''حرام'' ایک سنگین لفظ ہے، جس کا مطلب واضح طور پر یہ ہوتا ہے کہ کئے گئے کام پر عذاب الٰہی

سے دو چار ہونا پڑے گا، اور ایسا حکم ظن وتخمین کی بنیاد پر نہ ضعیف روایتوں کی بنیاد پر اور نہ مزاج کی موافقت کی بنیاد پر صادر کیا جاسکتا ہے، اور نہ کسی پرانی کتاب میں درج شدہ ایسے نص کی بنیاد پر جس کی از سر نو تحقیق نہ کی گئی ہو، بلکہ ایسا حکم ایسے نص سے صادر کیا جاتا ہے جو صحیح سند سے ثابت ہو اور اپنے مدعا کو صراحت کے ساتھ بیان کر رہا ہو، یا پھر صحیح اور قابل اعتبار اجماع سے، ورنہ اباحت اور گنجائش کے دائرہ کو وسعت دی جائے گی، اور اس طرح کی صورتحال کے سلسلہ میں سلف صالحین کا بہترین اسوہ موجود ہے جو ہم سب کے لئے قابل اتباع ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں : جب مجھ سے کسی مسئلہ کے متعلق حلال وحرام کا حکم پوچھا جاتا ہے تو اس سے زیادہ سخت مسئلہ میرے لئے کوئی اور نہیں ہوتا، اس لئے کہ حلت وحرمت یہ اللہ تعالی کا قطعی حکم ہوتا ہے، اور میں نے اپنے شہر کے ایسے اہل علم اور اصحاب فقہ کو دیکھا ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ ان کی موت قریب آ گئی ہو مگر اس زمانہ میں کچھ اہل علم ایسے ہیں جنہیں فتوی دینے کی بڑی خواہش اور بڑی جلدی ہوتی ہے، اگر وہ اپنے طرز عمل پر تھوڑا بھی غور کر لیں اور کل کے اپنے انجام سے باخبر ہو جائیں تو اس طرح کی حرکت سے باز آجائیں گے، اور دوبارہ انہیں اس کی ہمت نہ ہوگی، حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ اور سیدنا علی مرتضیؓ اور بالعموم صحابہ کرام کی منتخب جماعت کے سامنے مسائل پیش کئے جاتے، جبکہ ان حضرات کا زمانہ سب سے بہتر تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی اس زمانہ میں بعثت ہوئی تھی، پھر وہ لوگ تمام صحابہ کرام کو جمع کرتے اور ان سے تبادلہ خیال کرتے پھر ان سے پوچھے گئے مسئلوں میں فتوی دیتے، مگر ہمارے اس زمانہ میں لوگوں نے فتوی نویسی کی سنگینی اور نزاکت سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے اپنے لئے باعث فخر بنالیا ہے، چنانچہ ان کے اسی ظرف کے مطابق ان کے واسطے علم کے دروازے کھلتے ہیں، آگے فرماتے ہیں کہ کسی زمانہ میں اور نہ قابل اقتداء اور قابل اعتماد سلف کے دور میں کبھی ایسا رہا کہ وہ اپنی زبان سے کہتے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، مگر یہ

ضرور کہتے کہ میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں اور میری رائے یہ ہے، رہی بات حلال وحرام کی تو یہ ان کے نزدیک اللہ تعالی پر افتراء پردازی سے کم نہ تھا، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

"قل أرأيتم ما أنزل الله لكم من رزق فجعلتم منه حراماً وحلالاً قل آلله أذن لكم أم على الله تفترون" (یونس: ۵۹)۔

## اختلافی مسائل میں انکار کی گنجائش نہیں

اس طرح کے اختلافی صورتحال میں اس اہم اور مفید قاعدہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جس میں اختلافی اور اجتہادی مسئلوں میں فریق مخالف کی رائے کا انکار نہ کئے جانے کی بات کہی گئی ہے، بالخصوص جبکہ اختلافی پہلو مضبوط ہو شاذ نہ ہو اور اس رائے کے سلسلہ میں غور وخوض اور استدلال کی گنجائش نظر آرہی ہو، جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے :

**ولیس کل خلاف جاء معتبراً　　　إلا خلافاً له حظ من النظر**

(ہر اختلاف اعتبار کے لائق نہیں ہوتا سوائے اس اختلاف کے جس میں غور وفکر کی گنجائش ہو)۔

جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض اوقات شاذ اقوال اور آراء کا اعتبار کیا گیا جس کی خاطر ان اقوال کے قائل حضرات کو سخت آزمائشوں اور تکلیفوں سے دو چار ہونا پڑا ہے (جیسا کہ ابن تیمیہ کو طلاق وغیرہ کے مسائل میں اختیار کردہ آراء کی وجہ سے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا) جنہیں لوگوں نے بعد میں اختیار کیا اور انہیں سب سے معتبر فقہی رائے قرار دیا۔

اور یہ کسی باذوق عالم دین سے مخفی نہیں کہ گانا کے سلسلہ میں اس قدر علماء نے اختلاف کیا ہے جس کی نظیر دوسرے مسئلے میں ملنا مشکل ہے۔

### ابن جماعہ نے آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں :

امام بدرالدین بن جماعہ سے گانا اور اس کے متعلق حکم دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا اختلافی مسئلہ ہے جس میں اختلاف کا ہر پہلو ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہے جس کی مثال دوسرے مسئلے میں بمشکل مل سکتی ہے، اور علماء نے اس موضوع پر کئی

کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں علماء کے تمام تر اقوال کا احاطہ کیا ہے، خلاصہ یہ کہ اس مسئلے میں علماء کے چار گروہ میں ایک گروہ مستحب سمجھتا ہے، ایک گروہ مباح سمجھتا ہے ایک گروہ مکروہ سمجھتا ہے اور گروہ حرام سمجھتا ہے، اوران میں سے ہر گروہ کی دو قسمیں ہیں : ایک گروہ اطلاق کا قائل ہے، دوسرا گروہ شرائط کا قائل ہے، مطلب یہ ہے کہ گانا کے سلسلے میں علماء کرام کے آٹھ اقوال ہیں :

ایک قول مطلقاً استحباب کا ہے۔

دوسرا قول شرائط کے ساتھ استحباب کا ہے، تیسرا قول مطلق اباحت کا ہے، اور چوتھا قول مشروط اباحت کا ہے (اور میں بھی اسی کا قائل ہوں)، پانچواں قول مطلق کراہت کا ہے، چھٹا قول مشروط کراہت کا ہے، ساتواں قول مطلق حرمت کا ہے اور آٹھواں قول مشروط حرمت کا ہے۔

ابن حجر ہیثمی نے گیارہ اقوال ذکر کئے ہیں :

ابن حجر ہیثمی نے اپنی کتاب ''کف الرعاع'' میں گانا کی اس دوسری قسم کے بارے میں جو ان دنوں فن اور آرٹ کی شکل اختیار کر چکی ہے جس میں فنکار حضرات اپنے ایجاد کردہ طرز ترنم کے ذریعہ حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس قسم کے سلسلہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے، گیارہ اقوال ذکر فرمائے ہیں، کیونکہ فطری طرز ترنم سے گائے جانے والے نغمے جو بالعموم انسان اپنے لئے گاتا ہے، یا ماں کا اپنے بچوں کے لئے گانا گانا یا دیہاتی باشندوں کا حدی پڑھنا، یا اسی قبیل کے دوسرے موزوں کلام ان کی اباحت میں کسی کا کوئی کلام نہیں ہے۔

پہلا قول یہ ہے کہ اس طرح کے گانے حرام ہیں، امام قرطبی کہتے ہیں کہ یہ امام مالکؒ کا مسلک ہے، ابواسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے اس گانا کے تعلق سے دریافت کیا جس کے بارے میں اہل مدینہ رخصت کے قائل ہیں فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ ایسا عمل ہمارے یہاں فساق کرتے ہیں، اور یہی مسلک تمام اہل مدینہ کا ہے سوائے ابراہیم بن

سعد کے ان کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ اور تمام اہل کوفہ، ابراہیم نخعی، شعبی، حماد، اور سفیان ثوری وغیرہم بھی اسی کے قائل ہیں، ان کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں اور ایسا ہی ایک قول امام شافعی کا اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے۔

حرث محاسبی کے نزدیک گانا مردار کی طرح حرام ہے، اور امام رافعی اس مسئلہ کو بیوع اور غصب دونوں کے مسائل پر قیاس کرتے ہوئے مطلقاً حرمت کے قائل ہیں، اور امام نوویؒ نے روضہ میں قول ثانی پر ان کی متابعت کی ہے۔

اذرعی کے نزدیک امام مالکؒ کا ظاہری مسلک وہی ہے جو قرطبی نے بیان کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ماوردی سے کچھ بھی منقول نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے، اور یہی قول امام شافعی، امام احمد، اہل بصرہ اور امام شافعی اور امام احمد کے بیشتر شاگردوں کے نزدیک زیادہ معتبر ہے، کئی علماء کا یہ کہنا ہے کہ گانا کی کراہت کے سلسلے میں اہل بصرہ سے کسی طرح کا اختلاف منقول نہیں، ماوردی کہتے ہیں کہ ایک جماعت اس طرح کے گانا کو حرام سمجھتی ہے اور دوسری قوم مباح، اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ جیسا کہ ان سے منقول صحیح ترین روایتوں میں کہا گیا ہے کراہت کے قائل ہیں، اور جیسا کہ گذشتہ سطروں میں لکھا جاچکا ہے کہ اجنبی غیر محرم خاتون سے گانا سننا جبکہ فتنے کا خوف نہ ہو مکروہ ہے لیکن شدید کراہت کے ساتھ اور اگر فتنے کا خوف ہو تو بلا اختلاف حرام ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس طرح کا گانا مباح ہے، جیسا کہ ابراہیم بن سعد اور عنبری وغیرہ سے منقول ہے، جبکہ یہ دونوں حضرات اپنے عقیدہ اور علمی لیاقت کے اعتبار سے غیر معتبر ہیں، عنبری عقیدہ کے لحاظ سے مجروح ہیں، کیونکہ وہ مبتدع ہیں، اور ابراہیم بن سعد مجتہد نہیں ہیں، قرطبی کہتے ہیں کہ ابوطالب کا اس سلسلہ میں صحابہ کرام اور تابعین عظام سے سماع کا قول نقل کرنا اور یہ کہ اہل حجاز سال کے گنتی کے افضل ترین ایام میں سماع میں مشغول رہتے تھے، اگر یہ

واقعہ درست ہے تو اس کا انطباق گانا کی پہلی قسم پر ہوگا نہ کہ دوسری قسم پر، آگے فرماتے ہیں کہ شوافع کی ایک جماعت نے جن میں قشیریؒ کا نام سرفہرست ہے، امام مالکؒ کے حوالے سے اباحت کا قول نقل کیا ہے جبکہ ایسا ان سے کسی اعتبار سے بھی منقول نہیں ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ کثیر مقدار میں ہو تو حرام ہے قلیل مقدار میں ہو تو حرام نہیں ہے، اس قول کو (المنہاج) کے بعض شارحین نے ذکر کیا ہے، جنہوں نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ امام رافعی نے سرخسی کے حوالے سے اس قول کو نقل کیا ہے، اور ابن ابوہریرہ نے بھی ذکر کیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہی ان کا مسلک ہو، امام رافعی کہتے ہیں کہ امام شافعی کا فرمان ہے کہ ہم اس قسم کے گانوں کو مطلقا مباح نہیں سمجھتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس طرح کے گانے زیادہ مقدار میں سنے جائیں تو یہ حماقت پر مبنی ہوگا، اذرعی کے نزدیک اس قول سے حرمت ثابت نہ ہوگی، بلکہ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ شرافت کے خلاف عمل ہے۔

جبکہ سچائی یہ ہے کہ امام شافعیؒ کا یہ قول حرمت کا ہے کیونکہ اباحت کے دائرے سے خارج کرنا اور احمقانہ حرکت تصور کرنا حرمت کو ثابت کرتا ہے نہ کہ خلاف شرافت عمل پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ اس طرح کے مسائل میں ائمہ کرام کے اقوال سے مراد لیا جاتا ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ اس طرح کے گانوں کا گانا اور سننا دونوں ہی حرام ہیں، الا یہ کہ ایسے گھر میں ہو جو خالی ہو اور گانے والا تنہائی میں ہو تو دو صورتوں میں سے ایک صورت میں جسے امام بغوی کے بعض تلامذہ نے ذکر کیا ہے اور جس میں اذرعی نے غور وخوض کیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ علانیہ گانے کی صورت میں گواہی کے اہل شخص کی گواہی مسترد ہوگی اور خفیہ گانے کی صورت میں رد نہیں ہوگی، مگر یہ صورت حرمت کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ فقہاء کی صراحت موجود ہے کہ ہر وہ شخص جس میں گواہی کی اہلیت ہو اس پر اس کی شرافت کو مجروح کرنے والا ہر طرح کا عمل حرام ہے اگرچہ وہ عمل بذات خود مباح ہو، کیونکہ اس کے اس عمل کے نتیجہ میں دوسرے کا حق متاثر ہوتا ہے۔

چھٹا قول یہ ہے کہ حرام ہے اگر عورت سنائے اور ایک مرد یا کئی مرد سنیں، یا مرد سنائے اور ایک عورت یا کئی عورتیں سنیں، یا پھر سننے سنانے کے اس عمل میں کسی نشہ آور چیز کی اس طرح کارفرمائی ہو کہ اس میں شریک ہر فرد اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو جائے، اس قول کو حلیمی نے ہمارے اکابر فقہاء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ساتواں قول یہ ہے کہ اگر نیت درست ہو تو مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے، خوارزمی نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں ایسا لکھا ہے، جس پر اذرعی نے سخت تنقید کی ہے اور صاحب ''کافی'' کو اس طرح کی توجیہ کرنے کے لائق نہیں سمجھا ہے۔

آٹھواں قول یہ ہے کہ گانا گانا اور سننا جائز ہے اگر اس عمل کی وجہ سے فرض ساقط نہ ہو اور نہ مباح کی حرمت لازم آ رہی ہو، چاہے مرد پڑھے یا محرم خاتون سنائے اور محرم مرد سنے بشرطیکہ سننے سنانے کا یہ کام کسی بلند راستہ پر انجام نہ دیا جا رہا ہو، جہاں ہر گزرنے والے کی نگاہ پہنچتی ہو، اور نہ اس میں کوئی مکروہ عمل شامل ہو، اس قول کو استاذ ابومنصور نے ذکر کیا ہے۔

نواں قول یہ ہے کہ اگر مزدوری لے کر ہو تو حرام ہے جیسا کہ استاذ نے حضرت امام شافعیؒ کی عبارت سے نقل کیا ہے۔

دسواں قول: یہ طاعت پر مبنی عمل ہے اگر اس کے ذریعہ قلب کو طاعت پر مائل کرنے کی نیت ہو، اور سراسر معصیت ہے کہ معصیت پر قوت حاصل کرنے کی غرض شامل ہو اور اگر نہ طاعت کی نیت ہو اور نہ معصیت کی تو پھر قابل معافی ہے، جیسا کہ انسان باغیچہ جائے یا اپنے گھر کے دروازے پر تفریح کرنے کی خاطر بیٹھ جائے تو اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس کی گنجائش ہے، اس قول کو ابن حزم نے ذکر کیا ہے اور امام غزالی وغیرہ نے ان کی پیروی کی ہے۔

گیارہواں قول: اس عمل میں جو چیز استعمال کی گئی ہے اگر اس کے جواز اور عدم جواز کے دو پہلو ہیں تو سننا جائز ہے اور اگر صرف ایک پہلو ہے اور وہ بھی فسق پر مبنی ہے تو سننا حرام

ہے، اسے رویانی نے بحر میں ہمارے بعض خراسانی رفقاء کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے، اوراس سے جوینی نے تنبیہ اول کے اخیر میں ذکر کیا ہے اس کی تائید ہوتی ہے۔

**یہ رہے غناء کے سلسلہ میں علماء کرام کے منجملہ اقوال :**

ایسی متنازع صورتحال میں معاصر فقیہ کا موقف کیا ہو؟

ایسا موضوع جس میں اس قدر اختلاف ہو تو معاصر عالم دین کے لئے اس کی پوری اجازت ہوتی ہے کہ ان تمام اقوال وآراء میں سے کسی ایک ایسے قول کو جس کے بعض مجتہد حضرات قائل رہے ہوں ترجیح دے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ عالم صاحب نظر ہو ترجیح دینے یا اس جزوی اجتہاد کی اسے قدرت حاصل ہو جس میں دلائل کے درمیان باہم موازنہ کیا جاتا ہے، اور جسے صاحب اجتہاد قوی سمجھتا ہے اس کی توثیق کرتا ہے اور جسے ضعیف سمجھتا ہے اس کی تضعیف کرتا ہے، اور ایسا کرنا ہر ایسے عالم کا واجبی فریضہ ہے جو علم کی امانت کا قدرداں ہو، اور دوسروں کی ذہنیت اور عینک نہ سوچتا ہو بلکہ بذات خود صاحب رائے اور اپنی دلیل کے ذریعہ حق کا متلاشی ہو۔

اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسروں کی اختیار کردہ رائے کی وجہ سے اس کی نکیر کرے، اوراس پر طعن وتشنیع کرے، گرچہ نکیر اور مذمت کرنے والا شخص اس رائے کو اور اس کی دلیل کو کمزور سمجھتا ہو، اس لئے کہ عالم سے اس بات کا مطالبہ ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے، نہ کہ غیر کے اجتہاد پر، اوراس کے لئے یہ درست نہیں کہ جس قول سے وہ مطمئن ہے اور جسے حق اور درست سمجھ رہا ہے یا کم از کم اس کے نزدیک صحیح ترین ہے اسے چھوڑ دے اور دوسرے کی رائے پر عمل کرے، اسے اس کی اسی رائے پر اجر وثواب ملے گا چاہے اس کی یہ رائے درست ہو یا غلط ہو، اگر رائے درست ہوگی تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر غلط ہوگی تو ایک اجر ملے گا جیسا کہ صحیحین میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے۔

رہی بات مقلد کی تو اس کی بذات خود کوئی رائے نہیں ہوتی، بلکہ وہ علماء میں ان حضرات کی تقلید کرتا ہے، جنہیں دلائل کے لحاظ سے قوی تر سمجھتا ہے، اگر چہ اس کے پاس اس چیز کی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ دلائل کو جان سکے اوران میں باہم موازنہ کر سکے۔

اس کے لئے اس عالم دین جس کی وہ تقلید کر رہا ہے اس سے اس کی علمی لیاقت اور دینی فراست سے مطمئن ہوجانا ہی کافی ہے، اس سے آگے اس سے مطلوب نہیں، کیونکہ تقلید کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ تقلید کرنے والا اس چیز سے مطمئن ہے کہ اس کا امام گہرے علم کا حامل ہے، دیندار ہے تقوی وپرہیزگاری سے متصف ہے، چنانچہ اس سے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دنیا کے معمولی مال ومتاع کی خاطر اپنے دین کا سودا کرے گا، یا اپنی خواہشات کی تکمیل کے پیش نظر یا دوسروں کے مفاد کے تحفظ کی غرض سے الٹے سیدھے مسئلے بیان کرے گا، چاہے وہ شاہی خاندان کا فرد ہو یا عام پبلک میں ہو، اس کی کوشش کا محور مرکز صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو۔

ان حالات میں ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کی نکیر کرنا اور ایک مقلد کا دوسرے مقلد کی مذمت کرنا ایک غیر منطقی عمل معلوم ہوتا ہے۔

## متنازع مسائل میں نکیر کرنے سے گریز کرنے کے بارے میں علماء کی آراء :

یہ حقیقت ہے جو ہر طرح کی تعجب خیزی سے پرے ہے کہ ہم نے امت کے محققین علماء کو دیکھا کہ وہ ان مسائل میں جن کے احکام فقہاء وائمہ کے درمیان متنازع رہے ہیں ایک دوسرے پر ہر طرح کے منفی تبصرہ سے گریز کرتے تھے جو اس مذموم عمل کی مذمت کے لئے کافی ہے۔

## امام غزالیؒ کی رائے :

امام غزالیؒ نے ''احیاء'' کے باب ''الامر بالمعروف والنہی عن المنکر'' میں روکنے کے

ارکان شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ منکر جس سے روکا جارہا ہے اس کا بغیر اجتہاد کے وجود میں آنا معلوم ہو، لہذا ہر وہ مسئلہ جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو اس سے روکا نہیں جائے گا اور نہ اس پر مذمت کی جائے گی۔

چنانچہ کسی حنفی کے لئے روا نہیں کہ وہ شافعی کی بجو کھانے اور متروک التسمیہ ذبیحہ کھانے پر مذمت کرے، اسی طرح نہ کسی شافعی کے لئے جائز ہے کہ وہ بغیر ولی کے نکاح کئے جانے پر حنفی کی نکیر کرے، اور ایسی نبیذ جو نشہ آور نہ ہو کے پینے کو قابل مذمت سمجھے اور ایسے گھر میں بیٹھنے کو جسے اس نے شفعہ جوار کی بنا پر لیا ہو بلا دلیل سمجھے اور بے بنیاد قرار دے۔

## شرح مسلم میں مذکور امام نووی کی رائے :

امام نوویؒ نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ ''مختلف فیہ مسائل میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ دو مسلکوں میں سے ایک مسلک کے مطابق ہر مجتہد سچائی کو پالیتا ہے، اور یہ بہت سے یا اکثر محققین کا متفق علیہ مسلک ہے، اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ سچائی صرف ایک کو ملتی ہے اور سچائی سے محروم کون ہوتا ہے یہ متعین نہیں اور ایسا انسان گنہگار بھی نہیں ہوتا''۔

بلکہ ہم تو ایسے شخص کے بارے میں ایک اجر کے ملنے کے قائل ہیں جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

## ابن رجب کی رائے :

علامہ ابن رجب فرماتے ہیں اس مسئلہ پر نکیر کی جائے گی جو متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہو، رہی بات متنازع مسائل کی تو ان کے متعلق ہمارے بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اجتہاد کرنے کے بعد یا کوئی مقلد مجتہد کی تقلید میں جبکہ اس تقلید کی گنجائش ہو ان مسائل میں اگر کسی ایک پہلو پر جو اجتہاد کے ذریعہ واضح ہوا ہو عمل کرتا ہے تو اس پر نکیر کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

مگر قاضی نے ''الاحکام السلطانیہ'' میں ان مسائل کا متنازع مسائل سے استثناء کیا ہے جن میں اختلاف کمزور ہوتا ہے اور اختلافی پہلو پر عمل کرنے کی وجہ سے متفق علیہ ممنوع حکم پر عمل لازم آتا ہے جیسے نکاح متعہ پر عمل کرنے کی وجہ سے زنا لازم آتا ہے جو کہ ممنوع ہے۔

## ابن تیمیہؒ کی رائے :

امام ابن تیمیہؒ سے ایک والی کے متعلق دریافت کیا گیا جس کا خاص مسلک ہو یا بیوع اور شرکت کے مسئلوں میں ایک متعین رائے کا حامل ہو کیا اس کو یہ حق ہے کہ تمام لوگوں کو اپنے مسلک پر عمل کرنے کا پابند بنائے اور دیگر حضرات کو دیگر مسلک کے مطابق عمل کرنے سے روکے؟

ان کا جواب تھا کہ اسے ان جیسے مسئلوں میں جن میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور روکنے کی کتاب وسنت سے کوئی صریح دلیل موجود نہ ہو تو بالکل لوگوں کو دوسرے مسلک کو اختیار کرنے سے روکنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس موقع پر ہمیں امام مالکؒ کے اختیار کردہ موقف سے رہنمائی ملتی ہے کہ جس وقت ہارون رشید نے یا ابوجعفر نے ان سے یہ مشورہ کیا کہ ان جیسے مسائل میں لوگوں کو مؤطا میں بیان کردہ مسائل پر عمل پیرا ہونے کو کہا جائے تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیل چکے ہیں اور ہر جماعت نے اپنے علم کے مطابق عمل شروع کر دیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب ہم انہیں ایک مسلک پر عمل کرنے کی دعوت دیں گے تو اس سے فتنہ برپا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء فرماتے تھے علماء کا اتفاق دلیل قطعی کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کا اختلاف وسیع تر رحم وکرم پر مبنی ہوتا ہے۔

لہذا کوئی بھی ایسی رائے جوامت کے نزدیک معتبر اجتہادی مسالک میں ہے کسی

ایک مسلک کی طرف منسوب ہو یا کسی صحابیؓ یا تابعیؒ یا کسی امام معتبر کی جانب منسوب ہوتو اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ اس پر مذمت اور نکیر کرنا درست ہے۔

بلکہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ مخالف رائے کا اظہار بامقصد علمی اسلوب میں فریق ثانی کی مذمت سے ہٹ کر ایک پسندیدہ عمل سمجھا گیا ہے، اور یہ اس وقت ممکن ہے جبکہ دوسری رائے کی صرف تعریف کی جائے اور دلائل کے واسطے سے اسکی جانب رہنمائی کی جائے، حکمت اور پند و نصائح کا دامن نہ چھوڑا جائے، باہمی الفت و محبت پر گامزن رہا جائے، سختی تندخوئی سے بچا جائے جس کی بھلائی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا شخص کبھی ترغیب نہیں دے سکتا سوائے اس شخص کے جس کے نزدیک متفق علیہ مسئلے کا لحاظ نہ ہو اور علماء کے نزدیک ثابت شدہ قطعی حکم کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

اس لئے ابن تیمیہؒ نے فرمایا : اجتہادی مسائل جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ کسی کو اس کا پابند بنایا جاسکتا ہے، لیکن علمی دلائل کی روشنی میں کلام کیا جاسکتا ہے، جس کے سامنے دو صورتوں میں سے ایک صورت صحیح ثابت ہوجائے تو وہ اس پر عمل کرسکتا ہے، اور جو دوسرے قول پر تقلیدی بنا پر عمل کرنا چاہے تو اس کے لئے بھی قباحت نہیں ہے، اور یہی درحقیقت انصاف ہے۔

جن حقائق کو ہم نے ثابت کیا ان کی روشنی میں غناء اور آلات طرب کے حکم کے سلسلہ میں اختلاف کرنے والوں کے لئے کسی اعتبار سے درست نہیں کہ ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کریں، خصوصاً ان بھائیوں کے لئے جو حرمت کے قائل ہیں اور اس پر سختی سے کاربند ہیں، کیونکہ مسئلہ اختلافی ہے اور اختلاف کرنے والوں کے لئے اپنی رائے دینے کی گنجائش ہوتی ہے۔

## امام شوکانی کا تبصرہ :

امام شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں علامہ فاکہانی کا قول نقل کیا ہے کہ مجھے کتاب

وسنت میں ملاہی یعنی میوزک کے آلات کی حرمت پر دلالت کرنے والی صحیح اور صریح حدیث نہیں ملی، بلکہ اس طرح کے دلائل کے ظاہر اور عموم سے استیناس کر کے حرمت ثابت کی جاتی ہے نہ کہ قطعی دلائل سے۔

اپنے تحریر کردہ رسالہ ''ابطال دعوی ال اجماع علی تحریم مطلق السماع'' میں لکھتے ہیں :

جب یہ ثابت ہوگئی تو اس مصنف کو جو استدلال کی نوعیت سے واقف ہے اور مناظرہ کے طور طریقے کو جانتا ہے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ سماع چاہے میوزک کے آلات کے ذریعہ ہو یا بغیر آلات کے ہو، کا مسئلہ ائمہ علم کے درمیان اختلاف کا موضوع رہا ہے، اور ان مسئلوں میں شمار کیا جاتا رہا ہے جن کو انجام دینے والے حضرات پر شدت کے ساتھ نکیر کرنے سے گریز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اسی مقصد کو بروئے کار لانے کی غرض سے ہم نے اس رسالہ کی تالیف کی، اس لئے کہ کچھ افراد ایسے ملے جو استدلال کے علوم اور اقوال ائمہ سے عدم واقفیت کی بنیاد پر اس کے قائل نظر آئے کہ گانا کی حرمت چاہے میوزک کے آلات کے ذریعہ ہو یا بغیر آلات کے دونوں صورتوں میں متفق علیہ اور قطعی مسئلہ ہے جس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

بلا شبہ یہ سراسر الزام ہے، اور جہالت پر مبنی دعوی ہے، اور بغیر جنگی اقدام کئے ہوئے جنگ جیتنے کا اعلان ہے، کیونکہ ہر واقف کار اس سے واقف ہے کہ گانا کی اباحت کے قائل جن میں صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، تبع تابعینؒ اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت شامل ہے پر قطعیت کے ساتھ ثابت کسی حرام عمل کے کرنے کا الزام لگانا نہایت ہی قابل مذمت حرکت ہے، اور جہالت گمراہی اور بدعت کی سب سے بدھی اور بدنما نوعیت کی مذموم مثال ہے، اس لئے ہم نے ان بزرگوں کی پاک عزت وآبرو کی حفاظت اور اس پہلو سے کہی جانے والی گھٹیا باتوں کی تردید کا بیڑہ اٹھایا ہے۔

یہاں تک کہ ہم نے علامہ شافعی ابن حجر ہیثمی کی تحریر ان کی کتاب ( کف الرعاع )

میں پڑھی باوجودیکہ وہ گانا کے مسئلے میں بہت سخت نظر آئے پھر بھی ان کا کہنا تھا :

جسے اس کی تحقیق نہیں انکا یہ کہنا ہے کہ میں بغیر کسی تفصیل وشرط کی رعایت کئے ہوئے گانا سننے کا انکاری ہوں جبکہ معاملہ ایسا نہیں ہے اسی لئے ابوطالب مکی کا فرمان ہے : جو گانا سننے کا انکار کرے گا وہ ستر صدیقین کا انکاری ہوگا، ابن حجر فرماتے ہیں سبعین ( ستر ) سے مراد کثرت تعداد ہے نہ کہ ایک محدود تعداد کی تعیین ہے، کیونکہ صدیقین میں وہ علماء ہیں جو شرائط کے ساتھ اباحت کے قائل ہیں اور ان کی تعداد شمار سے بالاتر ہے۔

امام سہروردی فرماتے ہیں : غناء کا منکر یا تو سنن وآثار سے ناواقف ہوگا یا نرا جاہل اور طبیعت کا سخت اور بے ذوق ہوگا۔

میرا یہ گمان ہے کہ ان تمام تر منقول اقوال کے بعد جو چاشت کے وقت کے سورج کی طرح روشن ہیں، ہمارے ان بھائیوں کے لئے جو اصحاب علم ہیں کوئی ایسی چیز نہیں رہ جاتی جس کی بنیاد پر وہ اس متنازع مسئلے میں سخت موقف اختیار کرسکیں، اور اپنے مخالف کو کافر نہ سہی ( نعوذ باللہ ) فاسق قرار دے سکیں۔

## مخالفین پر سخت حملوں کی کوئی معقول وجہ نہیں

حرمت کے قائل حضرات کی قابل گرفت حرکت یہ ہے کہ وہ بلاوجہ اپنے مخالفین پر سخت اور قابل مذمت حملے کرتے رہتے ہیں، جو تنقید اور آپسی مکالموں کے دائرے سے نکل کر الزام تراشی اور عزت وآبرو کی پامال کی حد میں داخل ہو چکے ہیں جن کا اہل علم کے درمیان کسی بھی اعتبار سے پایا جانا قابل تعریف نہیں ہوسکتا۔

ان میں سے بعض حضرات اس حد تک پہنچ چکے ہیں جو کسی بھی اعتبار سے مناسب نہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عمل کے پیچھے ان کے محرکات دینی ہیں لیکن نیت اور محرکات وجذبات کیسے بھی ہوں؟ مگر ان کے واسطے انجام دیئے جانے والے عمل کا حدود وضابطہ کے دائرہ میں ہونا ضروری ہے، کیونکہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی عزت وآبرو بالخصوص علماء کی آبرو اور جان ومال پامال کرنا حرام ہے۔

### ابن حزم پر کیا گیا حملہ :

ان حملوں میں سے ایک حملہ وہ ہے جو ابن حزم پر اس طرح کیا گیا کہ بعض حرمت کے قائل حضرات نے انہیں ضال ( گمراہ ) اور مضل ( گمراہ کرنے والا ) تک کہہ دیا، ابن حزم ظاہریت کے قائل ہونے کے باوجود—ائمۃ المسلمین میں شمار ہوتے ہیں—فکر اسلامی کی بلند پایہ شخصیت ہیں، ان کے صحیح فقہی نظریات میں ایسے تنقیدی تجزیے ہیں جن پر ہم آج فخر کرتے ہیں۔

مورخ اسلام امام ذہبی نے ''سیر الاعلام'' کی آٹھویں جلد کے صفحہ ۱۸۴ سے ۲۱۲ تک ۲۹ صفحات پر مشتمل ان کا سیر حاصل سوانحی خاکہ پیش کیا ہے، جس میں انہوں نے لکھا ہے

کہ ابن حزم امام منفرد ہیں، علم کے سمندر ہیں، مختلف علوم ومعارف کے ماہر ہیں، فقیہ ہیں حافظ حدیث ہیں علم کلام کے ماہر ہیں ادیب ہیں وزارت کے منصب پر فائز ہیں، ظاہریت کے قائل ہیں اور متعدد بلند وبالا تصانیف کے مالک ہیں۔

آگے لکھتے ہیں :

عیش وعشرت بھری زندگی میں ان کی نشوونما ہوئی، منجانب اللہ بلا کی ذہنیت اور سیلاب کی مانند حاضر جوابی اور نتیجہ اخذ کرنے والا روشن دماغ ان میں ودیعت کر دیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ بہت ساری کتابیں ان کے قلم سے معرض وجود میں آئیں، ان کے والد قرطبہ کے سر برآوردہ افراد میں شمار ہوتے تھے، عامری دور حکومت میں بحیثیت وزیر مامور تھے، اسی طرح جوانی کے عالم میں بھی وزارت کے عہدہ پر متمکن رہے، سب سے پہلے ادب، حالات وواقعات، شعر وشاعری، منطق اور اجزائے فلسفہ میں مہارت حاصل ہوئی، منطق اور اجزاء فلسفہ کا ان پر بہت زیادہ اثر ہوا کاش اتنا نہ ہوتا، مجھے ان کی تالیف کردہ ایک کتاب ہاتھ آئی، جس میں وہ منطق پر توجہ دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور اسے تمام علوم پر فوقیت دیتے ہیں، میں نے اس کی وجہ پر غور وخوض کیا تو نظر آیا کہ منطق اسلامی علوم میں سر کی حیثیت رکھتا ہے۔

منقولات کے لئے بھی اس کا دامن وسیع ہے، ظاہری طور پر خشک ہونے کے باوجود بے نظیر ہے، اور فروع میں بھی نہ کہ اصول میں ظاہری وسعتوں سے مالامال ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے فقہ شافعی کے فقیہ کی حیثیت سے معروف ہوئے، پھر اپنے اجتہاد کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچے کہ قیاس کی تمام قسمیں جلی وخفی کے منکر ہوئے، کتاب وسنت کے عموم اور نص کے ظاہر پر عمل کرنے کے قائل ہوئے، براءت اصلیہ اور استصحاب حال کو معتبر سمجھا، اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی اور اس پر مناظرہ کیا، اور اس سلسلہ میں اپنی زبان وقلم کی کوشش شتر بے مہار کی طرح جاری رکھا، حتی کہ ائمہ عظام کو بھی خطاب کرنے میں ادب کا لحاظ نہیں کیا، بلکہ عبارت آرائی سے کام لے کر ان بزرگ ائمہ کرام کو برا

بھلا کہاان کی شان میں گستاخی کی جس کا بدلہ انہیں اس شکل میں بھگتنا پڑا کہ ائمہ کی ایک معتد بہ جماعت نے ان کی تمام تر تصنیفات سے پہلوتہی اختیار کی، انہیں کسی پہلو سے لائق اعتبار نہیں سمجھا، ایک وقت ایسا آیا کہ وہ کتابیں جلادی گئیں، بعد میں دوسرے علماء نے ان کتابوں کی طرف توجہ کی، انہیں استفادہ اور تنقید کی غرض سے ڈھونڈ نکالا، جن میں انہیں بے قیمت پتھروں کے رنگ میں قیمتی موتی پیوست نظر آئے، کبھی پڑھ کر مست ہوجاتے تو کبھی خاموش ہوجاتے اور جولوگ تنہائی میں پڑھتے وہ قہقہہ لگا کر ہنستے، غرض یہ کہ کمال کا حصول ہر کسی کے لئے نہیں یہی وجہ ہے کہ ہر کسی کا ایک قول سوائے رسول اللہ ﷺ کے لیا جاتا ہے اور اس کے دوسرے قول سے اعراض بھی کیا جاتا ہے۔

کثیر علم سے آراستہ تھے، ایک لفظ کے کئی معانی وضع کرنے میں اپنی مثال آپ تھے، نظم ونثر دونوں کے ماہر تھے، دینداری اور نیکی کے پیکر تھے، عظیم مقاصد کے حامل تھے، تصنیفات اپنی افادیت میں یکتا وبے مثال تھیں، منصب وریاست سے دور تھے، اپنے گھر میں بیٹھے علم میں منہمک تھے۔ لہذا ہم نہ ان میں غلو کرسکتے ہیں اور نہ ان کی خوبیوں کو بیان کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی وکمی کرسکتے ہیں کیونکہ ہم سے بڑے بڑے علماء نے ان کی تعریف میں قصیدہ خوانی کی ہے۔

ابوحامد غزالیؒ فرماتے ہیں مجھے اسماء حسنٰی سے متعلق ایک کتاب ملی ابن حزم اندلسی کی تالیف کردہ ملی جس سے صاحب کتاب کی قوت حافظہ کی بلندی اور تیز خاطری کا پتہ چلتا ہے۔

امام ابوالقاسم صاعد بن احمد لکھتے ہیں : ابن حزم تمام اہل اندلس میں اسلامی علوم کی بابت فائق تھے اور وسیع المعلومات تھے، ساتھ ہی ساتھ علم اللسان میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی اور بلاغت وشاعری میں بھی خاصی صلاحیت کے حامل تھے، اور جنگی احوال وکوائف سے بھی غایت درجہ واقف تھے۔

ان کے صاحبزادہ فضل نے مجھے بتایا کہ اس کے پاس اس کے والد کے ہاتھ کی تحریر

کردہ تالیفات میں سے چار سو جلدیں موجود ہیں جو اسی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔

ابوعبداللہ حمیدی کہتے ہیں : ابن حزم حافظ حدیث تھے، فقہی مسائل انہیں از بر تھے، کتاب وسنت سے استنباط احکام پر قادر تھے، تمام علوم کو سمجھنے اور بیان کرنے کی اچھی قدرت حاصل تھی، اپنے علم پر عامل تھے، اللہ تعالی نے ذہانت، حاضر دماغی، دینداری اور شرافت نفس کا جو وافر حصہ ان میں ودیعت فرمادیا تھا وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے، شعر و شاعری اور زبان وادب میں فراخ دلی اور بے نظیر مہارت سے آراستہ تھے یہی وجہ تھی کہ جس تیز رفتاری سے برجستہ شعر کہنے پر وہ قادر تھے ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں ان کے اشعار بہت ہیں جنہیں میں نے حروج تہجی کے اعتبار سے جمع کیا ہے۔

ابن حزم کے سلسلہ میں ابن عربی سے منقول تاثرات نقل کرنے کے بعد امام ذہبی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

میرا یہ کہنا ہے کہ قاضی ابوبکرؒ نے علم کے ساتھ انصاف نہیں کیا، اور نہ علم کے بارے میں انصاف پر مبنی گفتگو کی ہے، بلکہ علم کا استہزاء کیا ہے، جبکہ ابوبکر بن عربی علم میں بلند مقامی پر فائز ہونے کے باوجود ابومحمد کے مقام ومرتبہ تک نہ پہنچ سکے ہیں اور نہ پہنچ سکتے ہیں، اللہ تعالی ان دونوں بزرگوں پر رحم کرے اور ان کی مغفرت فرمائے۔

یسع بن حزم غافقی ابومحمد کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں : ان کے سینے میں جو محفوظ علم ہے وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، موسلا دھار بارش ہے ان کے علم کے سمندر کی گہرائی سے حکمتوں کے موتی نکلتے ہیں، اور اس کی بارش سے ہمتوں کے باغات میں قسم قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی ہیں، مسلمانوں کے تمام تر علوم ان کے سینے میں محفوظ ہیں، اور اپنی دینداری میں ہر دیندار سے بڑھ کر ہیں۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام — جنہیں اجتہاد کا مقام حاصل ہے — اپنے تاثرات یوں بیان فرماتے ہیں :

اسلامی موضوعات پر لکھی گئی کتابوں میں ابن حزم کی ''المحلی''، میں شیخ موفق الدین کی ''المغنی''، میں جو بات نظر آئی وہ کسی کتاب میں نہیں ملی۔

میرا یہ کہنا ہے کہ شیخ عزالدین کی بات صدفی صد صحیح ہے، ان جیسی کتابوں میں تیسری کتاب بیہقی کی ''السنن الکبری'' ہے اور چوتھی کتاب ابن عبدالبر کی ''التمہید'' ہے جو ان دواوین کو حاصل کرلے اور گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ان کا مطالعہ کرے وہ حقیقی معنوں میں عالم سمجھا جائے گا، اور وقت کا ذہین ترین مفتی شمار کیا جائے گا۔

ابن حزم کی چند مزید اہم تصنیفات ہیں جن میں سب سے بڑی اور ضخیم کتاب **''الإيصال إلى فهم كتاب الخصال'** ہے جو پندرہ ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اور دوسری بڑی کتاب **''الخصال الحافظ لجمل شرائع الإسلام''** ہے جو دو جلدوں میں ہے، اور ''المحلی'' فقہ کے موضوع پر ہے جو ایک جلد میں ہے، مگر **''المحلی فی شرح المجلی بالحجج والآثار''** آٹھ جلدوں میں ہے اسی طرح اور بھی دوسری کتابیں ہیں جنہیں امام ذہبی نے ذکر کیا ہے۔

## ابن طاہر پر کیا گیا حملہ :

حافظ ابن طاہر کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ نجس بن طاہر ہے، اور دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ وہ مبتدع ہے اباحیت پسند ہے جھوٹا ہے، جبکہ ابن طاہر قابل اعتماد حفاظ حدیث میں ہیں، اکثر وبیشتر علماء کرام نے ان کے بارے میں سنجیدہ تعریفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں، بہت تھوڑے علماء نے انہیں ان کی رائے کی بنا پر اعتبار واعتماد سے خارج سمجھا ہے۔

اس موقع پر مورخ اسلام حافظ ذہبی نے ان کے بارے میں جو کچھ اپنے موسوعہ ''سیر اعلام النبلاء''، میں لکھا ہے اسے لکھ دینا کافی سمجھتا ہوں، وہ لکھتے ہیں :

ان کا پورا نام محمد بن طاہر بن علی بن احمد ہے، امام وقت ہیں اور حافظ حدیث ہیں، ملکوں مسلکوں کی خاک چھاننا ان کی خوبی رہی ہے، صاحب تصانیف ہیں، کنیت کے لحاظ سے ابوالفضل بن ابوالحسین بن القیسر انی مقدسی اثری ظاہری صوفی سے جانے جاتے ہیں۔

بیت المقدس میں شوال ۴۰۸ھ میں پیدا ہوئے، قدس، مصر، مکہ ومدینہ، شام، جزیرہ، عراق، اصفہان، جبال فارس اور خراسان میں حدیث پاک کی سماعت کی، اور اپنے خوبصورت اور تیز رسم الخط میں اتنی کتابیں تصنیف فرمائی جو تذکرے سے بالاتر ہے، کتابیں تصنیف بھی کی اور تالیف بھی، اور اس میدان میں بڑی مہارت تھی، ان پر اہل علم نے بہت کچھ لکھا اور استفادہ کیا جبکہ ان کے علاوہ دوسرے حضرات بھی ایسے تھے جن میں ان سے کہیں زیادہ گہرائی اور گیرائی تھی، اور اوہ ان سے زیادہ تلاش وجستجو کے ماہر تھے، ان کے وہ اساتذہ جن سے انہوں نے استفادہ کیا اور وہ تلامذہ جنہوں نے ان سے استفادہ کیا کے بارے میں لکھنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں :

ابوالقاسم بن عساکر کہتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن محمد حافظ کو کہتے ہوئے سنا کہ جن لوگوں سے میری ملاقات ہوئی ان میں حافظہ کے لحاظ سے سب سے بڑا انسان محمد بن طاہر کو پایا۔

ابوزکریا یحییٰ بن مندہ کہتے ہیں : ابن طاہر حفاظ حدیث میں ہیں، صحیح العقیدہ ہیں، تصوف کی پاکیزہ طریقت پر کاربند ہیں، سچے ہیں صحیح وضعیف سے واقف ہیں، کثیر التصانیف ہیں، حدیث وسنت پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔

سلفی کہتے ہیں میں نے محمد بن طاہر کو کہتے ہوئے سنا صحیحین اور سنن ابی داؤد میں نے سات مرتبہ اجرت پر لکھی اور ری میں دس مرتبہ سنن ابن ماجہ لکھی۔

ابوسعد سمعانی کہتے ہیں میں نے فقیہ وقت ابوالحسن کرخی سے ابن طاہر کے بارے میں پوچھا تو ان کا کہنا تھا کہ روئے زمین پر کوئی ان کے جیسا نہیں ہے، اور وہ داودی مسلک کے تھے، مجھ سے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے داودی مسلک اختیار کرلیا ہے تو میں نے عرض

کیا کہ ایسا کیوں؟ ان کا جواب تھا میں اس سے اتفاق کرتا ہوں، پھر میں نے پوچھا کہ جن اہل علم سے آپ کی ملاقات ہوئی ان میں سب سے اچھا آپ کو کون محسوس ہوا، انہوں نے فرمایا جن لوگوں کو میں نے افضل سمجھا ان میں سعد بن علی زنجانی ہیں، اور عبداللہ بن محمد انصاری ہیں، ابو مسعود بن عبدالرحیم۔ حاجی فرماتے ہیں میں نے ابن طاہر کو کہتے ہوئے سنا حدیث کی جستجو میں میری انتھک کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو بار مجھے دو مرتبہ پیشاب کے راستے خون جاری ہوا ایک بار بغداد میں اور دوسری بار مکۃ المکرمہ میں، میں چونکہ گرم راستوں میں ننگے پاؤں چلا کرتا تھا اس لئے مجھے اس طرح کی پریشانی لاحق ہوئی، اور کبھی میں نے طلب حدیث کے واسطے سواری نہیں لی، اپنی پیٹھ پر کتابیں اٹھاتا ہوا منزل کی طرف رواں دواں رہتا، اور اس راہ میں کسی سے کچھ نہ مانگتا بلکہ جو روزی آتی اسی پر قناعت کرتے ہوئے زندگی بسر کرتا۔

ان کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ رات دن میں بیس فرسخ (یعنی ۱۶۰ کلومیٹر) چلتے تھے، اور حقیقت میں وہ اس پر قادر بھی تھے، دقاق نے اپنی کتاب میں انہیں کمتر دکھایا ہے اور ان کا تعارف ایک عام صوفی کی حیثیت سے کرایا ہے، ری میں رہے پھر ہمذان میں سکونت پذیر ہوئے، ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ''صفوۃ التصوف'' ہے، انہیں بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ ائمہ کرام کے اساتذہ سے متعلق احادیث کے بارے میں معلومات کم تھی، امام ذہبی کا بیان ہے کہ میں نے اس شخص سے کہا کہ اب تو بس کرو تم نے تو ابن طاہر کی شان میں بہت کچھ وہ باتیں کہہ دیں جو تمہیں کہنی نہیں چاہئے تھی کیونکہ ابن طاہر تمہارے مقابلے بہت سی روایتوں کے حافظ ہیں اور تم ان سے پیچھے ہو، پھر اس نے ان کے متعلق اباحت پسندی کی بات کہی، اس پر میں نے کہا کہ اباحت سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر مطلق اباحت مراد ہے تو نعوذ باللہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ احادیث پر عمل پیرا مسلمان ہے اور محارم دین کی حد درجہ تعظیم کرتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کبھی اس سے اس قسم کی کوئی غلطی یا چوک ہوجائے، اور اگر اباحت سے مراد خاص اباحت ہے جیسے سماع کی اباحت،، اور امرد کو دیکھنے کی اباحت تو یہ

معصیت ہے، اور اہل ظاہر جو اس سلسلہ میں اباحت کے قائل ہیں ان کا قول مرجوح ہے۔

ابن ناصر کا بیان ہے کہ وہ غلط بولتے تھے اور غلط پڑھتے تھے تو ایک مرتبہ انہوں نے پڑھا :"إن جبينه ليتفصد عرقا"(قاف سے) آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینے سے تر ہو جاتی )، میں نے عرض کیا "فاء" سے ہے تو انہوں نے میری مخالفت کی اور ناگواری کا اظہار کیا۔

اس سلسلہ میں میرا یہ کہنا (قرضاوی) ابن طاہر حق پر ہیں کیونکہ امام بخاریؒ کی روایت میں عرقاً قاف سے مذکور ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اچھے انداز میں وحی کے نزول کے وقت کی شدت معلوم ہوتی ہے جس کی بنا پر پسینہ مسلسل نکلنے لگتا تھا، اور یہ کوئی خالی قولی دعوی یا تکلفات کا اظہار نہیں ہوسکتا ہے۔

شیرویہ بن شہردار نے "تاریخ ہمذان" میں لکھا ہے کہ ابن طاہر ہمذان میں رہے اور وہیں گھر بنایا، اور شام حجاز، مصر عراق اور خراسان کا سفر کیا، وقت کے عام مشائخ سے روایتیں لکھی اور روایت بیان بھی کی، محدثین کے درمیان قابل اعتماد تھے، سچے تھے، حافظ حدیث تھے، صحیح وضعیف سے واقف تھے، رواۃ اور متون سے اچھی واقفیت تھی، کثیر التصانیف تھے، بہترین خطاط تھے، حدیث وسنت پر عامل تھے، فضول سرگرمیوں اور ہر طرح کی عصبیت سے دور تھے، ہر شئی کا اثر بڑی سرعت سے قبول کرتے، سفر میں پوری قوت سے چلتے تھے، حج وعمرہ کی بار بار سعادت نصیب ہوئی، اور حج سے لوٹتے ہوئے بغداد میں انتقال کر گئے۔

## عنبری پر کیا گیا حملہ :

اسی طرح ان حضرات نے قاضی وفقیہ عبید اللہ بن حسن عنبری کے بارے میں کہا ہے کہ علماء کے درمیان مطعون ہیں۔

جبکہ عنبری امام ہیں ان کی علمی دینی قدر ومنزلت ہر جگہ مسلم ہے، حافظ مزی نے "تہذیب الکمال" میں لکھا ہے کہ ابوداؤد فقیہ تھے، اور نسائی کے نزدیک بصرہ کے قابل اعتماد

شخص تھے اور فقیہ وقت تھے، ابن حبان نے ''الثقات'' میں شمار کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اپنے علم وتفقہ کی بنیاد پر بصرہ کے سادات وشرفاء میں گنے جاتے تھے، محمد بن سعد کہتے ہیں کہ سوار بن عبد اللہ کے بعد بصرہ کا منصب قضاء سپرد کیا گیا، اور وہ قابل اعتماد تھے، اور لوگوں کے درمیان ایک لائق تعریف عقل مند آدمی کی حیثیت سے مشہور تھے۔

احمد بن عبد اللہ عجلی کہتے ہیں کہ جب سوار بن عبد اللہ کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے عبید اللہ بن الحسن سے قاضی بننے کی درخواست کی مگر انہوں نے انکار کر دیا، تو ان کے والد نے ان سے کہا کہ اے بیٹا! اگر تم اپنی دینداری کے تحفظ کی خاطر انکار کر رہے ہو تو یہ تمہارا مستحسن قدم ہے، اور اگر اس لئے انکار کر رہے ہو تا کہ تمہارے تعلق سے ان کی خواہش مزید بڑھ جائے تو یہ بھی ایک اچھا عمل ہے، تو ان لوگوں نے سوار کے بعد ان سے منصب قضاء پر متمکن ہونے کی خواہش ظاہر کی اور انہیں قضاء کی ذمہ داری سپرد کی۔

عبد الرحمن بن مہدی فرماتے ہیں : ہم ایک جنازہ میں تھے جس میں عبید اللہ بن حسن تھے اور اس وقت وہ منصب قضاء پر فائز ہو چکے تھے، جب جنازہ رکھا گیا تو وہ بیٹھ گئے اور دوسرے لوگ بھی ان کے ارد گرد بیٹھ گئے، عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے ان سے ایک مسئلہ دریافت کیا جس میں ان سے غلطی ہو گئی تو میں نے کہا کہ اللہ تعالی آپ کو درست رکھے اس مسئلے کا شرعی حکم یوں یوں ہے، تھوڑی دیر سر جھکائے رہے، پھر سر اٹھا کر فرمایا اگر معاملہ یوں ہے تو میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں، کیونکہ مجھ سے غلطی ہو گئی، میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں کیونکہ مجھ سے غلطی ہو گئی، اس لئے کہ حق کے معاملہ میں پیچھے رہوں اس سے بہتر ہے کہ باطل کے سلسلہ میں پیش پیش رہوں۔

اتنی صراحت کے ساتھ ایسا اعتراف وہی شخص کر سکتا ہے جو دلیر دل ہو اور بلند مقام ہو۔

عبد اللہ بن صالح عجلی لکھتے ہیں : مہدی نے عبید اللہ بن الحسن جو بصرہ کے قاضی تھے کو خط لکھا جس میں انہیں اس بات کا حکم دیا کہ اس زمین کے مسئلہ کو دیکھیں جس میں فلاں تاجر

فلاں قائد سے برسر پیکار ہے اور قائد کے حق میں فیصلہ کریں، عبید اللہ بن حسن نے فرمایا گواہ لاؤ گواہ کی ایک جماعت حاضر ہوئی، گواہی سماعت کرنے کے بعد انہوں نے مہدی کی چاہت کے برعکس تاجر کے حق میں فیصلہ سنایا اور فرمایا "**اذهب الآن فقد طوقتک طوقاً لا یفکه عنک خمسون قیناً**"، اس پر مہدی نے انہیں منصب قضاء سے معزول کر دیا۔

اسی طرح اور دیگر مسئلوں میں انہیں یہ دیکھا گیا کہ انہوں نے خلیفہ وقت کے حکم کی پرواہ نہ کی اور ان کے خلاف ان کی ہدایت نامہ کو چیلنج کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا، جو حقیقت میں ان کی دلیری اور بہادری کی علامت تھی۔

صاحب تہذیب الکمال نے اپنی سند سے محمد بن سلام کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی عبید اللہ بن حسن کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ہم امیر محمد بن سلیمان کے پاس تھے، آپ کا بھی تذکرہ ہوا جس میں آپ کی ہر خوبی پر روشنی ڈالی گئی، چنانچہ امیر کو کہیں سے بھی آپ کی برائی کرنے کا موقع نہ ملا، سوائے اس کے کہ آپ مزاح فرماتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا ارے بھائی بخدا میں مزاح کرتا ہوں مگر مزاح میں حق بولتا ہوں جھوٹ نہیں بولتا، اگر میں کہوں کہ اس وقت میرے گھر میں عیسی بن مریم ہیں تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے، میں نے کہا یہ بات بھی تو مزاح ہی ہے انہوں نے جصاص (گچ بیچنے والے) سے کہا جو اس وقت ان کے گھر میں تھا اے جصاص تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عیسی، پھر پوچھا تمہاری والدہ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا مریم، اس پر انہوں نے کہا دیکھا بھائی جب میرے ساتھ ایسا ہوگا تو میں کیا کرسکتا ہوں؟

یہاں سے قارئین کرام کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ عبید اللہ بن حسن عنبری بور طبیعت کے ایسے انسان نہ تھے جو ہر وقت پژمردہ اور کھویا کھویا نظر آئے، بلکہ اللہ تعالی نے انہیں حاضر دماغی عطا کی تھی دوسرے الفاظ میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نکتہ دانی اور نکتہ آوری میں ماہر تھے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ عزت ووقار کی بات ہے، کیوں کہ رسول

اللہ ﷺ بھی مزاح فرماتے مگر حق بیانی ہی کرتے تھے۔

آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں بھی کچھ حضرات خوش مزاجی میں مشہور تھے، جن میں سیدنا حضرت علی کرم اللہؓ کا نام سرفہرست ہے۔

مزاج اور طبیعت کی ایسی کشادگی اور بشاشت ہی دراصل محرک ثابت ہوئی اس بات کی کہ گانا سننے سنانے کے مسئلے میں توسع سے کام لیا جائے۔

## پھر کس بنیاد پر بعض علماء نے امام عنبری کی گرفت کی ہے؟

ان کی ایک رائے جس پر بعض علماء نے گرفت کی ہے وہ عقیدہ کے مسئلے میں اختلاف کرنے والے حضرات سے متعلق ہے، جیسا کہ علمائے اصول نے ان سے یہ نقل کیا ہے ''کل مجتہد فی الأصول مصیب کما ہو مصیب فی الفروع'' (اصول میں اجتہاد کرنے والا سچائی کو پالیتا ہے جس طرح فروع میں سچائی تک رسائی حاصل کرلیتا ہے)، مگر یہ قول عقیدہ کے مسئلے سے میل نہیں کھاتا اس لئے کہ اجتہاد میں صواب کے ساتھ خطاء کا بھی امکان رہتا ہے، مگر فروع کی طرح عقیدہ میں اجتہادی خطاء بھی قابل تحمل نہیں ہے، کیونکہ عقیدہ کا فساد قطعیت کے ساتھ ثابت ہے جس میں اجتہادی طور پر کسی طرح کی گنجائش نہیں ہوسکتی، اسی لئے امام رازی نے ''محصول'' میں امام عنبری کے اس قول کی یوں تشریح کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میدان میں اجتہاد کرنے والوں پر اجتہاد کی بنا پر کسی طرح سے گناہ کا وبال نہ ہوگا۔

بعض علماء کے نزدیک امام عنبری کا یہ قول یہود و نصاری، وثنیین اور ملحدین پر منطبق ہوتا ہے جن پر قطعی دلائل کے ذریعہ اسلام نے کفر و ضلال کی مہر ثبت کردی ہے، اسی بنیاد پر ان علماء نے امام عنبری کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

بعض علماء نے ان کے اس قول کی تشریح بالکل اسی طرح کی ہے جس طرح امام غزالیؒ نے ''المستصفی''، میں تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے اس قول سے ان کلامی مسائل میں

مسلمانوں کا اختلاف مراد لیا ہے جن میں اختلاف کرنے سے کفر لازم نہیں آتا جیسے رؤیت باری، خلق اعمال، خلق قرآن، اور ارادت کائنات کے مسائل، کیونکہ ان مسائل میں آیات واحادیث ایک دوسرے کے متشابہ ہیں، اورشرعی دلائل ظاہر میں باہم متعارض ہیں، اور ہر فریق نے وہ رائے اختیار کی ہے جسے اس نے آیات واحادیث کے موافق اور عظمت الٰہی اور دین کی پائیداری کے شایان شان سمجھا ہے اس لئے وہ حضرات اس مسئلے میں حقیقت تک پہنچ بھی سکتے ہیں اور نہ پہنچنے کا بھی امکان ہے جس کی وجہ سے وہ قابل معافی ہیں۔

امام غزالیؒ نے اس تاویل کی تردید کی ہے مگر سخت الفاظ میں نکیر نہیں کی ہے جس طرح پہلی تفسیر میں کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں امام عنبری کے ترجمے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے جسے امام غزالیؒ نے امام عنبری کے قول کے لئے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد اہل قبلہ میں سے وہ حضرات ہیں جو عقیدہ کے فروع میں اختلاف کرتے ہیں، جیسے اشاعرہ اور معتزلہ وغیرہ کا اختلاف، یا جبریہ اور قدریہ کا اختلاف، امام موصوف نے ان حضرات کے اختلافات کے محرکات پر نظر ڈالی تو انہیں وہ معذور سمجھ میں آئے چنانچہ انہوں نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی غایت درجہ تعظیم کی اور ہر کمی سے منزہ سمجھا ہے، اسی طرح حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مابین اور جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان دونوں سے جنگ کی کے بارے میں فرماتے تھے کہ دونوں فریق نیت کے اعتبار سے اطاعت الٰہی کی خاطر ایک دوسرے سے لوہا لئے ہوئے تھے۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس قول سے اس وقت رجوع کرلیا جب امام محدث عبدالرحمن بن مہدی نے ان سے اس بابت گفتگو کی تو فرمایا مجھ سے غلطی ہوئی میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں۔

اور اگر انہوں نے رجوع نہیں کیا تب بھی ان کی اس رائے کی وجہ سے ان کی عدالت

ساقط نہیں ہوسکتی اور نہ کسی حال میں ان کی تمام نیکیاں خاک آلود ہوسکتی ہیں، کیونکہ ان کی یہ رائے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ وہ ان تمام مشکل اور متنازع مسائل میں مسلمان کی تکفیر کرنے میں دینی اعتبار سے حرج محسوس کرتے ہیں، جس سے ان کے غایت درجہ تقوی، خشیت الٰہی اور ناحق کسی مسلمان کی تکفیر سے ڈرنے اور گریز کرنے کا احساس ہوتا ہے۔

اور اگر یہ فرض کرلیں کہ ان کی یہ رائے غلط تھی گویا ان سے لغزش ہوئی تب بھی اس سلسلہ میں باوزن گفتگو یہ ہوگی کہ عالم جب اجتہاد کرتا ہے اور اصول یا فروع میں اس سے غلطی ہوجاتی ہے یعنی حقیقت تک رسائی نہیں ہو پاتی پھر بھی وہ گنہگار نہیں ہوگا، اور اس مسئلے میں قرآن وسنت اور صحابہ کرامؓ سے ایسا کچھ ثابت نہیں ہے جس سے اصول وفروع یا علمیات اور عملیات کے درمیان تفریق ثابت ہوتی ہو، اور ہم نے اپنی کتاب ''الاجتہاد فی الشریعۃ الإسلامیۃ'' میں محققین علماء کی ایک تعداد سے جو کچھ نقل کیا ہے اس سے مذکورہ توجیہ کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں :

امام عنبری سے جو قول منقول ہوا ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اصولیات کے باب میں ہر مجتہد حق پر ہے تو یہ غلط ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ جو پوری کوشش کرے اور اصولیات میں حقیقت دریافت کرنے کی خاطر کوئی کوتاہی نہ کرے تو وہ معذور سمجھا جائے گا اور مستحق سزا نہ ہوگا، یہ توجیہ زیادہ قرین قیاس ہے اس لئے ان کا یہ خیال ہے کہ اگر اسے سزا ملی جبکہ اس نے مقدر بھر کوشش کی ہے تو یہ تکلیف مالایطاق کا مصداق ہوگا۔

اور اس توجیہ کو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے بھی اختیار کیا ہے اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں :

اہل ایمان میں سے تلاش حق کی جو کوئی کوشش کرے اور حق تک اس کی رسائی نہ ہو پائے تو اللہ تعالی اس کی غلطی کو چاہے جس قبیل کی ہو معاف فرمادے گا، چاہے وہ غلطی نظریاتی اور علمی مسائل میں ہوئی ہو یا فروعی اور عملی مسائل میں ہوئی ہو، اسی موقف پر صحابہ کرامؓ

اور جمہور ائمہ اسلام کار بند ہیں۔

اور اگر ان مسائل کی اس طرح تفریق کی جائے کہ اگر مسائل اصولی ہوں تو ان کا انکار کفر ہے اور فروعی ہوں تو ان کا انکار کفر میں داخل نہیں ہے ایسی تفریق درست نہیں ہے کیونکہ اس تفریق کی صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ اسلام سے کوئی اصل منقول نہیں ہے۔

بلکہ ایسی تفریق ہمارے درمیان معتزلہ اور انہی جیسے دیگر اہل بدعت کے ذریعہ در آئی ہے، اور انہی سے ان فقہاء نے جنہوں نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے نقل کیا ہے، جو دراصل باہم متضاد تفریق ہے۔

یقینا اعتقادی علمی مسائل کو دائرہ اجتہاد سے خارج کرنا اگر چہ ان کے دلائل قطعی نہ ہوں، اور جو حضرات ان میں اجتہاد کر رہے ہوں انہیں گنہگار ٹھہرانے میں مبالغہ آرائی سے کام لینا ایسا عمل ہے جس نے بہتوں کو یہاں تک پہنچا دیا کہ انہوں نے اصولیات میں مختلف رائے اختیار کرنے والے حضرات کو کافر قرار دیا، جیسے کہ معتزلہ اور بہت سے دیگر فرقوں کے ماننے والوں نے اور بعض اہل سنت نے کیا، جبکہ تکفیری عمل نہایت ہی حساس اور نازک ہوتا ہے، اور کسی صاحب بصیرت مسلمان کے لئے روا نہیں کہ ایسے مسئلے میں جلدی میں کوئی فیصلہ صادر کرے جب تک کہ تمام مسالک کو کھنگھال نہ لے اور عذر اور تاویل کی کوئی سبیل نظر نہ آئے۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ مجتہدین اسلام کی تکفیر کرنا محض کسی عقلی مسئلے میں کئے گئے اجتہاد میں غلطی کی بنیاد پر ایک دشوار گھاٹی ہے، جس پر چڑھنے کی کوشش وہی کر سکتا ہے جسے نہ اپنے دین کی پرواہ ہو اور نہ اس کا خواہش مند ہو کیونکہ اس کی بنیاد ہلاکت خیزی پر ہے یا تہہ بتہہ تاریکی پر ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس طرح کی حرکت تعصب کی وجہ سے وجود میں آتی ہے، یا ایسی بے بنیاد شبہات کی بنیاد پر جن کا شرعی دلیل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، اور جو دین کے معمولی معاملے میں معتبر نہیں ہوتیں تو پھر اس مسئلے میں جس میں بہت سے علماء سے لغزش ہونے کے قوی امکانات ہوتے ہیں کیسے معتبر ہو سکتی ہیں؟

## ابراہیم بن سعد :

اس طرح ان حضرات نے وقت کے ثقہ اور حجت سمجھے جانے والے امام ابراہیم بن سعد بن ابراہیم زہری کے مقام ومرتبہ سے کھلواڑ کرنے کی کوشش کی ہے اوران کے رتبہ ومنصب کو کم کرنے کی مذموم حرکت کی ہے، جب کہ وہ مدینہ کے بڑے علماء میں بے شمار ہوتے تھے، حضرت عبدالرحمن بن عوف کے پوتے تھے، پھر بھی لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ مجتہد نہیں ہیں۔

اگر معاملہ ایسا تھا تو پھر حافظ ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں انہیں کیسے ''الامام الحافظ الکبیر'' وقت کے امام اور بڑے حافظ حدیث کہہ کر خطاب کیا، کیا اس شخص کو امامت مل سکتی ہے جس کا فقہ سے کوئی تعلق نہ ہو؟ امامت ایسے وقت میں اس کو ملتی ہے جو حدیث وفقہ کا جامع ہو گرچہ حدیث کا علم اس کے فقہی علم پر غالب ہو۔

ہم نے تسلیم کیا کہ وہ مجتہد نہیں تھے، وہ امام حدیث تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں احادیث کے ذخیرے میں باوجود اس کے کہ وہ حدیث کے امام تھے ایسی کوئی روایت نہیں ملی جو حرمت پر دلالت کرتی ہو، اوران کے مخالفین کو صحیح روایتوں میں کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس سے وہ استدلال کرتے۔

## رائے زنی کی وجہ سے کسی کو مجروح قرار دینا قابل تردید عمل ہے :

گانا کی حرمت کی مخالفت کرنے والے علماء کرام پر کئے گئے تیز وتند حملوں کے سلسلے میں جس چیز کی ہم سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہیں وہ یہ کہ اس عالم کی عدالت کو محض اپنی رائے کی بنیاد پر ساقط سمجھا جائے اورانہیں دین واخلاق کے اعتبار سے مجروح سمجھا جائے اگر ان کی ایسی رائے نہ ہوتی تو وہ معتبر علماء اوراچھے فضائل میں شمار ہوتے ،مگر انہیں آسمان سے زمین پر اور بلند مقامی کے مقابلے ذلت کا سامنا کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ اس رائے کی وجہ سے کرنا پڑا جوانہوں نے کسی مسئلے میں ظاہر کردیا۔

یہ دراصل فکری دہشت گردی کی ایک قسم ہے جو دین اخلاق عقل اور علم ہر اعتبار سے قابل تردید ہے۔

دینی اعتبار سے قابل تردید اس طرح ہے کہ ایک مجتہد عالم اپنے اجتہاد کے مطابق اللہ تعالی کے دین پر عمل کرتا ہے جب تک کہ وہ مسئلہ جس میں بحث وتحقیق کی جارہی ہے اجتہادی مسئلہ بنا ہوا ہے، اور ایک مجتہد عالم سے اس بات کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنا اجتہاد چھوڑ کر دوسرے کی تقلید کرے اس لئے کہ باتفاق علماء ایسا شرعاً درست نہیں ہے۔

اس لئے اختلافی مسئلوں میں اکثر وبیشتر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ وقت کے معتبر علماء اور ائمہ رائے زنی کرتے ہوئے ''ندین اللہ بہ کذا وکذا'' جیسے جملے استعمال کرتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالی کے احکام پر اس طرح عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالی کی بندگی اس طرح کرتے ہیں جس طرح انکا اجتہاد اس مسئلہ میں جس میں انہوں نے آخری درجہ کی کوشش کی ہے رہنمائی کرتا ہے، اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ عالم کا ہر اجتہاد کامیاب ہوجائے، اگر معاملہ ایسا ہوجائے تو پھر ایک عالم اور نبی میں کیا فرق رہ جائے گا؟ جبکہ مجتہد کو ہر حال میں اجر ملتا ہے گرچہ اس سے کوئی غلطی کیوں نہ ہوجائے۔

اخلاقی اعتبار سے قابل تردید اس طرح جیسا کہ سبھی جانتے ہیں کہ وہ مکارم اخلاق جن کی تکمیل کی خاطر نبی کریم ﷺ اس دنیا میں مبعوث ہوئے، ان کا تقاضا قطعاً یہ نہیں ہے کہ کسی عالم پر حملہ کیا جائے اور انہیں بے جا اپنی تنقید کا نشانہ بنایا جائے، اس لئے کہ انہوں نے نہ صرف اس مسئلہ میں بلکہ اور بھی دیگر مسائل میں غیر کی مخالفت کی ہوگی اگر محض مخالفت کی بنیاد پر مذمت درست قرار دی جائے تو ایسی صورت میں ہم پر (نعوذ باللہ) یہ واجب ہوگا کہ ان صحابہ کرامؓ پر بھی حملہ کریں جنہوں نے بہت سے مسائل میں دوسروں کی مخالفت کی ہے، جن میں حضرت سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کے نام لئے جاسکتے ہیں، اور ایک سے زائد کتاب ان مسائل میں لکھی جاچکی ہے جن میں حضرت عائشہؓ

نے دیگر صحابہ کرامؓ کی مخالفت کی ہے۔

اور یہ کہنا کہ ان علماء پر ہمارے حملہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان سے یہ چاہتے ہیں کہ اپنی آراء اپنے دلوں میں چھپائے رکھیں اور لوگوں کو ان سے محروم رکھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اظہار رائے کی بنیاد پر اگرچہ اظہار حق ہو رہا ہو مگر آپس میں ٹکراؤ کی صورت بن جائے، یہ ایک ایسی گھٹیا حرکت ہے جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

عقل اور علمی طور پر قابل تردید اس طرح ہے کہ مخالفین پر اس طرح سخت حملوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے وہ اصحاب علم واجتہاد ڈر جائیں گے جو سلامتی کی زندگی جینا چاہتے ہیں اور اس طرح کے تنقیدی بیانات سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں، پھر وہ اپنی بصیرت اور اجتہادی صلاحیتوں سے کام لینا بند کر دیں گے، جس کی وجہ سے امت علمی تخلیق اور فقہی اجتہاد سے محروم ہو جائے گی، اور ہر شیئ اپنی اصلی حالت پر بلاتحقیق باقی رہے گی، اور علم وفقہ اور دین کا بڑا نقصان سامنے آئے گا۔

آپ تصور کریں کہ اگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ اپنے اوپر مخالفین کی طرف سے کئے گئے ان سخت حملوں سے ڈر جاتے جن کی وجہ سے انہیں جیل جانا پڑا اور ابن تیمیہ تو قید خانے میں ہی فوت ہو گئے، اور بحث وتحقیق سے گریز اختیار کر لیتے اور دوسروں کی طرح تقلید پر آمادہ ہو جاتے تو امت علم کے بڑے حصے اور بڑے خیر سے محروم ہو جاتی۔

# نغمہ سنجی کے مسئلے میں امام غزالیؒ کا فقہی اعتدال

میرا یہ ماننا ہے کہ ہم نے نغمہ سنجی کے مسئلے میں امام غزالیؒ کے جس موقف اوران کے بیان کردہ نفسیاتی راز کو پیش کیا ہے اور سماع کی حرمت کے قائل حضرات کے دلائل کا گہرائی وگیرائی کے ساتھ جائزہ لیا انہوں نے فقہی طور پر جو بحث ومباحثہ کیا ہے، اور حرمت کے قائل حضرات کا جو تشفی بخش جواب اور جواز کے قائل حضرات کے دلائل کی جو تائید وحمایت کی ہے ساتھ ہی وہ اسباب ومحرکات جو سماع کی اباحت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اور اباحت کو حرمت میں تبدیل کردیتے ہیں ان کی بھی جس انداز سے تحدید وتعیین کی ہے، اس سے ان کے معتدل فقہی موقف کا اندازہ ہوتا ہے جس سے شریعت کا اعتدال اس کی لچک اور ہر ماحول وزمانہ کی رہنمائی کرنے کی اس کی صلاحیت اجاگر ہوتی ہے۔

''الاحیاء'' میں امام غزالی کا فقہی موقف بالعموم مسلکی قیدوبندش سے آزاد نظر آتا ہے، وہ شافعی مسلک کے پابند مقلد نہیں ہیں بلکہ مجتہد مطلق ہیں، شریعت کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہیں، ان کا یہ موقف ان کے احیائی انسائیکلوپیڈیا کے بیشتر مقامات پر نمایاں ہے، جسے خصوصی مطالعہ کا موضوع بنا کر کسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی جاسکتی ہے۔

ہاں امام غزالی اس موضوع پر تحقیقی کلام کرنے میں امام برحق اور ایک قابل باصلاحیت فقیہ کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں اوران کے گہرے نظریات اوراس موضوع پر ان کے باریک تجزیے ان کی عبقریت کی گواہی دیتے ہیں اوران کے اجتہادی صلاحیت کی مضبوطی کو واضح کرتے ہیں چاہے نصوص کی تفسیر کا مسئلہ ہو یا نصوص سے سمجھ میں آنے والی علت جو قیاس کی بنیاد ہوتی ہے کے بیان کرنے کا مسئلہ ہو جسے ہم اس زمانہ میں مقاصد شریعت کہتے ہیں، اوراس موضوع پر ان سے پہلے امام شاطبیؒ وغیرہ نے بھی کلام کیا ہے۔

جسے اس کی چاہت ہو کہ وہ امام غزالیؒ کو فقیہ شافعی کی حیثیت سے جانے تو اسے چاہئے کہ ان کی چار مشہور کتابوں کا مطالعہ کرے جنہیں کسی شافعی عالم نے درج ذیل شعر میں نظم کیا ہے :

خدم المذهب حبر أحسن الله خلاصه

ببسيط ووسيط ووجيز وخلاصة

(وقت کے بڑے عالم نے مسلک کی خدمت کی، اور اس کا بہترین خلاصہ اپنی چار کتابوں بسیط وسیط وجیز اور خلاصہ کے ذریعہ پیش کیا)۔

جسے اس بات کی جستجو ہو کہ امام غزالیؒ کو مستقل فکر کے حامل فقیہ مجتہد کی حیثیت سے جانے تو اسے ''الاحیاء'' کے مختلف مقامات بالخصوص متنازع مسائل کا مطالعہ کرنا چاہئے جن میں انہوں نے کوڑا کرکٹ کو چھانٹنے کا کام کیا ہے اور حکم اصلی تک پہنچنے کے لئے تحقیق اور ترجیحی فریضہ انجام دیا ہے، ان تمام مسائل میں ان کے اختیار کردہ مواقف میں سب سے نمایاں گانا یا سماع کے متعلق ہے، اس مسئلے میں ان کی تحقیق یہ ہے :

اس فقہی معرکہ میں ہتھیار کی کمی اس طرح ہے کہ علوم حدیث اور فن اسماء الرجال کی واقفیت گہرائی اور گیرائی کے ساتھ جو ہونی چاہئے وہ تقریباً ندارد ہے۔

اگر اللہ تعالی اس کے واسطے مقدر فرماتا — جبکہ اس کے لئے یہ آسان تھا اگر وہ اس کی جانب توجہ کرتا — تو اسے اس کی ضرور جانکاری ہوتی کہ وہ روایتیں جن پر حرمت کے قائل حضرات نے اعتماد کیا ہے اور جن کی بنیاد پر آلات طرب اور سارنگی کو حرام قرار دیا ہے، ان میں سے ایک روایت بھی نہ صحیح ہے اور نہ سارنگی کی حرمت پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔

لیکن ان روایتوں سے محض ان حضرات کی تقلید میں جنہوں نے ان روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے سے استدلال کیا گیا ہے، ساتھ ہی اس مسئلے کی بہترین توجیہ بھی کی گئی ہے اور حرمت کو متعین علت سے مربوط کیا گیا ہے، بایں طور کہ اگر متعینہ علت پر یا دیگر علتیں جیسے ہی ختم ہوں گی ویسے ہی ان پر مرتب احکام بھی ختم ہو جائیں گے، کیونکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ

معلول اپنے وجود اور عدم کے اعتبار سے علت پر معلق ہوتا ہے۔

## سماع مباح کو حرام بنانے والے عوارض :

امام غزالی نے پانچ عوارض ذکر فرمائے ہیں جن کی وجہ سے سماع مباح ممنوع ہوجاتا ہے، اور جو مندرجہ ذیل ہیں :

ا- سنانے والے میں عارض کا پایا جانا جیسے کہ سنانے والی غیر محرم خاتون ہو جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا درست نہ ہو، اور اسے سننے کی صورت میں فتنہ کا بھی اندیشہ ہو، ایسی صورت میں حرمت کا حکم فتنہ کے خوف سے ہوگا نہ کہ بذات خود گانا کی وجہ سے۔

امام غزالی نے حرمت کے حکم کو فتنہ کے خوف پر منحصر کردیا ہے، اور اس کی تائید میں حضرت عائشہؓ کے گھر میں گانے والی دو باندیوں کی روایت پیش کی ہے، کیونکہ یہ بات پہلے ہی سے معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی ان دو باندیوں کی آواز سماعت فرماتے تھے، اس لئے ایسی صورتحال میں سماع سے احتراز لازم نہ ہوگا، مگر عورتوں کے حالات اور مردوں کے حالات کے لحاظ سے حرمت کا یہ حکم مختلف ہوگا، کیونکہ مردوں میں بوڑھے اور جوان دونوں ہی شامل ہیں اور ان جیسے مسئلوں میں حالات کے لحاظ سے حکم کا مختلف ہونا یہ کوئی مستبعد بات نہیں ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ بوڑھا آدمی روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے مگر نوجوان کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

۲-( آلہ ) عارض پر مشتمل ہو یعنی آلہ ایسا ہو جو شرابی یا مخنث حضرات کا شعار ہو جیسے کہ مزامیر، اوتار، اور طبل کوبہ، آلہ سماع کی یہ تینوں قسمیں ممنوع ہیں، ان کے علاوہ جو صورتیں ہیں وہ اپنے اصل کے لحاظ سے اباحت پر قائم ہیں جیسے کہ دف گرچہ اس میں...........

۳- کلام میں عارض ہو، مطلب یہ ہے کہ اشعار بے ہودہ معانی ہجو اور عیب جوئی پر دلالت کررہے ہوں یا ایسے اشعار ہوں جن میں اللہ تعالی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی جانب جھوٹ کا انتساب کیا گیا ہو، جیسا کہ روافض نے صحابہ کرام وغیرہ کے ہجو میں کچھ اشعار

مرتب کئے ہیں تو ایسے اشعار کو طرز سے یا تحت میں سننا اور سنانا دونوں ہی حرام ہے، اس طرح سے وہ اشعار جن میں کسی متعینہ خاتون کا سراپا بیان کیا گیا ہو کیونکہ مردوں کے بیچ کسی خاتون کا سراپا بیان کرنا درست نہیں ہے، رہی بات تشبیب کی جس میں عورتوں کے گال قد وقامت اور دیگر تمام اوصاف بیان کئے گئے ہوں حقیقت میں ان اوصاف کو شعر میں پرونا اور طرز یا تحت میں پڑھنا حرام نہیں ہے، مگر سننے والے کے لئے لازم ہے کہ اشعار میں بیان کئے گئے اوصاف سے کوئی متعین خاتون مراد نہ لے اور اگر متعین خاتون مراد لینا چاہے تو وہ خاتون مراد لے جو اس کے لئے حلال ہے، اور اگر اجنبیہ مراد لے لے تو وہ اس کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اور جن اشعار کے تعلق سے ایسا رویہ ہو ان کے سننے سے گریز ہر حال میں ضروری ہے۔

۴- سامع میں عارض ہو اس طرح کے سامع نفسانی خواہشات سے مغلوب رہتا ہو، اور عین جوانی کے عالم میں ہونے کی وجہ سے شہوانی جذبات ہر وقت اس پر غالب رہتے ہوں، تو ایسے سامع کے لئے سماع حرام ہے، چاہے اس دل میں کسی متعین شخص کی محبت غالب ہو یا نہ ہو معاملہ جیسا بھی ہو اس کے لئے گال جیسے اعضاء کا جمال اور ہجر و وصال کے تذکرے سننا درست نہیں ہے کیوکہ اس کا سننا اس کے لئے شہوت انگیز ثابت ہوگا، نتیجۃً وہ حسن کی ایک متعینہ صورت مراد لے گا، اور شیطان اس کے دل پر دستک دے گا جس کی وجہ سے شہوت کی آگ بھڑک جائے گی اور فتنہ وفساد پوری آب وتاب کے ساتھ پر پھیلانے لگیں گے۔

۵- سامع عام آدمی ہو، اس کے دل میں محبت الٰہی غالب نہ ہوئی ہو ورنہ شہوت غالب ہو تو ایسے شخص کے لئے سماع ایک محبوب عمل ہوگا، اس لئے ایسے آدمی کے واسطے سماع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، مگر اس کے حق میں لذتوں کی تمام تر انواع کی طرح سماع کو مباح بھی سمجھا گیا ہے الا یہ کہ جب سماع ایسے شخص کا محبوب کام ہو جائے اور اپنے زیادہ تر اوقات اس میں صرف کرنے لگ جائے تو اسے وہ بیوقوف سمجھا جائے گا جس کی گواہی مسترد ہوتی ہے، اس لئے کہ لہو ولعب میں پابندی سے مشغول رہنا ایک جرم ہے، اور جس طرح سے صغیرہ گناہ پر مصر ہونا

اور پابندی سے اس کا مرتکب ہونا اسے کبیرہ بنادیتا ہے اس طرح بعض مباح عمل پابندی سے انجام دیئے جانے کی وجہ سے صغیرہ گناہ بن جاتے ہیں جیسے کہ شطرنج کھیلنا مباح عمل ہے مگر اس کی پابندی اسے شدید طور پر مکروہ بنادیتی ہے اور ایسا نہیں ہے کہ جو چیز مباح ہے وہ زیادہ مقدار میں بھی مباح عمل کی طرح۔

ان عوارض میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ امام غزالیؒ کے نزدیک سارنگی حرمت کے عوارض میں ہے جس کی بنیاد شریعت کا اس کام سے روکنا ہے۔

امام موصوف نے اس حکم امتناعی کی علت دریافت کرنے کی راہ میں آخری درجے کی کوشش صرف کر کے عجیب وغریب علت بیان کی ہے، کہ شریعت نے بذات خود اس سے منع نہیں کیا کیونکہ حرمت کی بنیاد لذت ہوتی تو ہر وہ عمل جس سے انسان لذت پاتا ہے حرام ہوجاتا، مگر غور کا پہلو یہ ہے کہ اسے شراب کی حرمت پر قیاس کیا گیا ہے کہ شراب حرام کردی گئی اور اس سے لوگوں کو پہنچنے والے نقصانات کا تقاضا یہ ہوا کہ اس سے باز رکھنے کی خاطر مبالغہ آرائی سے کام لیا جائے، چنانچہ ابتداء میں شراب کے مٹکے توڑنے کا حکم دیا گیا، اس کے ساتھ ساتھ شرابی کبابی حضرات کی جو چیزان کی شعار سمجھی جاتی تھی جیسے کہ سارنگی وغیرہ اس سے بھی حرام کردیا گیا، گویا اس کی حرمت بذات خود نہیں بلکہ دوسرے کی وجہ سے ہے، جس طرح سے اجنبیہ سے تنہائی میں ملنا حرام ہے کیونکہ یہ داعی الی الجماع عمل ہے، ران کا دیکھنا حرام ہے کیونکہ شرمگاہ سے متصل ہے، شراب کی تھوڑی مقدار حرام ہے گرچہ وہ مسکر نہیں ہوتی اس لئے کہ تھوڑا پینا ہی زیادہ پینے کو دعوت دیتا ہے، ہر وہ حرام عمل جو کسی دوسرے عمل سے جڑا ہوا ہو جس کی وجہ سے وہ انجام پاتا ہو تو حرمت کا حکم اس عمل سے بھی متعلق ہوگا تاکہ حرام میں ملوث ہونے کے سارے دروازے بند ہوجائیں۔

تو یہ (اوتار ومزامیر) شراب کی حرمت کی متابعت میں تین علتوں کی وجہ سے حرام کردیئے گئے ہیں۔

ا– شراب نوشی کی دعوت دیتے ہیں اس لئے کہ ان سے حاصل ہونے والی لذت شراب پر مکمل ہوتی ہے۔

۲– یہ شراب نوشی سے قربت پیدا کرتے ہیں یعنی ان کی وجہ سے شراب سے مانوس مجلسیں یاد آتی ہیں، اور کسی شیئ کا تذکرہ اس کا شوق پیدا کردیتا ہے جس کی وجہ سے آدمی اس کی جانب اقدام کربیٹھتا ہے۔

۳– ان کی سماعت کے لئے اکٹھا ہونا یہ فساق کی عادت ہے اور فساق سے مشابہت اختیار کرنا ممنوع عمل ہے اس لئے کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے اسے اس قوم کا سمجھا جاتا ہے۔

اچھی طرح تجزیہ کرنے کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں : اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان چیزوں کی حرمت کی بظاہر کوئی علت نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ وہ لذت بخش ہیں اور لذت انگیز تمام چیزوں کا حلال ہونا یہ قرین قیاس ہے الا یہ کہ کسی لذت بخش عمل کو حلال قرار دینے میں فتنہ وفساد کے بھڑکنے کا اندیشہ ہو، ارشاد باری تعالی ہے :"**قل من حرم زینة اللہ التی أخرج لعبادہ من الطیبات من الرزق**"(الاعراف:۳۲)۔

اللہ تعالی امام غزالیؒ پر رحم فرمائے حقیقت یہ ہے کہ ایک بھی روایت جو صحیح سند سے ثابت ہو اور صراحۃ اپنے مفاہیم کو بیان کررہی ہو ایسی نہیں ہے جس سے سارنگی وغیرہ کی حرمت ثابت ہوتی ہو، جیسا کہ انکا بھی خیال ہے، مگر– اللہ تعالی ان سے راضی ہو– انہوں نے اس موضوع سے متعلق بیان کی جانے والی روایتوں کو تسلیم شدہ قضیہ سمجھ کر ان کی اس طرح تشریح کرنے کی کوشش کی جسے ہم نے بیان کیا، اگر ان کو اس مسئلے کی روایتوں کے ضعف کی ذرہ جانکاری ہوتی تو وہ اس علت بیان کی زحمت نہ فرماتے– بہرحال یہ علت بیانی بہتر ہے اس شخص کے حق میں ہیں جو ان روایتوں کے ضعف کو تسلیم نہ کرتا ہو۔

# (۵)

# چند شرائط اور ضوابط جن کی رعایت ضروری ہے

# چند شرائط اور ضوابط جن کی رعایت ضروری ہے

ہم جواز غناء کے حکم میں چند شرطوں اور ضابطوں کا اضافہ کرنا لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں جن کی رعایت کرنا ہر حال میں ضروری ہے تا کہ جواز کا حکم ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہو کر قابل فہم ہو جائے۔

**۱۔ گانا کا مضمون شریعت مخالف نہ ہو :**

جس حکم کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے اس سلسلہ میں یہ تاکید کر دینا چاہتے ہیں کہ ہر گانا مباح نہیں ہے، اس لئے ضروری ہے کہ گانا کا موضوع اسلامی تعلیمات کے موافق ہو اسلامی عقیدہ وقانون اور اخلاقیات کے مخالف نہ ہو، لہذا ابونواس کا یہ شعر پڑھنا اور گانا درست نہیں ہے :

**دع عنک لومی فإن اللوم إغراء　　وداونی بالتی کانت ھی الداء**

(مجھے ملامت کرنا بند کرو کیونکہ ملامت فریفتہ کرتی ہے اور اس خاتون سے میرا علاج کرو جو دراصل میری بیماری ہے)۔

اور نہ شوقی کا یہ شعر پڑھنا اور سننا درست ہے :

**رمضان ولی ھاتھا یا ساقی　　مشتاقة تسعی إلی مشتاق**

(رمضان گرچہ ہے اے ساقی میرے لئے اسے لے آؤ کیونکہ ایک سراپا شوق بنی محبوبہ اپنے عاشق کی جستجو میں جس سے ملنے کا شوق اسے مہمیز کر رہا ہے کوشاں ہے)۔

کیونکہ اس شعر میں شراب نوشی کی دعوت دی گئی ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ خطرناک اشعار ایلیا ابو ماضی کے ہیں جو ان کے قصیدہ "الطلاسم

''سے ماخوذ ہیں جن میں اسلامی عقیدہ کونشانہ بنایا گیا ہے۔

جئت لا أعلم من أين ولكنى أتيت

ولقد أبصرت قدامى طريقاً فمشيت

وسأمضى ماشيا إن شئت هذا أو أبيت

كيف جئت؟ كيف أبصرت طريقى؟ لست أدرى

ولماذا لست أدرى لست أدرى

(میں آیا ہوں مگر مجھے معلوم نہیں کہاں سے لیکن میں آیا ہوں، میں نے اپنے قدموں کو راستے دکھایا اور چل پڑا، اور اسی طرح چاہے نہ چاہے چلا جاؤں گا، اور کیسے میں آیا؟ اور کیسے میں نے راستہ دیکھا؟ میں نہیں جانتا، اور کیوں میں جانوں کیوں میں جانو؟)۔

کیونکہ ان اشعار میں ایمانیات جیسے مبدأ ومعاد اور نبوت پر شک کا اظہار کیا گیا ہے۔

اور اس طرح کے وہ نغمے ہیں جن میں ''الدنیا سیجارۃ و کاس ''(دنیا سگریٹ اور ساغر ہے)، مطلب یہ ہے کہ دنیا پینے پلانے کا نام ہے، جیسے مضامین بیان کئے گئے ہیں، کیونکہ یہ سب کے سب اسلام کی ان تعلیمات کے مخالف ہیں جن میں شراب نوشی کو شیطان کا گھناؤنا عمل قرار دیا گیا ہے، اور شراب نوشی کرنے والوں، بنانے والوں، بیچنے والوں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والوں اور اس سلسلہ میں کسی طرح کا بھی تعاون کرنے والوں پر لعنت بھیجی گئی ہے، سگریٹ نوشی بھی ایک مصیبت ہے جس سے جسمانی مالی اور جانی نقصانات کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا، چنانچہ یہ بھی انہی خبائث میں داخل ہے جنہیں حرام کردیا گیا ہے۔

اور وہ نغمے جن میں فاسق سرکش اور ان ظالم حکمرانوں کی تعریف کی گئی ہو جن کی وجہ سے ہماری امت ابتلاء وآزمائش سے دوچار ہے سراسر ان اسلامی تعلیمات کے مخالف ہیں جن میں ظالم پر لعنت کی گئی ہے، اور ظالم کی مدد کرنے والوں بلکہ ظلم پر چپ رہنے والوں کو بھی کوسا

گیا ہے تو پھر وہ آدمی سزاوار ملامت نہیں ہوگا جوان ظالموں کا تزکیہ کرتا ہو؟

ان میں وہ نغمے بھی شامل ہیں جن میں جرأت مند آنکھوں والے مردوں اور جرأت مند آنکھوں والی عورتوں کی تعریف کی گئی ہے کیونکہ ایسی تعریف اسلامی آداب کے مخالف ہے جن کی قرآن کریم میں یوں وضاحت کی گئی ہے ''**قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم**''، و''**قل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن**'' (نور: ۳۱)، اور اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''**يا علي لا تتبع النظرة النظرة فإن لك الأولى وليست لك الآخرة**'' (اے علی اگر ایک نگاہ یونہی پڑ جائے تو دوسری نگاہ مت ڈالو کیونکہ تمہارے لئے پہلی نگاہ کی اجازت ہے دوسری کی اجازت نہیں)۔

## پڑھنے کا انداز ہیجان انگیز اور اپنی طرف مائل کرنے والا نہ ہو:

پڑھنے کا انداز اس کی بھی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، اس لئے کہ کبھی موضوع اپنی اصل کے لحاظ سے بے غبار ہوتا ہے مگر چاہے مرد ہو یا عورت اس کے پڑھنے کا انداز نزاکت بھرا ہوتا ہے، جس کا مقصد ہیجان انگیز جذبات وخواہشات کو چھیڑنا اور پیدا کرنا ہوتا ہے اور بیمار دلوں کو اس پر فریفتہ اور آمادہ کرنا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے مباح گانے اباحت کے دائرہ سے نکل کر حرمت یا اشتباہ یا کراہت کے دائرے میں داخل ہوجاتے ہیں، جیسے کہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو سے لوگوں کے واسطے جو گانے نشر کئے جاتے ہیں یا ٹیلی ویژن دیکھنے والے اور ریڈیو سننے والے جن گانوں کے سننے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں وہ تمام تر گانے صرف ایک پہلو پر جنسیات اور ان کے نتیجہ میں وجود پذیر ہونے والے بیہودہ عشق ومحبت پر مرکوز ہوتے ہیں، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے واسطے انہیں مرغوب بنانے کی خاطر مختلف انداز سے چھیڑا جاتا ہے اور بھڑکایا جاتا ہے، جنسی طبیعت اور خواہش اپنی اصل کے لحاظ سے سرکش ہوتی ہے، یہاں تک کہ بعض نفسیات کے ماہر علماء اسی جنسی مزاج کے ذریعہ پورے

انسانی برتاؤاور چال چلن کی وضاحت کر دیتے ہیں، چنانچہ اس مزاج کو بلندی اور روحانیت سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ اسے بھڑ کانے اور چھیڑنے کی۔

قرآن کریم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے :

"**فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض**" (الاحزاب: ۳۲) جب اس جگہ عام بول چال میں نازوانداز کے پہلو سے گریز کا حکم دیا گیا ہے تو پھر اگر کلام موزوں ہو اور اس میں نغمگی اور دوسروں کو مائل کرنے کے سارے عناصر شامل ہوں تو اس کا پڑھنا اور سننا کیسے جائز ہو جائے گا؟

## گانا میں حرام عنصر شامل نہ ہو :

تیسرے پہلو سے یہ بھی ضروری ہے کہ گانا میں حرام شیئ شامل نہ ہو مثلاً گانا گانے کے ساتھ شراب نوشی یا نشہ آور اشیاء نہ لی جائے، یا گانا اس میوزک کے ساتھ نہ گایا جائے جو شہوانی جذبات کو برانگیختہ کر دے، چنانچہ اس طرح کی میوزک موجودہ مغربی طرز کے نغموں میں استعمال کی جاتی ہے، اس طرح وہ میوزک جو حرام گانوں پر مشتمل ہو جیسے ہی وہ میوزک بجائی جائے وہ گانے بھی بجنے لگیں، اور اسی طرح بے حیائی، عریانیت مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط نہ ہو، جیسا کہ زمانہ قدیم سے گانے بجانے کی مجلسوں میں ایسا ہوتا چلا آیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی گانا کا تذکرہ ہوتا ہے ذہن میں شراب باندی اور عورتوں کی تصویر ابھر کر آجاتی ہے

اسی حقیقت کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے جسے ابن ماجہ نے روایت کی ہے،

"**بشرین ناس من أمتی الخمر، یسمونها بغیر اسمها، یعزف علی رؤوسهم بالمعازف والمغنیات یخسف الله بهم ویجعل منهم القردة والخنازیر**" (میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو شراب پیئں گے اور اسے دوسرا نام دیں گے اور ان کے سروں پر گانے والے مرد وخواتین گائیں گے اللہ تعالی انہیں دھنسا دے گا اور ان کو بندر اور خنزیر میں

تبدیل کردے گا)۔

اس جگہ ایک اہم مسئلہ کی جانب توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ زمانہ قدیم میں گانا سننے کا تقاضا یہ تھا کہ گانا کی مجلسوں میں حاضر ہوا جائے گانے والا چاہے مرد ہو یا عورت اس سے اختلاط کو گوارا کیا جائے اور بہت کم اس طرح کی مجلسیں شریعت نے جسے منکر قرار دیا ہو اس سے پاک ہوتی تھیں۔

مگر آج کے زمانے میں ایک انسان ایسی مجلسوں سے دور ہو کر گانا سن سکتا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بنا پر مسئلے میں ممانعت کا حکم اجازت میں تبدیل ہو جائے گا، کیونکہ دوسرے تمام منکرات سے سماع کا عمل پاک ہو جاتا ہے۔

## سماع میں اسراف سے گریز ہو :

گانا تمام مباح امور کی طرح ضروری ہے کہ اسراف سے پاک ہو، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے :"**یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا إنه لا یحب المسرفین**" (الاعراف:۳۱)، حدیث شریف میں ہے :"**کلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا في غیر إسراف ولا مخیلة**" (کھاؤ پیو صدقہ کرو اور پہنو بغیر کسی اسراف اور تکبر کے) گویا حلال سے لطف اندوز ہونا دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، ایک شرط ظاہری ہے جس کا تعلق کمیت (مقدار) سے ہے وہ یہ کہ اسراف سے گریز کیا جائے اور ایک شرط باطنی ہے جس کا تعلق کیفیت (کوالیٹی) سے ہے وہ یہ کہ تکبر اور اتراہٹ سے دور رہو کیونکہ اللہ تعالی اترانے والوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر ہر مباح عمل میں اسراف کا نہ ہونا مطلوب ہے تو کھیل کود میں یعنی ہر وہ عمل جس سے انسان کو ذہنی طور پر سکون ملے جس میں سرفہرست گانا کا سننا اور سنانا ہے چاہے آلہ کے ساتھ ہو یا بغیر آلہ کے ہو، اور خصوصاً وہ نغمہ جو جذباتی ہوتا ہے جس میں محبت اور شوق کی گفتگو ہوتی ہے،

اورانسان صرف جذبات کا نام نہیں اور نہ جذبہ صرف محبت کو کہتے ہیں اور محبت صرف عورتو کے ساتھ خاص نہیں اورعورت صرف جسم اور شہوت کو نہیں کہتے، اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم محبت انگیز جذباتی گانوں کے سیلاب بلاخیز کے اثرات کو کم کریں، اور ہمارے درمیان گانے پروگرام اورزندگی کی عادلانہ تقسیم ہو، دین ودنیا کا انصاف پر مبنی موازنہ ہو، اور دنیا میں فرد کے حقوق اور معاشرہ کے حقوق کے درمیان موازنہ ہو اور فرد میں اس کی عقل اور جذبہ کے درمیان موازنہ ہو، اور جذبات کے میدان تمام انسانی جذبات کے درمیان جو پسند، ناپسند، غیرت، حمیت، پدریت، مادریت، فرزندیت، برادریت، اور دوستی پر مشتمل ہے صحیح موازنہ ہو اور ہرایک جذبہ کو اس کا واجب حق دیا جائے۔

اب رہی بات کسی ایک خاص جذبہ کو نمایاں کرنے میں مبالغہ آرائی اورغلو پسندی سے کام لینے کی تو ایسا دوسرے جذبوں کے اعتبار سے ہوتا ہے اور فرد کی عقلمندی روحانیت اور ارادہ کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور معاشرہ اس کی خوبیوں اور اس کے بنیادی اسباب وعوامل کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور اسی طرح دین اس کے اقدار اور اس کی ہدایات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

دین نے ہر چیز میں یہاں تک کہ عبادات میں بھی اسراف اورغلو پسندی کو حرام سمجھا ہے، تو پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ کھیل کود اور اس میں وقت کی مشغولیت گرچہ یہ مباح عمل ہے اسراف سے کام لینا جائز ہوجائے گا قطعاً نہیں۔

اس طرح سے اسراف سے کام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ دل ودماغ بڑی ذمہ داریوں سے خالی ہے اور بڑے مقاصد کی تکمیل سے آزاد ہے، اور بہت سے ایسے حقوق کو ضائع کرنے پر آمادہ ہے جنہیں انسان کے محدود وقت اور محدود عمر میں ہر وقت ادا کیا جانا چاہئے تھا، اس سلسلہ میں ابن مقفع نے بڑی اچھی بات کہی ہے، "**مارأيت إسرافاً إلا وبجانبه حق مضيع**" (جہاں بھی اسراف ہوگا وہاں واجب حق ضائع کیا جائے گا) اور وہ حدیث جسے ابن حبان نے صحف ابراہیم سے نقل کیا ہے کہا گیا ہے: "عقلمند آدمی صرف تین کام کی غرض سے

سفر کرتا ہے معیشت کی درستگی کے لئے، زادِ آخرت کے لئے اور غیر حرام شیئ سے لطف اندوز ہونے کے لئے) اس لئے ہمیں اپنے اوقات ان تین کاموں میں انصاف کے ساتھ تقسیم کرنا چاہئے اور یہ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالی ہر انسان سے اس کی عمر کی بابت پوچھے گا کہ اس نے اسے کہاں خرچ کیا اور اس کی جوانی کے بارے میں پوچھے گا کہ اس نے اسے کس کام میں استعمال کر کے بوسیدہ کیا۔

امام غزالیؒ نے اس موقع سے ان عوارض کو ذکر کرتے ہوئے جن کی وجہ سے اباحت کا حکم حرمت میں تبدیل ہوجاتا ہے بڑی اچھی بات لکھی ہے۔

پانچواں عارض یہ ہے کہ سامع ایک عام آدمی ہو اس کے دل میں اللہ تعالی کی محبت غالب نہ ہو جس کی وجہ سے سماع اس کے لئے محبوب کام ہو گیا ہو اور نہ اس پر شہوت کا غلبہ ہو تو اس کے حق میں سماع ممنوع ہوگا، مگر ایسے شخص کے حق میں دوسرے لذت انگیز امور کی طرح اسے مباح بھی سمجھا گیا ہے، الا یہ کہ اسے اپنا محبوب کام بنالے اور اکثر اوقات اسی میں مشغول رہے تو ایسا آدمی ایسا بیوقوف سمجھا جائے گا جس کی گواہی مسترد ہوجاتی ہے، کیونکہ کھیل کود کے کاموں پر پابندی سے کاربند رہنے کی وجہ سے وہ جرم بن جاتے ہیں، جس طرح صغیرہ گناہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے، اسی طرح بعض مباح عمل مداومت کی وجہ سے صغیرہ گناہ بن جاتے ہیں، جیسے کہ حبشیوں کا کھیل تسلسل سے کھیلنا اور اسے برابر دیکھنا اور مزے لینا ممنوع ہے گرچہ یہ کھیل اپنی اصل کے اعتبار سے ممنوع نہیں ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، اور اسی قبیل سے شطرنج کھیلنا بھی ہے جو مباح ہے مگر برابر کھیلنے کی وجہ سے مکروہ ہوجاتا ہے چاہے کھیلنے کا مقصد کھیل ہو یا لذت اندوزی اسے مباح اس لئے قرار دیا گیا ہے تا کہ دلوں کو آرام ملے، کیونکہ اس عمل سے بعض اوقات دلوں کو راحت ملتی ہے جس کی وجہ سے انسان پوری طرح چاق و چوبند ہوجاتا ہے اور دنیا کے واسطے محنت کرنے میں یعنی کمانے اور تجارت میں مشغول ہوجاتا ہے یا پھر دین کے واسطے محنت کرنے میں یعنی نماز کا اہتمام اور تلاوت قرآن پاک وغیرہ میں لگ جاتا

ہے، گویا کھیلنا کودنا محنت کو دوگنا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اسے مستحسن سمجھا گیا ہے جس طرح سے گال میں سوراخ مستحسن سمجھا گیا ہے مگر اگر پورے چہرے میں سوراخ کر دیا جائے تو چہرہ بدصورت ہوجائے گا اور حسن کثرت کی وجہ سے بدصورتی میں تبدیل ہوجائے گا، تو ہر حسن کے لئے اس کی کثرت حسن نہیں ہے اسی طرح ہر مباح عمل کے لئے اس کی کثرت مباح نہیں ہے، جیسے کہ روٹی مباح ہے مگر زیادہ کھانا حرام ہے تو یہ مباح عمل بھی تمام مباح عمل کی طرح ہے۔

علامہ نابلسی اپنی کتاب ''اِیضاح الآلات'' میں لکھتے ہیں :

اگر میوزک کے آلات اور سماع کے عمل میں شراب نوشی یا زنا کاری یا لواطت یا اس کے محرکات شامل ہوجائیں جیسے بغرض شہوت چھونا یا بوس وکنار ہونا یا شہوت کی نگاہ سے بیوی کے علاوہ دوسری خاتون کو دیکھنا، یا اگر ان میں سے کوئی چیز اس مجلس میں نہ ہو مگر سننے والے کے ارادے اور نیت میں حرام خواہشات کا تصور شامل ہو اور ان چیزوں کا مجلس میں ہونا بہتر سمجھ رہا ہو تو ایسا سماع اس شخص کے حق میں اس کی نیت ومقصد کی وجہ سے حرام ہوگا، اس لئے کہ اس کی نیت اسے اس مجلس میں موجود محرمات میں ملوث ہونے یا تصوراتی اعتبار سے جو اس کا مطلوب ہے اس میں پڑنے کی دعوت دے رہی ہے اور ہر وہ عمل جو کسی حرام کام کی دعوت دے وہ حرام ہے۔

اور جب یہ کیفیت اس زمانہ میں عام طور پر لوگوں پر غالب رہتی ہے پھر ہم فراست اور اندازہ سے ان پر کوئی حکم صادر نہیں کرسکتے اور نہ ان وجوہات کی بنیاد پر انہیں فاسق قرار دے سکتے ہیں جب تک اس طرح کی مجلس میں کھلے عام اس طرح کے محرمات کو انجام نہ دیا جائے۔

بسااوقات پوچھنے والے پوچھتے ہیں کہ حرام خواہشات کا خیال جیسے زنا کاری کی خواہش یا شراب نوشی یا اس جیسی دوسری خواہشات جب کسی کے دل میں آجائے تو وہ قابل مواخذہ نہیں ہوتے اور نہ ایسا آدمی شریعت کی نگاہ میں گنہگار ہوتا ہے، جیسا کہ بعض علماء نے اس کی صراحت کی ہے، تو پھر سماع مذکور کی اباحت کے لئے ان مباح خیالات کا دل سے ختم

ہونا کیسے شرط بن سکتا ہے؟ کیا شریعت میں اس کی کوئی نظیر موجود ہے؟

ہاں یہ سچ ہے کہ اس طرح کے خیالات بندوں کے نامہ اعمال میں نہیں لکھے جاتے اور نہ بندہ ان خیالات کے دل میں آنے کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے گرچہ وہ خیالات دل میں دیر تک باقی رہیں یا آتے جاتے رہیں جب تک کہ بندہ کی طرف سے انہیں عملی طور پر انجام دینے کا پختہ عزم نہ کرلیا جائے، لیکن جب بندہ سماع سے جھوم اٹھتا ہے اور اس وقت اس کے دل میں ایسے خیالات ہوتے ہیں تو وہ حرکت میں آجاتا ہے اسے کر گزرنے کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے کیونکہ اس کے دل میں اسے پانے کی آتش فروزاں رہتی ہے اس لئے اسے ختم کرنے پر یا اسے دبانے پر وہ قادر نہیں ہوتا، نتیجتاً یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کے بس میں ہو تو عملی طور پر اسے انجام تک پہنچا دیتا ہے۔

اور ہم نے گذشتہ سطروں میں مباح خواہشات سے بچنے کی خاطر خواہشات کو حرام کے ساتھ مشروط کیا ہے، جیسے کہ لذیذ کھانا کی خواہش یا لذیذ حلال مشروب پینے کی خواہش یا نکاح کی خواہش یا اپنی اہلیہ سے مجامعت کی خواہش ان مباح خواہشات کا سماع کے وقت دل میں آنے سے ان کی حرمت لازم نہیں آتی بلکہ وہ اپنی اباحت پر باقی رہتی ہیں۔

## سامع سے متعلق ایک اہم گذارش :

ان تمام وضاحتوں کے بعد کچھ خاص چیزیں اور متعین دائرہ ایسا ہے جو بذات خود سامع سے متعلق ہے جسے نہ مفتی حضرات کے فتاوی میں سمیٹا جاسکتا ہے اور نہ باریکی کے ساتھ ضبط کیا جاسکتا ہے بلکہ اسے ایک مسلمان کے ضمیر اور اس کے تقوی وطہارت کے حوالہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ہر سامع ان امور کے تعلق سے خود اپنی ذات میں ایک فقیہ اور مفتی کی حیثیت رکھتا ہے، اور اپنے نفس کو اور اس کی خواہشات، میلان اور اس میں پیدا ہونے والے غیر ضروری خیالات کو ہر فقیہ کے بنسبت زیادہ اچھی طرح جانتا ہے، جب گانا یا اس کی کوئی خاص قسم اس کی

طبیعت کو چھیڑے اور اسے فتنہ پر فریفتہ کرے اور اسے گندے خیالات کی گہرائی میں ڈبکی لگانے پر مجبور کرے اور حیوانی پہلو روحانی پہلو پر غالب ہوجائے تو اس وقت اس پر سماع سے بچنا واجب ہوجاتا ہے، اور اس چور دروازہ کو بند کرنا اس کے لئے لازم ہوجاتا ہے جس سے اس کی دینداری اخلاق اور قلب و دماغ کو متاثر کرنے والی ہواؤں کے چلنے کا امکان رہتا ہے، تا کہ ان تمام الجھنوں سے مطمئن ہو کر آرام کرے اور سکون محسوس کرے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے : ''اصل نیکی وہ ہے جس سے دل سکون پائے اور دل جس پر مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس سے نہ دل سکون پائے اور نہ دل مطمئن ہو گرچہ مفتی حضرات کا فتوی کچھ اور ہو''۔

اس حقیقت کی جانب حضرت امام غزالیؒ نے ''الاحیاء'' میں متنبہ فرمایا ہے جہاں انہوں نے سماع کی اباحت شرعی نصوص اور شرعی مقاصد کی روشنی میں ثابت کیا ہے پھر وہ عوامل وعوارض ذکر کئے ہیں جن کی وجہ سے گانا حلت سے حرمت میں تبدیل ہوجاتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :

چوتھا عارض وہ ہے جو سامع میں پایا جائے وہ اس طرح کہ عین جوانی میں اس پر خواہشات غالب ہو، اور یہ صفت دوسری صفات کے مقابلے میں اس پر حاوی ہو تو اس کے لئے سماع حرام ہے چاہے اس کے دل میں ایک متعین شخص کی محبت ہو یا نہ ہو، چاہے معاملہ جیسا بھی ہو اس کے لئے کسی گال کی خوبصورتی کا تذکرہ اسی طرح ہجر و وصال کی کہانی سننا درست نہیں ہوگا ورنہ اس کے شہوانی جذبات برانگیختہ ہوجائیں گے اور حسن کے اس تذکرہ کی ایک متعینہ صورت اس کے دل میں ابھر کر آئے گی جس سے شیطان اس کے دل میں پھونک مارے گا نتیجۃً خواہشات کی لو تیز ہوجائے گی اور برائی کے محرکات زور پکڑ لیں گے، شیطان کی پارٹی کامیاب ہوگی اور وہ عقل جو اس سے روکتی ہے اور جو اللہ کی پارٹی ہے وہ نامراد ہوگی، اور دل میں برابر شیطانی فوج یعنی خواہشات اور اللہ کی پارٹی یعنی عقل کی روشنی کے درمیان جنگ جاری رہے گی سوائے اس دل کے جسے کسی ایک فوج نے کھول دیا ہو اور اس پر ہر طرح سے غالب آ گئی ہو،

مگراس زمانہ میں شیطانی فوج ہر دل پر غالب ہے، لہذا دلوں کی پاکیزگی کے لئے شیطانی فوج کو پریشان کرنے کے واسطے مطلوب جنگی اسباب وعوامل کا از سرنو جائزہ لینا اور تیار کرنا ضروری ہے کہ کیسے ہتھیار کی بہتات ہوگی اور کیسے شیطان کو مات دینے والی تلواروں اور نیزوں کو تیز کیا جاسکتا ہے، اور سماع کی وجہ سے شیطانی فوج کا ہتھیار اس جیسے شخص کے حق میں تیز ہوگا، تو ایسے شخص کو سماع کی محفل سے نکلنا چاہیے تا کہ شیطان کو نقصان پہنچایا جاسکے۔

# (٦)

# مذہبی نغمے یا صوفیاء کے نغمے

# مذہبی نغمے یا صوفیاء کے نغمے

اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں گانا کے متعلق جو میں نے گفتگو کی اس سے مراد بنیادی طور پر کھیل کود اور سیر وتفریح کے نغمے تھے، اور اصلاً نغمہ اسی طرح کے گانوں کو کہا جاتا ہے جس سے دنیا کے گوشے گوشے کی ہر قوم واقف ہے، مرد عورتیں، بچے بھی انہیں ہی نغمہ کی حیثیت سے سنتے ہیں۔

لیکن گانا کی ایک قسم اور ہے جس کی خاص صفت، خاص وضع ہوتی ہے اور خاص مقصد ہوتا ہے جو دنیا کے عام مروج گانوں سے منفرد ہوتا ہے۔

خاص گانا سے مراد (مذہبی گانا) یعنی وہ گانا جس کا موضوع اور مقصد کے اعتبار سے اصل محور دین ہوتا ہے، اس میں محبت الٰہی محبت رسول ﷺ، اللہ تعالی کے صالح بندوں سے محبت، آخرت سے تعلق جنت کی نعمتوں اوران ایمانی اور ربانی مضامین بیان کئے جاتے ہیں، جن کی مذہب اسلام میں تعلیم دی گئی ہے۔

اس قسم کے گانوں کا کیا حکم ہے؟ بالخصوص ان گانوں کا جن میں غزل کے اندر عشق کی وہ زبان استعمال کی جاتی ہے جسے عشاق اپنے کلام میں استعمال کرتے ہیں یعنی ہجر ووصال لب ورخسار کے تذکرے، ایسے اشعار کے مسجدوں میں پڑھے جانے کا کیا حکم ہے؟ اور ان نغموں کے ساتھ جو دف اور بانسری بجائی جاتی یا تالی بجائی جاتی ہے یا رقص کیا جاتا ہے کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور ان نغموں کو سن کر جو وجد طاری ہوتا ہے یہاں تک کہ بیہوشی طاری ہوجاتی ہے کا حکم کیا ہے؟ کیا یہ عمل عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ثابت ہوگا؟ بالخصوص جبکہ اس طرح کے کلام سے دل متحرک ہوجاتے ہیں اللہ تعالی کا شوق انگڑائی لیتا ہے، وجدان بیدار ہوتا ہے،

دینی جذبات زندہ ہوتے ہیں اورروحانی حواس متنبہ ہوتے ہیں؟ یااس عمل کو بدعت سمجھیں گے اور بدعت گمراہی کا نام ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے خصوصاً جب اس عمل میں ریا کاری اور تصنع کا عنصر شامل ہوجائے؟

## مذہبی نغموں کے سلسلہ میں علماء کااختلاف ہے :

اس قسم کے نغموں کو پڑھنے اور سننے کے سلسلہ میں علماء کرام کا اختلاف رہا ہے، جس طرح سے تفریحی نغموں کے سلسلہ میں علماء کے اقوال ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بلکہ بسااوقات اس سے بھی کہیں زیادہ شدید اختلاف ہے، کیونکہ بعض علماء سیر وتفریح کے نغموں میں رخصت کے قائل ہیں سختی کے قائل نہیں ہیں، مگر اس کے برخلاف اس مسئلے میں سختی کے ساتھ عدم جواز کے قائل ہیں :

## ابن تیمیہؒ کی رائے :

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے صوفیاء کے سماع اور اسکی وجہ سے سامع کے دل میں جو اضطراب خلجان اور بیہوشی وجداور رقص کی کیفیت پیدا ہوتی ہے کی بابت پوچھا گیا توان کا کہنا تھا کہ ''سماع'' تو اصلاً وہ ہے جس کا اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے اور جس پر اسلاف کا اور مشائخ طریقت کا اتفاق رہا ہے، وہ ہے قرآن کریم کا سماع، جو انبیاء علیہم السلام کا سماع ہے، عالمین کا سماع ہے، عارفین کا سماع ہے اور ایمان والوں کا سماع ہے، ارشاد ربانی ہے :

**''أولئک الذین أنعم اللہ علیھم من النبیین من ذریة آدم وممن حملنا مع نوح ومن ذریة إبراھیم وإسرائیل وممن ھدینا واجتبینا إذا تتلی علیھم آیات الرحمن خروا سجداً وبکیاً''** (مریم:۵۸) (یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی نے خاص انعام فرمایا ہے منجملہ (دیگر) انبیاء کے آدم کی نسل سے اور ان لوگوں (کی نسل) سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور یعقوب کی نسل سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور ان کو

مقبول بنایا جب ان کے سامنے رحمن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے وقت روتے ہوئے زمین پر گرجاتے تھے )۔

''إن الذين أوتوا العلم من قبله إذا يتلى عليهم يخرون للأذقان سجداً ويقولون سبحان ربناإن كان وعد ربنا لمفعولاً ويخرون للأذقان ويزيدهم خشوعاً '' (الاسراء:۱۰۷-۱۰۹) ( جن لوگوں کو اس ( قرآن ) سے پہلے دین کا علم دیا گیا تھا یہ ( قرآن ) جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب وعدہ خلافی سے پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہی ہوتا ہے اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کا خشوع بڑھا دیتا ہے )۔

''وإذا سمعوا ما أنزل إلى الرسول ترى أعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق يقولون ربنا آمنا فاكتبنا مع الشاهدين'' (المائدہ:۸۳) (اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سب مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں )۔

''إنما المؤمنون الذين إذا ذكر الله وجلت قلوبهم وإذا تليت عليهم آياته زادتهم إيماناً وعلى ربهم يتوكلون الذين يقيمون الصلاة ومما رزقناهم ينفقون، أولئک هم المؤمنون حقا لهم درجات عند ربهم ومغفرة ورزق كريم'' (الانفال:۲-۷) (بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالی کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (اور) جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں بس سچے ایمان

والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی)۔

"وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون" (الاعراف: ۲۰۴) (اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو)۔

"وإذا صرفنا إليك نفراً من الجن يستمعون القرآن فلما حضروه قالوا أنصتوا فلما قضى ولوا إلى قومهم منذرين" (الاحقاف: ۲۹) (اور جب ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض جب وہ قرآن کے پاس آپہنچے کہنے لگے کہ خاموش رہو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے)۔

"الله نزل أحسن الحديث كتاباً متشابهاً مثاني تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم إلى ذكر الله" (الزمر: ۲۳) (اللہ تعالی نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے دل اور بدن نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں)۔

"الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه" (الزمر: ۱۸) (جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں)۔

اس طرح کی آیتیں قرآن کریم میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

اور دوسری آیتوں میں اللہ تعالی نے سماع قرآن کرنے والوں کی تعریف کی ہے اور قرآن کریم سے اعراض کرنے والوں کی مذمت کی ہے :

"وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون "

(فصلت:۲۶) (اور یہ کافر (باہم) یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو شاید (اس تدبیر سے) تم ہی غالب رہو)۔

"**والذين إذا ذكروا بآيات ربهم لم يخروا عليها صماً وعمياناً**" (فرقان:۷۲) (اور ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے)۔

"**ومن أظلم ممن ذكر بآيات ربه فأعرض عنها ونسي ما قدمت يداه**" (کہف:۵۶) (اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جاوے پھر وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں (گناہ) سمیٹ دیا ہے اس کے نتیجہ کو بھول جاوے)۔

"**إن شرّ الدواب عند الله الصم البكم الذين لا يعقلون ولو علم الله فيه خيرا لأسمعهم ولو أسمعهم لتولوا وهم معرضون**" (الانفال:۲۲-۲۳) (بے شک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے، اور اگر اللہ تعالی ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے اور اگر ان کو رب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے)۔

"**وإذا تتلى عليه آياتنا ولّى مستكبراً كأن لم يسمعها كأن في أذنيه وقراً فبشره بعذاب أليم**" (اور جب انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ تکبراً پیٹھ پھیر کر ایسا بھاگتے ہیں کہ گویا انہوں نے سنا ہی نہیں گویا ان کے کان میں ٹھپکی دی ہوئی ہے تو انہیں تکلیف عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے)۔

اس طرح کا مضمون کتاب وسنت میں بڑی مقدار میں جابجا موجود ہے، اور مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو لوگ قرآن سنتے ہیں اس سے محبت کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کی رغبت دلاتے ہیں وہ قابل تعریف ہیں اور جو لوگ قرآن سے روگردانی کرتے ہیں اس سے

محبت نہیں کرتے وہ قابل مذمت ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے نماز مغرب وعشاء میں قرآن کا سننا مشروع قرار دیا ہے۔

اور تمام نمازوں کے مقابلے نماز فجر میں قرآن کریم سب سے زیادہ سنا جاتا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "**وقرآن الفجر إن قرآن الفجر کان مشھوداً**" (اسراء: ۷۸) (اور صبح کی نماز بھی بے شک صبح کی نماز (فرشتوں) کے حاضر ہونے کا وقت ہے)۔

قرآن کا نماز کے باہر سننا بھی مستحب ہے، روایت بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اہل صفہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے بقیہ حضرات سن رہے ہیں تو آپ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے، اور آپ ﷺ کے اصحابؓ جہاں کہیں جمع ہوتے تو ایک کو حکم دیتے وہ پڑھتا اور باقی حضرات سماعت کرتے۔

حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ فرماتے تھے اے ابوموسیٰ! ہمیں ہمارے رب کی یاددہانی کراؤ تو وہ تلاوت کرتے اور دوسرے لوگ سنتے، آنحضرت ﷺ کا حضرت ابوموسیٰ کے پاس سے گزر ہوا وہ تلاوت میں مشغول تھے، آپ ﷺ بھی بیٹھ کر تلاوت سننے لگے، اور فرمایا انہیں حضرت داؤد کا طرز عطا کیا گیا ہے، اور فرمایا: اے ابوموسیٰ! کل رات میرا تمہارے پاس سے گزر ہوا اس وقت تم تلاوت کر رہے تھے میں بھی تمہاری تلاوت سننے لگا، حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ سماعت کر رہے ہیں تو میں آپ کے واسطے اور خوبصورت طرز میں پڑھتا۔

ارشاد نبوی ہے: "جس نے قرآن کو طرز سے نہ پڑھا وہ ہم میں سے نہیں"۔

"قرآن کریم کو اپنی آواز سے سنوار کر پڑھو"۔

اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ اجازت مرد کو اچھی آواز کے استعمال کی دی ہے گانے والی خاتون کے گانے کے مقابلے میں اس موضوع پر آثار بہت ہیں جو ہمیں قیمتی ہدایتیں دے رہے ہیں۔

اس سماع کے کچھ پاکیزہ اثرات ہیں جو جسم انسانی پر قلبی خشیت بدن کی کپکپاہٹ اور آنکھوں کی اشکباری کی شکل میں مرتب ہوتے ہیں، اللہ تعالی نے ان تینوں کیفیتوں کو قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے اور یہ کیفیت آپ کے ان اصحاب میں بھی تھی جن کی قرآن کریم نے تعریف بیان کی ہے اور ان کے بعد تابعین عظام میں بھی تین اثرات اضطراب قلب، خلجان اور بے ہوشی کے ظاہر ہوئے۔ یا موت اور جنون عشق کی شکل میں مذکورہ کیفیت طاری ہوئی، سلف صالحین میں سے بعض نے اس کا انکار کیا، وجہ چاہے اس کی بدعت رہی ہو یا ان کی محبت رہی ہو۔

مگر جمہور امت اور سلف اس کے منکر نہیں ہیں کیونکہ اگر اس کیفیت کا سبب ممنوع اور حرام نہ ہو تو جس شخص پر یہ کیفیت طاری ہوگی وہ معذور سمجھا جائے گا۔ وجہ اس کی دل پر طاری ہونے والی اس کیفیت کی قوت تاثیر ہے جس کے کنٹرول میں کرنے سے انسانی دل قاصر ہیں، اور اگر سماع کا اثر دل پر سخت دل ہونے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ بھی قابل مذمت ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ایسے حضرات کی مذمت کی ہے جن پر قرآن کی تلاوت کا ذرہ اثر نہیں ہوتا :

"**ثم قست قلوبکم من بعد ذلک**" (پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے)۔

اور ارشاد فرمایا : "**ألم یأن للذین آمنوا أن تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین أوتوا الکتاب من قبل فطال علیھم الأمد فقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون**" (پھر اس کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے، کیا ان لوگوں کے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو حق نازل ہوا اس سے ڈر جائیں اور نہ ہوں ان لوگوں کی طرح جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی اور مدت بھی طویل ہوئی مگر ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں)۔

اگر سننے والوں پر مثبت اثرات مرتب ہوں کہ عقل کی حد سے نکال کر محبت کی حد میں

داخل کردے تو ان حضرات کا حال ان لوگوں کی طرح ہوجائے گا جنہیں غلبہ کی حد میں داخل کردیا گیا، اس لئے وہ قابل تعریف بھی ہوں گے اور معذور بھی۔

رہی بات اس سماع کی جسے اجتماعی شکل میں انجام دیا جاتا ہے اور مقصد دلوں کی اصلاح ہوتی ہے اس کی دوشکل ہوتی ہے یا تو سماع کی محفل میں خالص ترانہ پڑھا جاتا ہے یا ترانہ کے ساتھ تالی بھی بجتی ہے تو یہ سماع اسلام میں بے بنیاد داخل کیا گیا سماع ہے جسے ان تین صدیوں کے بعد جن کی نبی کریم ﷺ نے تعریف کی ہے گڑھا گیا اور اسلام کا جز بنایا گیا ہے اور جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**خیر القرون القرن الذی بعثت فیه، ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم**" (بہتر صدی وہ ہے جس میں میں مبعوث کیا گیا پھر وہ لوگ جو اس صدی سے متصل ہیں پھر وہ لوگ جو ان حضرات کے بعد ہیں)۔

اس سماع کو امت کے سربرآوردہ حضرات نے پسند نہیں کیا اور اکابر مشائخ اس طرح کی مجلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوئے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا: میں بغداد میں ایسی چیز چھوڑ کر آیا ہوں جو زنادقہ کی ایجاد کردہ ہے اور جسے وہ تغبیر کہتے ہیں (یعنی یا والہی) اور اس عمل کے ذریعہ لوگوں کو قرآن سے روکتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا جو وقت کے بڑے محدث تھے فرمایا یہ ایک گڑھا ہوا بے بنیاد عمل ہے میں اسے ناپسند کرتا ہوں، ان سے عرض کیا گیا کہ اس سے تو دل نرم ہوتا ہے فرمایا: ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو، ان سے عرض کیا گیا کہ کیا وہ لوگ اسے چھوڑ دیں؟ جواب دیا انہیں یہ کام کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا اور مزید وضاحت فرمائی کہ یہ بدعت ہے اسے گذشتہ معتبر صدیوں میں نہ حجاز میں کسی نے انجام دیا نہ شام میں نہ یمن میں نہ مصر میں نہ عراق میں نہ خراسان میں اگر اس کام میں مسلمانوں کا دینی فائدہ ہوتا تو سلف صالحین اسے ضرور کرتے۔

ایسی مجلسوں میں نہ کبھی ابراہیم بن ادہم نہ فضیل بن عیاض نہ معروف کرخی نہ سری سقطی، نہ ابوسلیمان دارنی نہ شیخ عبدالقادر نہ شیخ عدی، نہ شیخ ابوالبیان نہ شیخ حیاۃ وغیرہم حاضر ہوئے بلکہ اس جماعت جیسے کہ حضرت عبدالقادرؒ وغیرہ سے منقول کلام میں اس کی ممانعت ہے اس طرح اعیان مشائخ بھی ممانعت کے قائل ہیں۔

سماع کی محفل میں مشائخ کی ایک جماعت حاضر ہوئی ہے مگر انہوں نے مکان امکان رفقاء اور اس شیخ کی شرط لگائی ہے جو شیطان سے بچا سکے مطلب یہ ہے کہ جہاں مجلس ہو وہ جگہ مناسب ہو اور وہاں مجلس کا انعقاد ممکن ہو اور مجلسی رفقاء بھی بہتر ہوں حتی کہ شیخ بھی تزکیہ کے بلند مقام پر فائز ہو، مگر اکثر قابل اعتماد مشائخ جوان مجلسوں میں شریک ہوئے آخری عمر میں اس سے رجوع کرلیا جیسے کہ حضرت جنید بغدادیؒ وہ جوانی کے عالم میں ان مجلسوں میں حاضر ہوئے تھے مگر بڑھاپے میں اس سے رجوع کرلیا، فرمایا جو سماع کے تکلف میں پڑے گا وہ فتنہ میں مبتلا ہوگا، اور جس نے بلا ارادہ یونہی سماع کیا اور اس سے راحت محسوس کی تو اس نے اپنے اس عمل سے ان کی مذمت کی جو سماع کے لئے باقاعدہ اجتماعی شکل میں اکٹھا ہوتے ہیں، اور جو حضرات بغیر کسی ارادہ کے سماع کرتے ہیں ان کے لئے ان کے یہاں سماع کی رخصت تھی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سماع کے اشعار مجمل ہوتے ہیں مفصل نہیں ہوتے کیونکہ وہ اشعار جن میں محبت ہجر و وصال قطع تعلق فریفتگی اور لعنت و ملامت کو برداشت کرنے کا جو تذکرہ ہوتا ہے وہ مجمل ہوتا ہے اس میں اگر ایک طرف رحمن کا عاشق مراد ہوسکتا ہے تو دوسری طرف بتوں کا عاشق بھی مراد ہوسکتا ہے، بھائیوں سے محبت کرنے والا مراد لیا جاسکتا ہے تو وطن کا پرستار عورتوں کا پجاری اور بے ریش بچوں کا فریفتہ بھی مراد ہوسکتا ہے، ان سے فائدہ اس وقت ہوگا جب ایک جگہ پڑا ہوا بے کار آدمی سفر کرنے پر مجبور ہوجائے اور اسے اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ دونوں ہی پسند فرماتے ہیں مگر ان میں نقصان کا پہلو شراب اور جوا کی طرح منفعت کے پہلو پر غالب ہے۔

اس لئے شریعت نے اسے اپنا مقصود نہیں سمجھا جو ہمیشہ غالب اور خالص مصلحت کو اپنا مقصد سمجھتی رہی ہے۔

رہی بات اس مسئلہ کی جس میں مضرت کا پہلو منفعت پر غالب ہو تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو دینار کے بدلے درہم لے یا پانچ درہم چرائے اور دو درہم صدقہ کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان اشعار کو سن کر مثبت و منفی دونوں طرح کا وجد طاری ہوگا نتیجہ یہ ہوگا کہ دل کے اندرون سے ایسی خفیہ چیزیں جوش ماریں گی جو دل کی غذا بن جائیں گی اور دل کو دوسری چیزوں سے جدا کردیں گی اور دل قرآن کی سماعت کرنے سے بیزار ہوجائے گا، یہاں تک کہ دل میں قرآن کی محبت کا ایک ذرہ باقی نہیں رہے گا، اس شکل میں دل نہ قرآن کریم سے لذت محسوس کرے گا اور نہ قرآن اسے اچھا محسوس ہوگا بلکہ اس میں یک گونہ بغض وعناد سرایت کرجائے گا اور غفلت اس کا مقدر بن جائے گی، بالکل اس شخص کی طرح جو توریت وانجیل اہل کتاب اور صائبین کے علوم سیکھنے میں اور ان سے علم وحکمت حاصل کرنے میں اس طرح مشغول ہوا کہ کتاب وسنت سے روگرانی کرنے لگا، اور ان کے علاوہ اور بھی نقصانات ہیں جن کا تذکرہ بیجا طوالت کا باعث ہوگا اس لئے یہاں اس سے صرف نظر کیا جارہا ہے۔

جب یہ بات پائے ثبوت تک پہنچ گئی کہ اس سماع سے وہ احوال اور وہ معرفت حاصل نہیں ہوتی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک محبوب ہوتی ہے، بلکہ اس سے اس راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اور وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو نہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی نظر میں معتبر ہے بلکہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک مبغوض ہے کیونکہ نہ اللہ تعالی نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اور نہ سلف صالحین اور اعیان مشائخ نے اسے پسند کیا ہے، تو پھر اس کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور ایک نکتہ یہ بھی قابل غور ہے کہ آواز کا حسن دل پر اثر کرتا ہے جس کی وجہ سے دل کبھی خوش ہوتا ہے کبھی غمزدہ ہوتا ہے تو کبھی غصے میں ہوتا ہے اور کبھی ہشاش نظر آتا ہے، مگر جب

یہ حسن دل میں پوری قوت سے جاں گزیں ہوتا ہے تو روح مدہوش ہوجاتی ہے اور اس قدر مدہوش کرنے والی لذت میں ڈوب جاتی ہے کہ اسے دوسری چیزوں کا خیال نہیں رہتا، جس طرح رقص کرنے والی حرکتوں کو دیکھ کر دل نشہ سے چور ہوجاتا ہے اور جسم بھی کھانے پینے سے بدمست ہوجاتا ہے، یقینا سکر (نشہ) اس مستی کا نام ہے جس میں وہ لذت ملتی ہے جو عقل انسانی کی گرفت سے باہر ہو، اس لئے اس حالت میں جب عقل اپنا کام کرنا بند کردیتی ہے تو وہ لذت ملتی ہے جو ذکر الٰہی اور اہتمام نماز سے انسان کو روکتی ہے، اور انسان کو باہم بغض وعداوت کا شکار بنادیتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایمان والوں کو یہ جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے جنت سے قریب کرنے والی اور جہنم میں دور کرنے والی ہر چیز کو بیان فرمادیا ہے اگر اس طرح کے سماع میں کوئی مصلحت پنہاں ہوتی تو اسے اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ ضرور مشروع فرماتے، کیونکہ ارشاد ربانی ہے : "**اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا**" (المائدہ: ۳) (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا) اگر اس عمل میں دل کا کوئی فائدہ نظر آئے مگر کتاب وسنت سے اس کی دلیل نہ ملے تو اس کی جانب کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔

سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں کہ ہر وہ وجد جس کی دلیل کتاب وسنت میں موجود نہ ہو وہ باطل ہے۔

ابوسلیمان داری فرماتے ہیں میرے دل میں بھی نکتے آتے ہیں، مگر میں انہیں دو دلیل کتاب وسنت سے تائید کے بعد ہی قبول کرتا ہوں، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ خیر کی جو بات دل میں آئے اسے عمل میں لانا ضروری نہیں ہے جب تک کہ کتاب وسنت سے اس کی کوئی مثال نہ مل جائے اور جب مثال مل جائے تو پھر اس کی چاندنی ہی چاندی ہے۔

جنید بن محمد فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ علم کتاب وسنت سے مشروط ہے جس نے نہ قرآن

پڑھا ہوا اور نہ حدیث کا درس لیا ہوا سے ہمارے اس علم میں بولنے کا کوئی حق نہیں۔

اور اللہ سبحانہ وتعالی کے اس قول پر بھی توجہ دینی چاہئے کہ "**وما كان صلاتهم عند البيت إلا مكاء و تصدية**" (الانفال:٣٥) (اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی کہ سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا)۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کی جماعت کے اسلاف فرماتے ہیں "المکاء" کہتے ہیں گانا جیسی سیٹی کی آواز نکالنا اور "التصدیہ" کہتے ہیں ہاتھ سے تالی بجانا اللہ تعالی نے مشرکین کے بارے میں بتایا کہ وہ لوگ تالی بجانے گانا گانے کو نماز اور عبادت سمجھتے تھے اور اس نماز سے جسے اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے مشروع کیا ہے اس سے پہلوتہی اختیار کرتے تھے۔

مگر مہاجرین انصار اور ان کے پیروکار مسلمانوں کی نماز اور ان کی عبادت قرآن پڑھنے اور سننے رکوع کرنے اور سجدہ کرنے، اللہ کا ذکر کرنے اور اس سے مانگنے کی شکل میں ہوتی ہے، جو عند اللہ وعند الرسول مطلوب ہے، تو جو کوئی گانا گانے اور تالی بجانے کو عبادت شمار کرے گا وہ اس سلسلہ میں مشرکین کی مشابہت اختیار کرے گا، اور ان کاموں میں انکی مشابہت اختیار کرے گا جو مہاجرین اور انصار ایمان والوں کا شیوہ نہیں رہا، اور اگر یہ مشابہت اللہ کے گھر میں ہو تو اس کی شناعت مزید بڑھ جائے گی کیونکہ پوری طرح سے نماز ذکر الہی اور دعا سے اعراض لازم آئے گا جس کی وجہ سے اس کی اس حرکت پر اس کی مذمت بھی دوگنی ہوجائے گی جس کی جانب اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے، "**وما كان صلاتهم عند البيت إلا مكاء و تصدية**" (الانفال:٣٥)۔

مگر ایسا شخص چونکہ اجتہاد کر رہا تھا یا اس نے دوسری نیکیاں بھی کی تھی جن کی وجہ سے برائیاں ختم ہوجاتی ہیں اس کی مغفرت کردی جائے گی ان امور کی بنیاد پر جن میں مسلم اور کافر کی تفریق ملحوظ رکھی جاتی ہے، لیکن اس مسئلے کے علاوہ دیگر معاملات میں اگر وہ شرک مخالف عمل کرتا ہے تو وہ نہ قابل مذمت عمل ہوگا اور نہ شریعت سے خارج سمجھا جائے گا اور نہ اس بدعت

میں شامل ہوگا جو مشرکین سے مشابہ ہے، اس لئے ایک مؤمن کو اس حقیقت کو سمجھنا چاہئے او رایمان والے کے اس سماع جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اور مشرکین کے سماع جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے دونوں کے درمیان تفریق کرنا چاہئے اور یہ جاننا چاہئے کہ گڑھا ہوا سماع وہ مشرکین کے سماع کی جنس سے ہے بلکہ مسلمانوں کے سماع کے مقابلے اس سے زیادہ قریب ہے، اور اگر کبھی اس سلسلہ میں مسلمانوں کے نیک بندوں میں سے کوئی غلطی کر بیٹھے تو اللہ تعالی ان کا اجر اور ان کی نیکی ان کی غلطی کی وجہ سے ضائع نہیں فرمائے گا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے : "**إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران وإذا اجتهد الحاكم فأخطأ فله أجر واحد**" (جب قاضی اجتہاد کرتا ہے اور اس میں حقیقت کو پالیتا ہے تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور جب قاضی اجتہاد کرے اور غلطی کر بیٹھے تو اسے ایک اجر ملے گا)۔

یہ مسئلہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اسلاف کی ایک جماعت نے امیر المومنین حضرت علیؓ سے ایک تاویل کی بنیاد پر جنگ کی جبکہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور ان کے رفقاء اس جماعت کے مقابلے حق سے زیادہ قریب تھے، اور ان کے بارے میں کہا گیا ہے : "من قصد اللہ فلہ الجنۃ" (جو اللہ کا ارادہ کرے اس کے لئے جنت ہے)۔

سلف وخلف کی ایک جماعت نے تاویل کی بنیاد پر بعض مشروبات کو حلال سمجھا جبکہ کتاب وسنت سے جس کو انہوں نے حلال سمجھا تھا اس کی حرمت ثابت ہے، یہ بات الگ ہے کہ ان کی غلطی قابل معافی ہے۔

اور مشائخ صالحین میں سے جو حضرات اس طرح کی سماعی مجلس میں شریک ہوئے انہوں نے اس کے واسطے ایسی شرطیں لگائی تھی جو شاذ ونادر ہی وجود میں آسکتی ہیں، گویا عام طور پر اس طرح کا سماع مشائخ کے اجماع سے خارج ہے، مگر اس کے باوجود چونکہ ان حضرات سے غلطی ہوئی تو اللہ تعالی اس سلسلہ میں ان کے معذور ہونے کی وجہ سے سنت کے دائرے سے

خارج ان کے اس عمل کی غلطی معاف فرمادے گا۔

رہی بات اس سبب کی جس کی وجہ سے ان حضرات سے غلطی سرزد ہوئی اس کی وجہ سے بہت سی امتیں ان تمام منکرات میں مبتلا ہوگئیں جو ان کے لئے ممنوع تھی، جبکہ یہ حقیقت ہے کہ پورے عالم کے واسطے کوئی قانون اور کوئی طریقہ کار اتنا مکمل نہیں ہے جتنا مکمل وہ قانون ہے جسے لے کر جناب محمد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں آئے جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے: "**خیر الکلام کلام اللہ و خیر الھدی ھدی محمد** ﷺ" (بہترین کلام کلام الٰہی ہے اور بہترین طریقہ کار جناب نبی کریم ﷺ کا طریقہ کار ہے)۔

رہا معاملہ رقص کا تو اس کا حکم نہ اللہ تعالی نے دیا ہے اور نہ رسول اکرم ﷺ نے اور نہ کسی امام نے بلکہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں بالکل اس کے برعکس حکم دیا ہے، "**واقصد فی مشیک**" (اعتدال کے ساتھ چلئے)، اور فرمایا: "**وعباد الرحمن الذین یمشون علی الأرض ھونا**" (رحمن کے بندے زمین پر اطمینان وسکون اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں)۔

یقینا مسلمانوں کی عبادت رکوع اور سجدہ ہے دف اور رقص نہ یہ اللہ تعالی کے نزدیک مطلوب ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک نہ ائمہ سلف میں سے کسی کے نزدیک، بلکہ سبھوں کے نزدیک سکون ووقار کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز ہے، اگر انسان پر ایسا حال طاری ہو جس سے مغلوب ہو کر مشروع حکم کے دائرے سے نکل جائے اور یہ حال بھی کسی سبب مشروع جیسے قرآن کی سماعت کی وجہ سے آیا ہو تو اس کیفیت کو تسلیم کیا جائے گا جیسا کہ اس سے پہلے کہا جا چکا ہے، مگر جب کسی مبنی بر تکلف سبب کی وجہ سے حال آئے اور وہ سبب بھی غیر مشروع ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس کی وجہ سے وہ غیر شرعی حرکت کا مرتکب ہوگا جیسے کہ شراب نوشی جبکہ یہ معلوم ہے کہ اس سے نشہ پیدا ہوتا ہے، اور جب یہ کہے کہ مجھ پر حال طاری ہو چکا ہے اور میں نشے میں ہوں تو اس سے کہا جائے گا کہ جب سبب ہی ممنوع ہے تو نشہ سے مغلوب آدمی کیسے معذور ہوگا؟

یہ سب فاسد احوال ہیں جو ان کی تصدیق کرے گا یعنی صحیح سمجھے گا وہ گمراہ ہوگا اور مبتدع ہوگا، دشمن کا محافظ ہوگا اور ظالم کا معاون ہوگا، اور اس کی کیفیت ان بدکردار حضرات کی ہوگی جنہوں اپنے بعض حالات میں نصاری، مشرکین اور صائبین کی مشابہت اختیار کی ہے، اور جو اس کیفیت کا منکر ہوگا وہ منافق ہوگا۔

## ابن قیم کی رائے :

جن علماء نے صوفیاء کرام کے گانوں کی رد میں پورا زور صرف کیا ہے اور انہیں ہر اعتبار سے مسترد کرنے اور بے بنیاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سب سے نمایاں نام امام ابن قیمؒ کا ہے، انہوں نے اپنی کتاب ''اِغاثۃ اللہفان میں مکاید الشیطان'' میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس سے بغیر کسی تاویل کے ان کا یہ موقف ظاہر ہوتا ہے، اس مسئلے میں ان کے سخت موقف اختیار کرنے کے پیچھے یہ مقصد کارفرما ہے کہ ان صوفیاء کا ناطقہ بند کردیا جائے جنہوں نے دین میں وہ سب کچھ داخل کردیا ہے جس کی اللہ تعالی نے اجازت نہیں دی ہے، جن علماء نے صوفیاء کے اس سماعی طرز عمل کی نکیر فرمائی ہے ان میں ابن قیم کے ساتھ ان کے استاذ ابن تیمیہ بھی ہیں جنہوں نے خصوصیت کے ساتھ اس گانا کی تردید کی جو میوزک کے ساتھ مسجدوں میں گایا جائے۔

ابن قیم صوفیاء کرام اور ان کے نغموں پر پرزور حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : سیٹی جیسی آواز سننا ہاتھ سے تالی بجانا اور حرام آلات کے ساتھ گانا سننا اللہ تعالی کے دشمنوں کے مکر وفریب کا حصہ ہے، جن کی زد میں وہ حضرات آتے ہیں جو کم علم کم عقل اور دین سے کورے ہوتے ہیں، باطل پسند جاہلوں کے دل ان پر فریفتہ ہوتے ہیں۔

یہ نغمے دلوں کو قرآن کریم سے دور کرتے ہیں، اور فسق وفجور کو انجام دینے پر دلوں کو آمادہ کرتے ہیں، یہ شیطان کا قرآن ہے، اور رحمن سے ملاقات کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ

ہے، لواطت اور زنا کاری کا منتر ہے، اس کے ذریعہ ایک بدکردار عاشق اپنے معشوق سے آخری درجہ کی تمناؤں کی تکمیل کرتا ہے، اس کے ذریعہ شیطان باطل پسند دلوں کو پھانستا ہے اور مکر وفریب پر مبنی عمل کو ان کے واسطے خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے، اور قرآنی محاسن کے متعلق بے بنیاد شبہات ان کے دلوں میں پیدا کرتا ہے، چنانچہ وہ دل انہیں قبول کر لیتے ہیں، اور قرآن سے بالکل لاتعلق ہو جاتے ہیں۔

آپ جب اس کو سماع کے وقت دیکھیں گے تو ان کی آواز پست ہو چکی ہوگی، اور ان کی نقل وحرکت سکون پا چکی ہوگی اور ان کے دل پوری طرح اس پر آمادہ ہو چکے ہوں گے، اور ان پر جم چکے ہوں گے، اور اس کی جانب ان کا مکمل میلان ہو چکا ہوگا ایک آشفتہ سر کی طرح نہیں، اور ان کی نقل وحرکت اور ناچنے میں نازوانداز کا اظہار ہو رہا ہوگا، اور یہ نازوانداز عورتوں اور ہجڑوں کی طرح، جبکہ ان سے ایسا ہی ہونا چاہئے کیونکہ ایسا ہونا ان کا حق ہے، اور یہ خمار ان کے دل میں اتر چکا ہوتا ہے اور جس طرح شراب اپنا اثر دکھاتی ہے ویسا ہی اس کا اثر ہوتا ہے۔

چنانچہ غیر اللہ یعنی شیطان کے واسطے دل پارہ پارہ ہونے لگتے ہیں، کپڑے پھٹنے لگتے ہیں، اور غیر اللہ کی اطاعت میں مال خرچ کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب شیطان ان میں اپنا کام کر چکا ہوتا ہے، اور اپنے مقاصد اور خواہشات پورے کر چکا ہوتا ہے، اپنی آواز اور گندگیوں سے اسے مضطرب کر دیتا ہے اور اس پر اپنی پوری قوت لگا دیتا ہے، اور اس کے سینوں کو خوب چبھوتا ہے، اور انہیں اس جانب بھڑکاتا ہے کہ زمین پر اپنے پاؤں ٹیکنے لگیں، تو کبھی مدار کے ارد گرد گھومنے والے گدھے کی طرح ہوتے ہیں تو کبھی مکھیوں کی طرح گھروں کے درمیان میں ناچنے لگتے ہیں۔

ہائے چھتوں اور زمین پر پاؤں ٹیکنے سے برسنے والی رحمت، اور ہائے برا ہوا ان لوگوں کا جو گدھوں اور چوپایوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ہائے مذاق اڑانا اور خوش ہونا اسلام کے دشمنوں کا جو ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو اپنے کو اسلام کا خاص خادم سمجھتے ہیں مگر اپنی زندگی لذت

کوشی اورعیش وعشرت میں گزارتے ہیں،اوردین کولہوولعب بنالیتے ہیں،شیطان کی آوازانہیں قرآنی سورتوں کے مقابلے زیادہ محبوب معلوم ہوتی ہے،اگران میں سے کوئی قرآن کریم شروع سے آخر تک سنےتوان کا سکون حرکت میں تبدیل نہ ہوگا،اور نہ ان پر وجد طاری ہوگا،اور نہ ان کا سویا سوتا بیدار ہوگا،اور نہ ان میں زیارت الٰہی کا شوق اپنا اثر دکھائے گا،مگر جب شیطان کا قرآن انہیں پڑھ کرسنایا جاتا ہے اوراس کی آواز ان کے کانوں تک پہنچتی ہےتوان کے دل کا وجد آنکھوں کے آنسوں کی شکل میں ظاہر ہوتا،ان کے پاؤں ڈگمگانے لگتے ہیں،ہاتھ تالی بجانے لگتے ہیں،اورتمام اعضاء وجوارح جھوم اٹھتے ہیں،یہاں تک کہ سانس پھولنے لگتی ہے،اورشوق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

تو اے فتنہ پروراورفتنہ میں مبتلا ہونے والے اوراے اللہ کے مقابلے میں شیطان سے گھاٹے کا سودا کرنے والے،قرآن سنتے وقت غم واندوہ کی یہ کیفیت آخیر کیوں طاری نہیں ہوتی،اورقرآن کی تلاوت کرتے وقت ایسا وجداورایسا شوق اور جوش بیدار کیوں نہیں ہوتا،اور ایسے بلند وبالااورخوبتر کیفیت سورتوں اورآیتوں کی تلاوت کے وقت پیدا کیوں نہیں ہوتی؟لیکن ہرانسان اس کی طرف مائل ہوتا ہےجس سے اس کی مناسبت ہوتی ہے یا جواس کے مشابہ ہوتا ہے،اورجنسیت شریعت اوراقدار کے لحاظ سے آپسی انضمام کی علت ہوتی ہے،اورمشابہت عقلی اورفطری طور پرآپسی میلان کا سبب ہوتی ہے،تو یہ بھائی چارگی اورایک طرح سےجنسی تعلق کہاں سے آیا؟اگرشیطان کوئی مضبوط واسطہ نہیں ہےتو؟

اور یہ مصالحت جس نے ایمان اوررحمن سے کئے گئے معاہدے میں ایسی شگاف ڈال دی آخر کیوں پیدا ہوئی؟ "**أفتتخذونه وذريته أولياء من دوني وهم لكم عدو بئس للظالمين بدلاً**" (الکہف:۵۰) ( کیا تم لوگ اسے اوراس کی نسل کو مجھے چھوڑ کے دوست بناؤگے وہ تمہارے دشمن ہیں اورظالموں کے لئے بہت ہی برابدلہ ہے )۔

اورکہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے :

تلی الکتاب فأطرقوا لاخیفة　　لکنه إطراق ساه لاهی
وأتی الغناء، فکا لحمیر تناهقوا　　والله ما رقصوا لأجل الله
دف ومزمار ونغمة شادن　　فمتی رأیت عبادة بملاهی

اور ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے :

برئنا إلی الله من معشر　　بهم مرض من سماع الفنا
وکم قلت : یا قوم أنتم علی　　شفا جرف ما به من بنا
وتکرار ذا النصح منا لهم　　لتعذر فیهم إلی ربنا
فلما استهانوا بتنیهنا　　رجعنا إلی الله فی أمرنا
فعشنا علی سنة المصطفی　　وماتوا علی (ثنتنا ثنتنا)

ابن قیمؒ کہتے ہیں : اسلام کی خدمت گزار اور ہدایت پر قائم ائمہ عظام ملت کی تمام جماعتوں کی بنسبت ان حضرات کے خلاف جو زمین کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں آواز بلند کرتے رہے ہیں اور لوگوں کو ان طریقہ کار اور نقوش کی پیروی سے ڈراتے رہے ہیں۔

ابن قیم نے ان حضرات کا جنہوں نے گانا کے ذریعہ تقرب اِلی اللہ کی کوشش کی بڑے سخت الفاظ میں رد کیا ہے، جس کی وجہ سے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غناء کے مسئلے میں بہت ہی سخت ہیں۔

یہ ساری تفصیلات انہوں نے ''اِغاثۃ اللہفان'' میں ذکر کی ہے، اور اپنی دوسری کتاب جو خصوصاً سماع کے موضوع پر ہے اور جو ''کشف الغطاء عن حکم سماع الغناء'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے اس میں پوری شرح و بسط کے ساتھ صوفیاء میں جو حضرات سماع کے قائل ہیں ان کا رد کیا ہے۔

## ابن قیم صوفیاء کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں :

ابن قیم نے اپنی کتاب میں صوفیاء میں جو گانا کے قائل ہیں کے اپنے مخالفین پر کئے

گئے اعتراضات کو ذکر کیا ہے پھر ایک ایک کر کے ہر اعتراض کا جواب دیا ہے جسے ذیل کی سطروں میں بیان کیا جاتا ہے۔

### اولیاء اور صالحین اس طرح کی سماعی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں :

ابن قیمؒ اپنی کتاب میں سماع کے بارے میں لکھتے ہیں :

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس طرح کے سماع میں اولیاء کرام کی ایسی جماعت شریک ہوتی رہی ہے جس کے عند اللہ بلند مقام پر فائز ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا جیسے کہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے تلامذہ شبلی اور انہی جیسے یوسف بن حسین رازی اور ان کے پہلے کے لوگ جیسے حضرت ذوالنون مصریؒ وغیرہ تو پھر انہیں غلط سمجھنے اور ان کی نکیر کرنے کی ہمارے لئے کیسے گنجائش ہو سکتی ہے؟

### اولیاء اللہ اس طرح کے سماع میں کبھی شریک نہیں ہوئے :

اس اعتراض کا جواب کئی طرح سے دیا گیا ہے :

جس سماع کے بارے میں سوال کیا گیا اس سماع سے اللہ تعالی نے اپنے نیک بندوں کو ہمیشہ بچائے رکھا ہے، اور ان کے لئے یہ بالکل ناممکن تھا کہ وہ اس طرح کی سماعی مجلسوں میں شریک ہوتے یا اسے پسند کرتے یا اسے مباح سمجھتے اور جس سماع میں وہ شریک ہوئے وہ اس طرح تھا کہ بندگان خدا کی ایک جماعت جمع ہو کر اللہ تعالی اور آخرت کو یاد کر رہی تھی، اور وہاں دلوں کے اعمال اور ان کے لئے نقصانات اور اعمال کو درست کرنے والے امور اور دیگر احکام اور اللہ تعالی کا خوف بڑھانے والے وظائف وجد وارادت کا ماحول گرم ہوتا پھر ان کے دل نرم ہوتے اور ہمتیں بیدار ہوتیں اور ان کے دل سلوک کے منازل طے کرنے کے مشاق ہوتے اور جذبات میں آگے بڑھنے لگتے تا کہ اللہ تعالی اور آخرت کی منزل طے کر سکے اور انہیں اس موقع سے ان کی پہلی منزلیں یاد دلائی جائیں، جیسا کہ ذیل کے اشعار میں بیان کیا گیا ہے :

وحی علی جنات عدن فإنها　　منازلک الأولی وفیها المخیم

ولکننا بی العدو فهل تری　　نعود إلی أوطاننا ونسلم

ان جیسے اشعار کو امام احمدؒ نے مباح لکھا ہے، ابو حامد خلقانی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے عرض کیا اے ابوعبداللہ یہ سارے رقت انگیز قصیدے جن میں جنت اور جہنم کا تذکرہ ہے، ان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہنے لگے کیسے ہیں تو میں نے وہ اشعار پڑھ کر سنائے:

إذا ما قال لی ربی　　أما استحییت تعصینی

ونخفی الذنب من خلقی　　وبالعصیان تأتینی؟

توانہوں نے فرمایا کہ دہراؤ میں نے دہرایا کھڑے ہوئے گھر کے اندر گئے دروازہ پر آئے تو میں نے اندرون سے ان کے رونے کی آواز سنی اور یہ دونوں شعر دہراتے ہوئے سنا۔

ان جیسے اشعار جو دلوں میں محبت خوف امید طلب انس ومحبت شوق اور قرب الٰہی کا داعیہ پیدا کرتے ہیں، تو ان اشعار کو سن کر محبت وطلب پیدا ہوجائے ساتھ ہی دل بھی محظوظ ہونے لگے جیسا کہ عام طور سے سماع کی وجہ سے دل لطف اندوز ہوتا ہے اور جھومنے لگتا ہے تو اس لطف اندوزی کو دل کی مزید صفائی اور ایمان میں مزید اضافہ اور اس کیفیت میں مزید ترقی کا ذریعہ جس سے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے سمجھ لیا جائے جبکہ یہ صرف دل کا معاملہ ہے۔

یہیں سے قوم غلطی کا شکار ہوتی ہے جیسا کہ عنقریب ہم اس مسئلے کو تفصیل سے بیان کریں گے اور اس کیفیت کا عارفین نے انکار کیا ہے اور اس سے توبہ کی ہے اور اس سے پرہیز کیا ہے اس لئے کہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس کیفیت کا نقصان دل کو زیادہ ہے اس سے حاصل ہونے والے فائدے کی بنسبت، اس سے دل میں اصلاح کے بجائے خرابی زیادہ پیدا ہوتی ہے، عنقریب ہم ذوق ووجد کے باب میں اس کی تشریح کریں گے۔

## بعض صالحین کا سماع میں شریک ہونا غیر کے لئے دلیل شرعی نہیں :

جواب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس طرح کے سماع میں اگرچہ وہ حضرات شریک ہوئے

جن کی دینداری، سچائی اور صلاح وتقوی میں ہم شک نہیں کرتے مگر جو ان سے افضل تھے انہوں نے اس سماع کا انکار کیا ہے، اگر اس مجلس میں سو ولی اللہ شریک ہوئے تو ہزار سے زائد اللہ کے ولی اس کے منکر تھے، اگر ابوبکر شبلی شریک ہوئے تو ابوبکر صدیق؄ شریک نہیں ہوئے، اگر یوسف بن حسین رازی شریک ہوئے تو حضرت عمر فاروق؄ شریک نہیں ہوئے جن کے ذریعہ اللہ تعالی نے حق وباطل کے درمیان تفریق کی، اگر امام نووی شریک ہوئے تو حضرت ذو النورین عثمان غنی؄ شریک نہیں ہوئے، اگر ذوالنون مصری شریک ہوئے تو حضرت علی بن ابو طالب ہاشمی شریک نہیں ہوئے اگر سید الطائفہ ابوالقاسم جنید شریک ہوئے تو ان سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ انہوں نے اس سے توبہ کی اور وفات سے قبل رجوع بھی کرلیا۔

گر ان دو گنا حضرات نے اس عمل کو انجام دیا تو مہاجرین وانصار پورے کے پورے، شرکاء بدر، شرکاء بیعت رضوان اور تمام صحابہ کرام وتابعین عظام اس سے دور رہے، اس طرح تمام ائمہ فقہ وافتاء تمام ائمہ حدیث وسنت، تمام ائمہ تفسیر تمام ائمہ قراءت اور تمام ائمہ جرح وتعدیل جو آنحضرت ﷺ کے دفاع میں رات ودن مصروف تھے اس سے دور تھے تو اب لوگوں میں ان کے علاوہ بچا کون؟

فأى فريقنا أحق بأمنه إذايبعث الله العباد ويجمع

اگر آپ افراد کی کثرت سے استدلال کرتے ہیں تو ہم ایک فرد کے ذریعہ ہزاروں پر غالب آجائیں گے، اور اگر قرآن سے استدلال کرتے ہیں تو یہ کتاب موجود ہے جس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں ہے، اور اگر احادیث سے استدلال کرتے ہیں تو ہم ایسی روایتیں پیش کریں گے جس سے ہر حق پرست کو تشفی ہوجائے گی، اور ذوق اور وجد کی بات کریں گے تو ہم اس میں بھی آپ کے مقابل ہوں گے اور یہ بتادیں گے کہ ہمیں آپ سے زیادہ اس کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اور یہ بھی فیصلہ کریں گے کہ اس میں نفس کا فائدہ ہے مگر دل کا نقصان ہے اور نقصان نفع سے بڑھا ہوا ہے جیسا کہ عنقریب روشن دلیل کے ذریعہ اس حقیقت کو واضح

کریں گے، انشاء اللہ۔

## سماع کے قائل حضرات کا اتفاق دلیل شرعی نہیں بن سکتا :

جواب کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اگر تمام جماعت سماع پر متفق ہو جائے اور از اول تا آخر سبھی لوگ اس میں شریک بھی ہو جائیں تب بھی یہ آپ کے لئے دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ وہ کچھ ہی مسلمان ہیں اور اتفاق کر لینا دوسرے اہل حق کے لئے جن کا ہم نے نام لیا دلیل نہیں بن سکتا۔

اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ سماع کے قائل حضرات کا اتفاق کر لینا دلیل شرعی ہے اس کا اتباع لازم ہے؟ یا فقراء اور صوفیاء کا اتفاق دلیل ہے، اس کا کوئی قائل نہیں ہے اگر کوئی قائل ہوتا ہے تو وہ اجماع کا توڑنے والا ہے، کیونکہ اصل دلیل قرآن وسنت اقوال صحابہ اور اجماع امت ہے۔

## اکثر مشائخ نے سماع کا انکار کیا ہے اور اسے قابل عیب سمجھا ہے :

جواب کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ صوفیاء اور مشائخ کبھی اس پر متفق نہیں ہوئے بلکہ ان میں اکثر نے اس کا انکار کیا اور اسے قابل عیب سمجھا اور اس سے گریز کرنے کا حکم دیا۔

ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جہضم نے اپنی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' میں لکھا ہے کہ ابوعبد اللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ عبداللہ بن صالح نے ہم سے بیان کیا کہ جنید نے مجھ سے کہا کہ جب تم مرید کو دیکھو کہ وہ سماع کر رہا ہے تو جان لو کہ اس میں ابھی بھی بے شعوری کی چیزیں موجود ہیں، ابوعبداللہ بن باکویہ ''حکایات الصوفیہ'' میں لکھتے ہیں کہ میں نے احمد بن محمد البردعی کو کہتے ہوئے سنا جب تم مرید کو قصیدے سنتے ہوئے دیکھو اور سیر وتفریح کی جانب مائل دیکھو تو اس سے خیر کی امید مت رکھو، حافظ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی (ابن جوزی) کہتے ہیں کہ یہ قوم کے مشائخ کا قول ہے مگر متأخرین نے کھیل کود سے محبت کی بنا پر اس میں رخصت دی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ دو وجہوں سے ان کا شر دوسروں تک متعدی ہوا :

۱ــعوام اپنے اسلاف سے بدظن ہوئی اس لئے کہ ان کا یہ گمان تھا کہ سبھی لوگ ایسے ہی تھے۔

۲ــ ان لوگوں نے عوام کو جری بنا دیا کیونکہ عوام کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ فلاں نے ایسا کیا، اور بہتوں کے دل میں سماع کی محبت اس طرح جاگزیں ہوگئی کہ وہ سماع کو تلاوت قرآن پر ترجیح دے بیٹھے، اوران کے دل سماع کے وقت نرم ہونے لگے، مگر تلاوت کے وقت نرم نہ ہوتے کیونکہ ان کے دل میں اندرونی خواہشات غالب آ گئے جب کہ لوگ اس کے علاوہ دوسری چیز کو اس کا سبب اور محرک سمجھ رہے تھے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

پھر صاحب کتاب نے خطیب بغدادی کی تاریخ سے ابونصر تراج تک پہنچنے والی سند کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے بعض دوستوں نے ابوالحسین دراج سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ میں نے بغداد سے یوسف بن حسین رازی سے ملنے کے ارادے سے نکلا، جب میں ری پہنچا تو ان کا گھر دریافت کیا، تو میں جس کسی سے ان کے بارے میں پوچھتا تو وہ یہی کہتے کہ اس بددین سے کیا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ یہاں تک کہ میں نے تنگدل ہوکر لوٹنے کا ارادہ کرلیا، اور رات مسجد میں گزاری پھر میں سوچ ہی رہا تھا کہ میں اس شہر میں آیا شہر دیکھنے آیا مگر کسی سے اس کے متعلق پوچھا بھی نہیں کہ مسجد میں آ گیا اتنے ہی میں نے انہیں محراب کے پاس بیٹھا پایا ان کے سامنے رحل تھا جس پر قرآن کریم تھا اور وہ تلاوت کرر ہے تھے، میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہاں سے آئے؟ میں نے کہا بغداد سے، شیخ سے ملنے کی غرض سے انہوں نے کہا کہ کیا تم کچھ اچھا پڑھ کر سنا سکتے ہو، میں نے کہا ہاں میں نے سنایا :

رأیتک تبنی دائیا فی قطیعنی

ولو کنت ذا حزم لهدمت ما تبنی

انہوں نے قرآن بند کر دیا اور رونے لگے یہاں تک کہ ان کی ریش مبارک تر ہوگئی،

اور مجھے بھی ان پر رحم آنے لگا، پھر فرمایا: بیٹے! تم اہل ری یوسف بن حسین کو زندیق کہتے ہو اس پر انہیں ملامت کرتے ہو، میرا یہ حال ہے کہ نماز کے وقت سے میں تلاوت کر رہا ہوں اور ایک قطرہ میری آنکھ سے جاری نہیں ہوا، اور اس شعر کو سن کر مجھ پر قیامت برپا ہوگئی۔

## رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں:

جواب کا پانچواں پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہر شخصیت کا یہ حال ہے کہ اس کے کچھ اقوال قابل عمل بن سکتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن سے گریز کیا جا سکتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ دوسرا کوئی ایسا نہیں ہو سکتا جس کے تمام اقوال وافعال کی پیروی کی جا سکے، تو جو کوئی اس مقام پر دوسرے کو فائز سمجھے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوگا، اور وہ اللہ تعالی کے مقابلے میں بلکہ جب اسے اس کی زیادہ ضرورت ہوگی تو وہ اس سے براءت کا اعلان کردے گا ارشاد باری ہے:

**"إذ تبرأ الذين اتبعوا من الذين اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بهم الأسباب وقال الذين اتبعوا لو أن لنا كرة فنتبرأ منهم كما تبرءوا منا كذلك يريهم الله أعمالهم حسرات عليهم"** (البقرہ: ۱۶۶–۱۶۷) (جبکہ وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان لوگوں سے صاف الگ ہوجاویں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے اور سب عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے، اور باہم ان میں جو تعلقات تھے اس وقت سب ختم ہوجائیں گے، اور جب یہ تابع لوگ یوں کہنے لگیں گے کہ ہم سب کو ذرا ایک دفعہ دنیا میں جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہوجاویں، جیسا یہ ہم سے (اس وقت) صاف الگ ہو بیٹھے اللہ تعای یوں ہی ان کی بداعمالیوں کو خالی ارمان کرکے ان کو دکھلادیں گے)۔

آپ ﷺ کے بعد ہر کسی کے اقوال، افعال اور احوال آپ ﷺ کی شریعت کے میزان پر تولے جائیں گے اگر اس پر کھرے اترے تو قبول کئے جائیں گے ورنہ مسترد

ہوں گے۔

مگر فتنہ میں مبتلا ظالموں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی شریعت کو مشائخ کے اقوال وطریقت کے میزان پر پیش کر کے پرکھا اور جانچا نتیجہ یہ ہوا کہ مشائخ نے انہیں گمراہ کیا، اور یہ معصیت عام ہوتی چلی گئی اور آزمائشوں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا اور دین اور اہل دین اپنوں ہی کے درمیان اجنبی بنتے چلے گئے، اور جاہلوں نے انہیں ہی اہل بدعت سمجھ لیا، اور جو لوگ خود ساختہ آراء وطریقت پر پیرو کار تھے، انہیں اہل سنت سمجھا، مگر اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ اپنے دین کو ثابت کر کے رہے گا، اور اپنے کلمہ اور اپنے رسول ﷺ کو ہر حال میں بلند فرمائے گا۔ اور اپنی جماعت کو غالب کر کے رہے گا اگر چہ اہل باطل اسے ناپسند کریں۔

## جو حضرات سماع میں شریک ہوئے وہ ان ائمہ میں نہیں تھے جن کی تقلید کی جاتی ہے:

جواب کا چھٹا پہلو یہ ہے کہ جن سے یہ منقول ہے کہ وہ قوم کے سماع میں شریک ہوئے ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جن کی دین کے کسی امر میں تقلید کئے جانے کی گنجائش ہو، کیونکہ ان کا شمار ان علم وتقوی کے مالک ائمہ میں نہیں ہوتا جن کی منجملہ تقلید کی گنجائش ہوتی ہے۔

اور ان میں جو شریک ہوئے ایسے بلند پایہ حضرات تھے جو صدق وصفا اور تعلق مع اللہ کے بلند مقام پر تھے، لیکن وہ معصوم نہ تھے اور نہ ان کا کوئی قول ان علماء کے اقوال کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جن پر حکم صادر کیا جاتا ہے یا فتوی دیا جاتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حاضر ضرور ہوئے مگر اللہ تعالی ان کی راست بازی اور حسن نیت کی وجہ سے انہیں معاف فرما دے گا، مگر یہ کہ انہیں امام اور مقتدی تسلیم کر لیا جائے یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ وہ مجتہد تھے اور نہ ان کا قول اہل علم کے درمیان معتبر سمجھا گیا۔

جنہوں نے ان کی مخالفت کی وہ علم وقابلیت اور تعداد میں ان سے بڑھ کر ہیں :

جواب کا ساتواں پہلو یہ ہے کہ اگر بالفرض سماع کے قائلین کو مجتہد تسلیم کرلیا جائے، اوران کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش نکالی جائے تب بھی بات ان کے حق میں بنتی نظر نہیں آتی کیونکہ انہی کے ہم پلہ علماء یا علم وقابلیت میں ان سے فائق علماء نے ان کی مخالفت کی ہے اور دو مختلف گروہ کے درمیان فیصلہ کتاب وسنت اور صحابہ کرامؓ سے ثابت آثار کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

اگر ایک آدمی کے ذوق وجدان اور حالت کے پیش نظر فیصلہ کردیا جائے اور اسے بغیر کتاب وسنت کی دلیل کے امام ومقتدیٰ مان لیا جائے تو یہ بہت بڑی گمراہی ہوگی، اور اللہ تعالی سے دوری اوراس کی ناراضگی کا بہت بڑا محرک ثابت ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالی کا قرب اسی عمل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے جواس کی پسند ہوتا ہے، اورجس سے وہ خوش ہوتا ہے، نہ کہ اس عمل سے جوکسی کے ذوق کی پیداوار ہو، اور جسے وہ اپنی خواہش کے مطابق بہتر سمجھتا ہو۔

تو پھر کیسے اس شخص کے لئے مناسب ہے جو اللہ تعالی کی محبت کا دعویدار ہو کہ وہ اس ذات باری کی قربت اس عمل کے ذریعہ حاصل کرے جسے اللہ تعالی نے اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مشروع نہیں فرمایا، اور نہ اس طرح کا کوئی قول اور طریقہ کار اسے پسند ہے اور نہ اس کی منشا کے مطابق ہے۔

تو اسے اللہ تعالی سے عین دوری کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے؟

سلف صالحین میں سے متعدد حضرات کا یہ کہنا کہ جو قوم اللہ سے محبت کا دعوی کرتی ہے اسے اللہ تعالی نے پوری ہدایت دی ہے، "**قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله**" (آل عمران:۳۱) (اگر تم لوگ اللہ تعالی سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا) اس میں یہ نہیں فرمایا کہ میری محبت میں ناچو گاؤ، یا مست کردینے والے طرز

خوش الحانی پر مست ہو، مگر مجنون کی طرح ہاتھ پاؤں مارنے لگو، تو پھر اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا؟ جو محبت الٰہی کا دعویدار ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس شیطانی سماع سے قرب الٰہی حاصل ہو رہا ہے، جس میں نفس اور شیطان کی تسکین کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

## جن حضرات نے سماع کی اجازت دی ہے انہوں نے کچھ شرطیں بھی لگائی ہیں :

جواب کا آٹھواں پہلو یہ ہے کہ ہم آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ کیا آپ حضرات سماع میں ان شرائط کی تکمیل کرتے ہوئے شریک ہوتے ہیں جو شرطیں سماع کی اباحت کے قائل وہ حضرات جن کی آپ نے تقلید کی ہے نے لگائی ہیں، ان حضرات نے وہ شرطیں لگائی ہیں جو قوم کی کتابوں میں درج ہیں :

۱ــ بتکلف سماع نہ کرے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ جو کوئی بتکلف سماعت کرتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے اور جو بلا ارادہ کرتا ہے اسے آرام ملتا ہے، چنانچہ ان حضرات نے یہ بیان کیا ہے جو بالقصد سماع کرتا ہے اس کے لئے فتنہ ہے اور جو اتفاقی سماع کرتا ہے اس کے لئے آرام دہ ہے، گویا ان کا یہ بیان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سماع نہ قربت ہے اور نہ اطاعت، کیونکہ طاعت اور قربت کا ارادہ کرنا فتنہ نہیں بنتا بلکہ طاعت جب تک اس میں نیت وارادہ شامل نہ ہو درست نہیں ہوتی۔

۲ــ اس میں شرکت کرتے وقت دل اللہ کی یاد سے لبریز ہو ہر طرح کی خواہش سے پاک ہو، کیونکہ ذکر الٰہی کے سلسلہ میں یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں اس پر وساوس نہ غالب آجائیں اس لئے ایسے وقت میں ضروری ہے کہ ذکر الٰہی ہر طرح کے وسوسے پر غالب رہے اور دل اس سے معمور رہے۔

۳ــ دل کے دروازہ پر ایک دربان بیٹھا دے جو دل کو نفس اور شیطانی جذبات کی تسکین کی خاطر سننے پر آمادہ نہ کرے بلکہ خالصۃً اللہ کی خوشنودی اور اس کی بندگی کے واسطے سماع

پر قائم ودائم رکھے۔

۴—سماع کرتے وقت دل کو اس بات سے محفوظ رکھے کہ کہیں وہ اللہ تعالی سے غافل نہ ہو اور ماسوا کی جانب متوجہ نہ ہو۔

۵—سماع کا جو اشارہ ہو یعنی اس کے نفس سے حق عبودیت کا جو مطالبہ کیا جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ توحید خالص انابت الی اللہ سے نفس معمور ہوتا رہے، اور تمام تر مسائل اس ذات اقدس سے متعلق کیا جاتا رہے، اور نفس اگر اللہ کی مرضیات پر اپنی خواہشات کو ترجیح دینے پر آمادہ کرے تو اسے ملامت کیا جاتا رہے اس کو ادا کرتا رہے۔

۶—سماع کے اس عمل میں سامع کی نیت یہ ہو کہ یہ سماع صرف اللہ تعالی کے لئے ہے اللہ تعالی سے ہے اور اللہ تعالی کے ساتھ ہے، تاکہ اسے اس کے اس قول یسمع کا حصہ وافر ملے۔

۷—اور سماع اس کے ذریعہ انجام دیا جائے جس سے فتنہ کا خوف نہ ہو مطلب یہ ہے کہ سنانے والا شخص ایسا نہ ہو جس کی آواز سننا اور اسے دیکھ کر مزے لینا درست نہ ہو۔

یہ وہ شرائط ہیں جن کی بنیاد پر قوم کے ان حضرات نے سماع کو مباح قرار دیا ہے جنہوں نے سماع کی مجلسوں میں شرکت کی ہے، اور فرمایا قوم کا قائد وہ ہوتا ہے جو قوم میں عارف ہوتا ہے، اس جگہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے جو مکہ میں سماع کے آداب بیان فرمائے ہیں اس لئے ان کا دفاع کرنے کی ان حضرات کو ضرورت محسوس نہیں ہوئی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ آداب سماع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اگر اپنی نیت، تصوف، اور تجرد میں سچی ثابت ہو جائے تو بغیر کتاب اللہ کو سنے ہوئے ان کے دل اور اعضاء وجوارح میں اضطراب و بے کلی کی کیفیت پیدا نہ ہوگی، کیونکہ وہ ان کے محبوب کا کلام اور اس کی صفت ہے، اس میں محبوب کا بھی تذکرہ ہے اور ان کا بھی تذکرہ ہے، اس میں اولین وآخرین کا بیان ہے، زندہ ومردہ، عاشق ومعشوق مرید ومراد کا بحر بیکراں ہے، اور

اس کی محبت کا بے بنیاد دعوی کرنے والوں کی سرزنش اور لعنت وملامت پر سیر حاصل گفتگو ہے، مگر ان کی نیت وارادہ میں کھوٹ آیا اور ان کا دعویٰ بلا دلیل، ثابت ہوا، اور ان کی دروغ بیانی، اور رسم ورواج کی نقالی جگ ظاہر ہوئی جس میں اندرونی خواہش، سچی نیت، معرفت، اور حقائق کا علم اور عجیب وغریب اور حیرت انگیز علوم کا حصول، رازدروں سے واقفیت، قربت ومحبت اور محبوب تک رسائی کا جذبہ مفقود نظر آیا، جبکہ حقیقی سماع قرآن وحدیث ہے اور وہ کلام ہے جو علماء کی زبان سے اور اللہ کے مخلص اولیاء، ابدال اور اعیان کی زبان سے جاری ہوئے، ان حضرات کے دل ان تمام سے خالی ہو گئے اور ان اشعار پر مرتکز ہو گئے جو انسانی طبیعت اور مزاج کو چھیڑتے ہیں، اور انسان کے دل اور رونے کے علاوہ مزاج میں عشق کی لو تیز کرتے ہیں۔

یہ گفتگو اس شخص کی ہے جو سماع کا سب سے بڑا جانکار ہے اور اس کے نقصانات سے سب سے زیادہ واقف ہے، مگر جس نے سماع کو مباح سمجھا بغیر اس کے نقصانات کے سمجھے ہوئے وہ دل کی اصلاح سے اور سماع کے نقصانات کی واقفیت حاصل کرنے سے محروم ہے، ساتھ ہی اسے دل اور شیطانی جذبات کی تسکین اور رب کے حق کی بالکل جانکاری نہیں وہ تو ان لوگوں میں ہے جو اپنی خواہش کے مطابق اللہ تعالی کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے اپنی محبت کا دم بھرتے ہیں نہ کہ اللہ کی پسند اور مرضیات کے مطابق، کیونکہ معاملہ صرف اتنا نہیں کہ تم اللہ کو چاہتے ہو بالکل اصل یہ ہے کہ تم وہ چاہو جو اللہ تعالی چاہے۔

## دوسرے علماء کرام کے اقوال :

علامہ ابن حجر ہیثمیؒ نے اپنی کتاب ''کف الرعاع'' میں صوفیانہ سماع کے بارے میں پورے اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک قول امام عزالدین بن عبدالسلام کا ہے کہ سماع کا حکم سامع اور مسموع عنہ کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے ان کی چند قسمیں ہیں :

ا- ایک قسم عارفین کی ہے، ان کا سماع ان کے احوال کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے، جن پر خوف غالب ہوتا ہے ان میں خوف دلانے والی چیزوں کا سماع اثر انگیز ثابت ہوتا ہے، او

راس کا اثر ان پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گریہ وزاری کرنے لگتے ہیں ان کا رنگ بدل جاتا ہے اور غم وخوف ان پر نمایاں ہوجاتا ہے، خوف یا تو سزا کی وجہ سے ہوتا ہے یا ثواب کے فوت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا محبت وقربت کی دولت سے محرومی کی وجہ سے ہوتا ہے، یہ لوگ اللہ سے ڈرنے والوں میں سب سے افضل ہیں اور سماع کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں، ایسے لوگ کسی طرح کا تکلف نہیں کرتے بلکہ ان سے وہی نقل وحرکت سرزد ہوتی ہے جو خوف کے آثار غالب ہونے کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں، ایسے لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو ان میں شعر وشاعری سے زیادہ قرآن کا اثر ہوتا ہے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن پر وجد غالب رہتا ہے ان میں واجبات کا تذکرہ اثر دار ہوتا ہے، اگر انہیں محبت وقربت کی امید ہو تو ان کے لئے اس طرح کا سماع ہر سماع سے افضل ہے، یا ثواب کی امید ہو تو سماع مفضول ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن پر اللہ تعالی کی محبت ان پر کئے جانے والے انعامات کی وجہ سے غالب رہتی ہے تو انعامات کا تذکرہ ان پر اثر کرتا ہے یا محض اللہ تعالی کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے اللہ کی محبت غالب رہتی ہے، یہ سب سے افضل قسم ہے۔

ان حضرات کی کیفیت مسموع منہ کے اعتبار سے بھی مختلف رہتی ہے، اولیاء سے سماع کرنا جہلاء سے سماع کرنے کے مقابلے میں زیادہ مؤثر ہوتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام سے سننا اولیاء کے مقابلے زیادہ اثر دار ہوتا ہے، اور خالق ارض وسماء سے سماع انبیاء علیہم السلام کے مقابلے زیادہ تاثر رکھتی ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام صدیقین اور ان کے رفقاء لہو ولعب اور غناء کے سماع میں مشغول نہیں ہوئے بلکہ انہوں صرف اپنے رب کے کلام کے سماع پر اکتفاء کیا۔

اور جس شخص پر مباح خواہش غالب ہو جیسے کہ اسے اپنی اہلیہ سے محبت ہو تو سماع کی وجہ سے محبت جوش میں آجاتی ہے، اور اہلیہ سے ملاقات کا شوق اور اس کی علامتیں اور جدائیگی کا خوف اور اس کے اثرات اس میں نظر آنے لگتے ہیں تو ایسے کلام کا سماع کرنے میں کوئی حرج

نہیں ہے۔

اس کے برخلاف جس پر حرام محبت غالب ہوتی ہے جیسے کہ امرد سے یا کسی غیر محرم سے محبت تو ایسا شخص سماع کی وجہ سے حرام کی خاطر کوشاں ہوجاتا ہے، اور جو عمل حرام تک پہنچائے وہ حرام ہے اور جو یہ کہے کہ میرے دل میں ان چھ قسموں کا ذرہ اثر نہیں ہے تو سماع ان کے حق میں مکروہ ہے، ہیثمی کہتے ہیں کہ امام غزالیؒ نے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ایسے شخص کے حق میں سماع مباح ہے۔عنقریب آئندہ سطروں میں دوبارہ عزبن عبدالسلام کے قول کو دہرائیں گے۔

اذرعی کہتے ہیں : ابوالقاسم قشیری ان کا شمار شوافع ائمہ کرام میں ہوتا ہے۔سماع کے موضوع پر ان کی ایک کتاب ہے، جس میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ سماع کے شرائط میں یہ ہے کہ اسماء وصفات اور ان کے مدلولات سے پوری واقفیت ہو، اور ان میں سے جو ذات باری تعالی کے شایان شان ہو اس کا بھی علم ہو، یہ شرطیں ان حضرات کی زبانی ہیں جو ذوی العقول ہیں اہل تحصیل ہیں، مگر اہل حقائق کی زبانی جو شرطیں ہیں وہ یہ ہیں کہ نفس سچی محنت ومجاہدہ پر قائم رہے، پھر دل مشاہدہ کی روح سے زندہ رہے، تو جس نے صحت کے معاملہ کو مشروط نہ کیا اور صدق (سچائی) کے ساتھ مجاہدہ کی شرط نہ لگائی تو اس کا سماع ضائع ہوگا، اور سماع کے اثر کا کسی درجہ میں پایا جانا فطرت کے مطابق ہوگا، ایسی صورت میں سماع ایک فتنہ ہوگا جس کا سبب عشق سے مغلوبیت ہوگا، الا یہ کہ جب نفسانی خواہشات کا زور کم ہوجائے اور دل صاف ہوجائے، اس سے بھی آگے بڑی لمبی گفتگو صاحب کتاب نے کی ہے جسے قلمبند کیا جائے تو گفتگو بڑی طویل ہوجائے گی۔

مگر جتنی گفتگو نقل کی گئی اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے زمانے کے اکثر صوفیاء کرام کے نزدیک سماع اور رقص حرام رہا ہے اور وجہ صرف یہ تھی کہ سماع کے آداب وشرائط پائے نہیں گئے۔

ابن حجر ہیثمیؒ فرماتے ہیں : بعض حضرات نے بلاتحقیق یہ بات کہی کہ میں نے بغیر کسی تفصیل کے مطلقاً گانا سننے کا انکار کیا ہے، جبکہ معاملہ ایسا نہیں ہے، اور اسی وجہ سے ابوطالب مکی نے کہا کہ گانا سننے کا انکاری ہوگا وہ دراصل ستر صدیقین کا منکر ہوگا اور ستر کی تعداد بیان کثرت کے واسطے ہے ورنہ صدیقین کی تعداد تو بڑی ہے جس میں اباحت غناء کے قائل آتے ہیں جنہوں نے چند شرائط کے ساتھ گانا سننے سنانے کی اجازت دی ہے۔

امام سہروری فرماتے ہیں کہ گانا کی اباحت کا منکر یا تو سنن وآثار سے ناواقف ہوگا، یا انسانی ذوق سے ناواقف ہوگا اور خود بھی بے ذوق ہوگا، اور سنن سے انکا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو صحیح سند سے آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے کچھ شعراء تھے جن کا کلام آپ ﷺ مسجد میں سنا کرتے تھے، جن میں حضرت سیدنا حسانؓ اور ابن رواحہؓ کے نام شامل ہیں اور امیہ بن صلتؓ سے بھی سننے کی خواہش ظاہر کی اور ان کا کلام سنا جیسا کہ مسلم شریف میں منقول ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عزبن عبدالسلام اسکی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

اشعار اور تشبیہات کی اجازت ہے، کیونکہ حضرت کعبؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا مشہور قصیدہ قصیدہ بانت سعاد سنایا آپ ﷺ نے اسے سماعت کیا اور اس کے کسی شیئ کی مذمت نہیں کی جبکہ اس میں استعارات اور تشبیہات سے کام لیا گیا تھا، یہاں تک کہ تھوک کو شراب کی تلچھٹ سے تشبیہ دی جبکہ شراب حرام ہو چکی تھی مگر اس کے باوجود اس کا تلچھٹ ان کے نزدیک ممنوع نہیں تھا، بلکہ ان لوگوں نے اسکی خواہش رہنے کے باوجود اسے چھوڑا جس کی وجہ سے اس کی قیمت مزید بڑھ گئی۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ شاعری کے حسن کا کوئی صاحب علم اور صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا اور کبار صحابہؓ اور بڑے اہل علم اور مقتدائے امت میں سے ہر کسی نے یا تو شعر کہا ہے یا اس سے مثال دی ہے یا اسے سن کر اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے جب تک شعر حکمت ودانائی بیان

کرتا رہا یا مباح امر کی تعلیم دیتا رہا اور فحش مضامین اور ہجو گوئی اور دوسرے مسلمان کی ایذا رسانی سے گریز کرتا رہا۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں : قدیم وجدید علماء ہر زمانے میں اپنے اشعار میں شراب کو بطور تشبیہ واستعارہ بیان کرتے رہے ہیں، یہاں تک بدر زرکش نے امام ابواسحاق شیرازی سے نقل کیا ہے ــ جن کا زہد وعلم ان کی معتبریت پر یقین کرنے کے لئے آپ کے واسطے کافی ہوگا ــ کہ انہوں نے بعض روسائے قوم کو ذیل کا شعر سنایا :

ذهب الشتاء وتصرف البرد
أتى الربيع وأقبل الورد
فأشرب على وجه الحبيب به
صهباء ليس لمثلها رد

تو اس پر سردار نے کہا کہ اللہ تعالی شیخ محترم کی زندگی سلامت رکھے آپ نے شراب کو مباح کر دیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے جنت کی شراب مراد لی ہے۔

دار قطنی حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس شعر وشاعری کا تذکرہ ہوا آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو کلام جس میں اچھے مضامین ہوں گے وہ اچھا ہے اور جس میں گندے مضامین ہوں گے وہ گندے ہیں۔

امام طبرانیؒ نے تابعین اور تبع تابعین کی غزلوں سے مالا مال پوری ایک جلد تیار کی ہے، اور انہوں نے اور دوسرے علماء نے بہت سے صحابہ کرامؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ان غزلوں کو سنا اور ان کی مذمت نہیں کی، اور قاضی شریح اور زبیر بن بکار نے اپنی اپنی ''روضہ'' میں اور عبداللہ بن مبارک نے اپنی مرثیہ میں اتنی زیادہ غزلیں جمع کی ہیں کہ ان سے تعجب ہوتا ہے کہ ان جیسی بلند پایہ شخصیت نے کیسے اتنی غزلیں جمع کر لی۔ اسی طرح حضرت امام شافعیؒ نے۔

''احیاء'' میں لکھا ہے کہ رخسار کنپٹی اور قد وقامت کی خوبصورتی اور عورتوں کی دیگر تمام

اوصاف سے تشبیہ دینا محل نظر ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ انہیں نظم کے قالب میں ڈھالنا اور خوبصورت آواز میں پڑھنا یا بغیر طرز کے تحت کے میں سنانا حرام نہیں ہے، مگر سامع کے لئے لازم ہے کہ اس سے کوئی متعینہ عورت مراد نہ لے اور اگر اپنی بیوی مراد لے تو جائز ہے، لیکن غیر محرم خاتون کو اس کا مصداق قرار دینا گناہ ہے، اور جو شخص اس طرح کے کردار کا حامل ہو اسے سماع سے پرہیز کرنا چاہئے۔

''التہذیب'' میں مذکور ہے کہ اگر تشبیب کسی متعینہ خاتون کے سلسلہ میں ہو تو یہ فسق ہے ورنہ کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ مجرد تشبیب جس میں نامعلوم خاتون کی صفات بیان کی گئی ہوں اس میں عشق ومحبت کو بیان کرنے والا کوئی ایسا جزء نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ شعر خوبصورت ہو جائے اور شاعر کی فنکاری کا خوب خوب اظہار ہو جائے۔

اذرعی فرماتے ہیں : اس سلسلہ میں حتمی بات یہ ہے کہ غیر معلوم خاتون کا تذکرہ اور اس کے ظاہری محاسن کا تذکرہ، اور اس کا شوق اور اس کی محبت جس میں کسی طرح کی فحش کلامی نہ ہو اور نہ اشتباہ سے کام لیا گیا ہو کا تذکرہ اس طرح کے کلام کا قائل قابل مذمت نہیں ہے، اور نہ اس کے بارے میں کسی کا اختلاف ہے بلکہ متفق علیہ مسئلہ ہے، اسی سلسلہ کے وہ اشعار ہیں جن میں شعراء نے لیلیٰ سلمیٰ سعدی رباب اور ہند وغیرہ کا تعارف کرایا ہے۔

گانا کا سننا کسی آزاد یا اجنبی باندی سے حرام ہے جس کی بنیاد ہمارے نزدیک وہ قول ہے جس میں عورت کی آواز کو فتنہ کہا گیا ہے چاہے اس سے بظاہر فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو، اور شیخین نے روضہ اور اس کی اصل میں جو تین مقامات پر گفتگو کی ہے اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مسلک کے اعتبار سے بھی راجح یہی ہے، اور قاضی ابوالطیب نے اصحاب سے نقل کیا ہے کہ پس پردہ آواز بھی حرام ہے، اور قاضی حسین نے بھی حرمت کی صراحت کی ہے، اور ان کا یہ دعوی ہے کہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور دلیل میں یہ روایت پیش کی ہے، ''**من استمع إلی قینة صب فی أذنیه الآنک (أی الرصاص المذاب)**'' (جو کسی گانے والی خاتون سے

گانا سنے گا اس کے دونوں کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جائے گا)۔

اذرعی فرماتے ہیں : گانے والے مرد اور گانے والی خاتون گرچہ فتنہ کا ذریعہ نہ ہوں، مگر ان سے سماع کسی دوسرے پر فریفتہ ہونے پر آمادہ کردے تو یہ حرام ہے کیونکہ اس میں قباحت ہے اور برباد دل کو شہوت پرستی کی ترغیب دینا ہے بالخصوص جبکہ اہل ہواء وہوس سن رہے ہوں اور وہ لوگ بھی ہوں جو اپنے دلوں میں کسی خاص صورت کو فرض کئے ہوئے اٹھتے بیٹھتے ہوں، یہ مسئلہ بالکل ہی واضح ہے اس میں جو کوئی انصاف پسند ہوگا وہ اختلاف نہیں کرے گا۔

رہی بات یہ کہ اس کی آواز پردہ نہیں ہے یہی زیادہ صحیح ہے چنانچہ سننا اسی وقت حرام ہوگا جب فتنہ کا اندیشہ ہو۔

اذرعی کے نزدیک اس کا مصداق وہ نغمہ ہے جس میں جو نازوانداز کے لہجے میں موزوں سر کے ساتھ طرز سے نہ پڑ جائے جیسا کہ بالعموم گانیوالی پیشہ ور خواتین پڑھا کرتی ہیں، رہی بات اس مسئلے کی اس میں سماع کے علاوہ بھی کچھ زائد چیزیں ایسی ہیں جن کی بنا پر سماع کو حرام قرار دیا گیا ہے، اگرچہ ہم یہ کہیں گے کہ عورت کی آواز پردہ نہیں ہے اور یہ لازم کہ محل اختلاف وہ آواز ہے جو اس حرمت پر مشتمل نہ ہو برخلاف اس آواز کے جو اس حرمت پر مشتمل ہے تو وہ محل اختلاف نہیں ہے، کیونکہ وہ فسق کی ترغیب دیتی ہے۔

## عزالدین بن عبدالسلام کی رائے :

سب سے زیادہ انصاف کے ساتھ جس نے صوفیاء کے نغموں کے موضوع پر گفتگو کی ہے وہ ہیں امام عزالدین بن عبدالسلام، جیسا کہ ان سے علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں :

عز بن عبدالسلام سے رقص ومحبت کے نغمے جب پڑھے جائیں تو ان کا سننا کیسا ہے؟ یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا رقص بدعت ہے اس میں وہی مشغول ہوسکتا ہے جو عقل سے کورا ہوگا، اور یہ عورتوں ہی کو زیب دیتا ہے۔

رہا مسئلہ ان اشعار کے سننے کا جو اچھے احوال و کوائف جیسے آخرت کی یاد دہانی کے واسطے تحریک کا کام دیتے ہیں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ جب اکتاہٹ اور دل اچاٹ ہوتو اس وقت مستحب ہے، اور سماع کی مجلس میں وہ شخص نہ آئے جس کے دل میں ناپاک خواہش پنہاں ہو، کیونکہ سماع اس کے دل کی خواہش کو بیدار کردے گا۔

اور یہ بھی فرمایا: سماع سامع اور مسموع منہ کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے سامعین یا تو عارف باللہ ہوں گے ان کا سماع ان کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے جن پر خوف غالب ہوگا، ان پر سماع کا اثر ہوگا جب ڈرانے والے امور کا تذکرہ کیا جائے گا مثلاً ان پر غم کی کیفیت طاری ہوگی، وہ گریہ وزاری کرنے لگیں گے، اور ان کے چہرے کا رنگ بدل جائے گا، اور یہ خوف یا تو سزا کا ہوگا یا ثواب کے نہ ملنے کا یا محبت وقربت کے فوت ہونے کا، ایسے لوگ سب سے افضل سامع ہیں اور سب سے زیادہ اللہ تعالی سے ڈرنے والے ہیں ان حضرات کے دل میں قرآن کا اثر ان جیسے کلام سے کہیں زیادہ ہوگا۔

اور جن پر امید کی کیفیت غالب ہوگی ان میں سماع کا اثر اس وقت ہوگا جب امید افزا امور کا تذکرہ ہوگا، اگر انہیں محبت وقربت کی امید تھی تو ان کا سماع تمام امید والوں میں سب سے بہتر ہوگا، اور اگر امید ثواب کی تھی تو یہ سماع کا دوسرا درجہ ہوگا، اور پہلے درجہ کے سماع کا اثر دوسرے درجے کے سماع سے زیادہ ہوگا۔

اور جن پر اللہ تعالی کی محبت اس کے انعام واکرام کی وجہ سے غالب ہوگی ان پر انعام واکرام کا سماع اثر کرے گا یا اس ذات مطلق کے جمال کا تذکرہ تو جیسے ہی ذات اقدس کی بڑائی اور اس کی صفات کمالیہ بیان کی جائیں گی ویسے ہی ان پر اثرات مرتب ہونے لگیں گے، اور یہ سماع اس پہلو کے تمام سماع سے افضل ہے کیونکہ اس میں سبب محبت سب سے اولی اور اعلی ہے اور جب خدا تعالی سے دوری ومہجوری کا تذکرہ آئے گا تو اثرات مزید کئی گنا ہوجائیں گے۔

اور جن پر ذات باری کی تعظیم وتکریم غالب ہو وہ گذشتہ تمام مغلوب الحال لوگوں سے

بہتر ہیں۔

ان حضرات کے احوال مسموع منہ کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، ایک ولی سے سماع ایک عام آدمی کے سماع سے زیادہ تاثیر کا حامل ہوتا ہے، اور نبی سے سماع ولی کے سماع کے مقابلے زیادہ موثر ہوتا ہے، اوررب کریم سے سماع عاشق کے دل میں نبی کے سماع سے زیادہ اثر دار ہوتا ہے، اس لئے کہ بارعب ذات گرامی کا کلام مرعوب کے دل میں غیر کے کلام کے مقابلے زیادہ اثر انگیز ہوتا ہے، اس لئے انبیاء صدیقین اور صحابہ کرامؓ نے لہو ولعب اور گانے بجانے کے سماع کو ترجیح نہیں دی اور صرف اپنے رب کا کلام سننے پر اکتفا کرتے رہے۔

اور جن پر جائز خواہش غالب ہو جیسے کہ وہ شخص جو اپنی اہلیہ سے محبت کرتا ہو، اس کے دل میں شوق انگیز کلام اور جدائیگی کا خوف دلانے والے اشعار اور ملاقات کی امید پیدا کرنے والی نغمہ سنجی کا سماع اپنا اثر دکھائے گا، اور اس طرح کا سماع باعث حرج بھی نہیں ہے۔

اور جن پر حرام خواہش غالب ہو جیسے کہ اس کے دل میں کسی امرد یا غیر محرم سے محبت ہوتو اس کے لئے حرام کی تکمیل کی کوشش موثر ہوگی اور جو چیز حرام کا سبب بنے وہ حرام ہے۔

مگر جس کے دل میں ان چھ اقسام میں سے کوئی کیفیت پیدا نہ ہو اس کے لئے سماع مکروہ ہے بایں طور کہ عام لوگوں پر بالعموم نفسانی خواہشات غالب رہتی ہیں اور بسا اوقات سماع حرام تصویر کی طرف برانگیختہ کر دیتا ہے اور سامع بھی اس کی طرف مائل ہو کر اس سے جڑ جاتا ہے، مگر سماع اس صورت میں حرام نہیں ہوسکتا کیونکہ حرام کرنے والا سبب متحقق نہیں ہے۔

اور کبھی سماع کی مجلس میں فاسق وفاجر شریک ہوتے ہیں اور وہ گریہ وزاری کرتے ہیں اور ناپاک مقاصد جو ایک طرح سے ان میں پیوست ہو چکے ہیں کی خاطر بے چین نظر آتے ہیں، اور حاضرین کو دکھاتے ہیں کہ ان کا سماع کسی مرغوب مقصد کے لئے ہے جبکہ یہ حضرات معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں اور عوام کو اس وہم میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالی کے صالح بندے ہیں۔

سماع کی محفل میں کچھ ایسے افراد بھی شریک ہوتے ہیں جو اپنے اہل وعیال اور اعزہ

کے کھونے کا غم لئے ہوتے ہیں، پڑھنے والا انہیں اپنے محبوب اہل وعیال اور رشتہ داروں کی جدائیگی یاد دلاتا ہے، تو ان میں سے کوئی ایک رو پڑتا ہے اور حاضرین اس وہم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کا رونا رب کریم کی خاطر ہے جبکہ یہ ایسا ریا کارانہ عمل ہے جو حرام نہیں ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ سامع کے واسطے باعث مسرت سماع اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کلام میں ان صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو بلند احوال اور اچھے اعمال کو لازم کرتے ہیں، اور ہر صفت کے خاص احوال ہوتے ہیں تو جو اللہ کی رحمت والی صفت کو یاد کرتا ہے تو اس کی حالت پر امید حضرات جیسی ہوتی ہے اور اس کا سماع بھی انہی جیسا ہوتا ہے اور جو انتقام کی سختی والی صفت کو یاد کرتا ہے تو اس کا حال ڈرنے والوں کی طرح ہوتا ہے اور ان کا سماع بھی انہی جیسا ہوتا ہے اور بقیہ تمام احوال و کوائف اس پر قیاس کئے جاتے رہیں گے۔

بعض حضرات پر احوال اس قدر غالب ہوتے ہیں کہ وہ پڑھنے والے کے کلام کی جانب متوجہ نہیں ہو پاتے، کیونکہ پہلی کیفیت اور پہلا حال ہی ان پر بہت زیادہ غالب رہتا ہے۔

یہاں پر علامہ عز بن عبد السلام کی بات ختم ہوئی جو وقت کے بڑے فقیہ اور ربانی صفات کے حامل اصولی تھے، انہوں نے اپنے کلام میں ایک فقیہ عالم کی معقولیت اور ایک صوفی بندہ عارف کی روحانیت کو باہم جمع کر دیا ہے۔

علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں اور اسے بعض جلیل القدر علماء نے نقل کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے، جبکہ اس میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو امام غزالی سے منقول باتوں کی مخالف ہیں۔

قاضی حسین نے جنیدؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے سماع کے سلسلہ میں لوگ کئی طرح کے ہوتے ہیں یا تو عوام ہوتے ہیں تو سماع ان پر حرام ہے اس لئے کہ ان کے دل میں شہوانی خواہشات باقی ہی رہتی ہیں یا زاہد ہوتے ہیں تو ان کے لئے مباح ہے مجاہدہ کے حصول کی خاطر، یا عارف ہوتے ہیں تو ان کے لئے مستحب ہے ان کے دلوں کے زندہ ہونے کی وجہ سے، اور اسی

طرح کی بات ابوطالب مکی نے ذکر فرمائی ہے اور سہروردیؒ نے اپنے معارف میں اسے درست قرار دیا ہے۔

قاضی حسین کہتے ہیں کہ ظاہر سے یہی پتہ چلتا ہے کہ جنیدؒ نے حرام سے حرام اصطلاحی مرادلی ہے، جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس سے ان کی مراد صرف یہ ہے کہ ان کے لئے مناسب نہیں ہے، بعض نے نقل کیا ہے حضرت جنیدؒ سے سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا مبتدی کے لئے گمراہی کا ذریعہ ہے اور منتہی کو اس کی ضرورت نہیں گویا یہ قول میرے قول کے مخالف ہے۔

قشیریؒ فرماتے ہیں کہ سماع کے واسطے چند شرائط ہیں :

۱ــ اسماء وصفات کی جانکاری ہوتا کہ اسے صفات افعال کے مقابلے میں صفات ذاتیہ کا علم رہے اور جو چیز اللہ کی حمد وثنا کی قبیل کی نہیں ہوسکتی اور جس صفت سے اللہ تعالی کا سراپا بیان کرنا جائز ہے اور جس سے واجب ہے اور جہاں اسماء حسنی کا اطلاق درست ہے اور جہاں ممنوع ہے ان سب سے بھی واقفیت رہے۔ پھر فرمایا یہ شرطیں جو سماع کی درستگی کے لئے بیان کی گئیں وہ ذوی العقول میں جو اہل تحصیل ہیں ان کی زبانی ضروری قرار دی گئی ہیں۔

اہل حقائق کے نزدیک سماع کی شرطیں یہ ہیں کہ سچی معاہدہ کی وجہ سے دل فنا ہوجائے پھر مشاہدہ باری تعالی کی روحانیت کی وجہ سے دل کو زندگی ملے تو جس نے صحت کے ساتھ معاملہ کو مشروط نہ کیا اور سچائی کے ساتھ مجاہدہ کی شرط نہ لگائی تو اس کا سماع ضائع ہوجائے گا اور اگر سماع کا اثر پایا بھی جائے گا تو وہ فطری اثر ہوگا، اور سماع فتنہ کی شکل اختیار کرلے گا جو عشق کے غلبہ کی وجہ سے انجام دیا جائے گا الا یہ کہ جب شہوت ختم ہوجائے اور دل صاف ہوجائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

## آلوسی کی طرف سے صوفیاء کی غلطیوں کی نشاندہی :

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اسی کے ذریعہ یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سماع اکثر

صوفیاء کے زمانے میں حرام تھا سماع کے آداب وشرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔

علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ میرا یہ ماننا ہے کہ تمام کرہ ارض میں سماع اور غناء عام ہو چکا ہے، یہاں تک کہ مسجدیں بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں جہاں خاص اوقات میں منبروں سے گانے پڑھنے والے تعینات ہوتے ہیں جو شراب اور دیگر حرام اشیاء کے تذکرے پر مشتمل اشعار اپنی دلکش آواز میں سناتے ہیں۔

اور اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے لئے وقف کی آمدنی سے تنخواہ متعین کی جاتی ہے، اور ایسے حضرات کو ممجدین یعنی پاک وصاف کرنے والے، کہا جاتا ہے اور اس طرح کے لہو ولعب سے اگر مسجدیں خالی ہوں تو اسے دین سے لاپرواہی خیال کیا جاتا ہے، اور اس سے بھی برا کام وہ ہے جو مرتد اور ابلیس صفت صوفیاء کرتے ہیں — اللہ ان کا برا کرے — کہ جب کوئی ان کے اس عمل پر اعتراض کرتا ہے کیونکہ ان کے اشعار گمراہی کے مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ شراب سے ہماری مراد محبت الٰہی ہوتی ہے اور سکر سے محبت الٰہی کا غلبہ مراد لیتے ہیں اور میۃ سعدی اور لیلی سے محبوب اعظم یعنی اللہ تعالیٰ مراد لیتے ہیں، اس طرز عمل میں کتنی قباحت ہے اس کا اندازہ اس آیت کریمہ سے لگایا جاسکتا ہے: "**وللہ الأسماء الحسنى فادعوہ بھا وذروا الذین یلحدون فی أسمائہ**" (الاعراف:۱۸۰)۔

علامہ عز بن عبدالسلام کی "القواعد الکبری" میں لکھا ہوا ہے، سماع یہ ادب نہیں کہ غلبہ محبت کو شراب کے نشہ سے تشبیہ دی جائے، کیونکہ یہ بے ادبی ہے، اسی طرح محبت کو شراب سے تشبیہ دینا کیونکہ شراب ام الخبائث ہے، اس لئے کہ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے کو اس چیز سے تشبیہ نہیں دے سکتے جو انہیں مبغوض اور جس کی نجاست اور خباثت پر اس نے مہر ثبت کر دی ہے، اور یہ حقیقت بغیر کسی شک وشبہ کے مسلم ہے کہ نفیس کو خسیس (اعلی کو ادنی سے) سے تشبیہ دینا بے ادبی ہے، اسی طرح کمر اور سرین سے تشبیہ دینا اور دوسری قابل قباحت تشبیہات بے ادبی سمجھی گئی ہے۔

اسی طرح بعض حضرات کا یہ قول "أنتم روحی و معلم راحتی"، اور یہ قول "فأنت السمیع البصیر" بھی ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے، کیونکہ اس میں جو ذات عالی ہر طرح کی تشبیہ سے پاک ہے اسے ادنی درجہ کی خسیس روح سے تشبیہ دی گئی ہے، اور جس کی سماعت و بصارت تمام انسانی اندازوں سے بڑھ کر ہے اسے انسانی سماعت و بصارت سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی طرح سے مناسب نہیں۔

اگر سماع کی بعض قسموں کو مباح قرار دیا جائے تو ناچنے اور تالی بجانے والے حضرات کے لئے تھوڑی آسانی ہوگی، علامہ آلوسی فرماتے ہیں جہاں تک ناچنے اور تالی بجانے کا تعلق ہے تو یہ مزاج کی خست اور مزاج کی سختی کی علامت ہے، مزاج کی ایسی سختی جس میں عام طور سے عورتیں مبتلا رہتی ہیں، چنانچہ یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو سخت مزاج ہوگا یا تصنع پسند ہوگا اور دروغ گو ہوگا، تو کیسے گانے کی دھن پر انجام دیا جانے والا رقص انجام دیا جاسکتا ہے، اس شخص کے ذریعہ جس کی عقل ماری گئی ہو اور جس کا دل فوت ہو گیا ہو، جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ ہیں جو اس زمانہ کے بعد ہیں اور پھر ان کے بعد جو لوگ ہیں ان قابل اقتداء حضرات میں سے آج تک کوئی بھی ایسا فرد پیدا نہیں ہوا جس نے ایسا کام کیا ہو بلکہ شیطان غالب ہوا کچھ ایسے لوگوں پر جن کا یہ گمان تھا کہ سماع کے وقت ان پر طاری ہونے والی مستی اور ایک طرح کا نشہ یہ اللہ تبارک وتعالی سے تعلق کی دلیل ہے، چنانچہ ان حضرات نے اس سلسلہ میں جو چاہا کیا اور جس طرح چاہا جھوٹا دعوی کیا اس طور پر انہیں اس طرح کی مستی انگیز چیزوں کو سن کر دو طرح کی لذتیں محسوس ہوئیں۔

۱— اللہ تبارک وتعالی سے تعلقات پیدا کرنے والے حالات کی لذت جو بہت معمولی انداز میں ان پر طاری ہوئے۔

۲— ان آوازوں ان نغموں ان کلمات اور ان دھنوں کی لذت جو بہت سی لذتوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے، اور جن کا تعلق نہ دین سے ہوتا ہے اور نہ متعلقات دین سے، چنانچہ جب ان

لذتوں کے اثرات ان کے لئے سنگین صورت میں ظاہر ہوئے تو ان حضرات نے غلطی کی اور یہ سمجھا کہ جو اثرات ان پر مرتب ہوئے اور جو کچھ ان کو ملا وہ دراصل ان ہی معمولی حالات کی بدولت ملا، جبکہ معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں وہ لذتیں ملیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

بعض علماء نے تالی بجانے کو حرام قرار دیا ہے، اور دلیل میں یہ روایت پیش کی ہے ''إنما التصفيق للنساء'' (تالی تو عورتوں کے لئے ہے)۔

''**ولعن رسول الله ﷺ المشبهات من النساء بالرجال والمتشبهين من الرجال بالنساء**'' (اللہ کے رسول ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں، اور ان مردوں پر لعنت بھیجی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں)، اور جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا اور اس کی عظمت تھوڑی سی بھی اس کے دل میں سرایت کی ہوگی تو اس سے ناچنے اور تالی بجانے کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اور یہ دونوں کام کوئی جاہل آدمی ہی کر سکتا ہے۔

جس کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کے دو مراجع کتاب وسنت میں اس سلسلہ کا کوئی واضح حکم وارد ہوا ہے اور نہ کسی سے یہ ثابت ہے اور نہ ان کے متبعین میں سے کسی معتبر شخصیت نے اسے اپنا شیوہ بنایا ہے، بلکہ یہ ان جاہل بے وقوف کا کام ہے جس پر خواہشات کی بنیاد پر حقائق ہمیشہ مشتبہ رہے ہیں، جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ''**ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شيئ**'' (سورہ نحل:۸۹)۔

سلف اور خلف کے بڑے فاضل علماء کی ایک تعداد گزر چکی ہے ان میں سے کسی کے لئے اس طرح کا عمل مشتبہ نہیں رہا اور زندگی کے کسی بھی مرحلے میں انہوں نے اسے انجام نہیں دیا، چنانچہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کا عمل ہواء ونفس کے علاوہ کچھ نہیں اور نہ یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور اگر اس طرح کا عمل کرنے والا قابل اقتداء شخصیتوں میں شمار

ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا یہ عمل بطور قربت وعبادت ہے، تو یہ بہت ہی برا عمل ہے، کیونکہ وہ اس میں مبتلا کرنا چاہتا ہے کہ یہ طاعت کی نوعیت کا عمل ہے، جبکہ رعونت اور سخت مزاجی پر مشتمل حرکت ہے۔

رہی بات چیخنے اور بیہوش ہوکر گرنے کی یا ان جیسی دوسری حرکتوں کی تو سراسر یہ ریا کاری ہے اور تصنع پسندی کی بھدی مثال ہے، اگر یہ دونوں کیفیت کسی ایسی حالت کی بنیاد پر پیدا ہوئی ہے جس سے ان دونوں حالتوں کا امکان نہیں تھا تب بھی اس طرح کی حرکت کرنے والا دو اعتبار سے گناہ گار ہوگا:

۱—اس نے اس حالت کا وہم پیدا کیا جس سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

۲—اس سے تصنع اور ریاکاری کا اظہار کیا، اور اگر کسی گناہ کے تقاضے میں یہ کیفیت طاری ہوتی تو وہ ریاکاری کا گناہ ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا گناہ نہیں۔

اسی طرح سے بالوں کا نوچنا سینوں کا پیٹنا اور کپڑں کا پھاڑنا حرام عمل ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ مال ضائع کرنا لازم آتا ہے اور سینوں کے پیٹنے اور بالوں کو نوچنے اور گریبانوں کو چاک کرنے کا کچھ فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ اس کے ذریعہ دلوں کی سختی کا اظہار ہوتا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے بعض جلیل القدر علماء سے نقل کیا ہے کہ وہ سماع جو حرام ہے اس میں ہمارے زمانہ کے صوفیاء کا سماع بھی شامل ہے اگرچہ اس میں رقص نہ ہو کیوں کہ اس کے مفاسد اور نقصانات شمار سے بالاتر ہیں اور زیادہ تر وہ اشعار جنہیں وہ سنتے ہیں وہ اسی قبیل کے ہیں۔

وہ بہت ہی گندے معانی پر دلالت کرتے ہیں یہ تمام تر خرابیوں کے باوجود صوفیاء حضرات اسے عبادت سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی اس میں حد درجہ رغبت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں اور ان کی مرضیات کو انجام دینے کی حد درجہ خواہش رکھتے ہیں، اللہ تعالی انہیں ہلاک کرے وہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔

اس شخص سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہوسکتی جسے علامہ قشیری وغیرہ کے حوالے سے جو کچھ

ذکر کیا گیااس سے واقفیت ہو کہ صوفیاء کا سماع مذموم ہے ان حضرات کے نزدیک بھی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ صوفیاء کرام ان کے حق میں مدد کریں گے اور ہر طرح کی مصیبت سے انہیں بچائیں گے ان کا یہ خیال ہے کہ یہ اور وہ دونوں ہی ایک گروپ کے ہیں لہذا برا ہوان کے لئے سفارش کرنے والوں کا جو اصلاً ان کے مخالف ہیں اور ان کے چاہنے والوں کا برا ہو جو اصلاً ان کے دشمن ہیں، اور ان حضرات کا ان پر رقص کرنا یعنی ان کی محبت میں غلو سے کام لینا ایسا ہی ہے جیسے ستار کی آواز کو بڑھا دینا اور حماقت کے ساتھ پاگل پنے کا اضافہ کر دینا۔

اس لئے بعض جلیل القدر علماء کا یہ کہنا ہے کہ وہ صوفیاء جو اس دف پر رقص کرتے ہیں ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ شادی، ختنہ، اور خوشی کے دوسرے موقع سے اس کا بجانا مباح ہے یا سنت ہے، اور اسی میں کسی ایسے عالم کی آمد بھی شامل ہے جس سے مسلمانوں کا فائدہ ہو۔

یہ قول دراصل ان حضرات کی رد میں ہے جو قبول شہادت کے قائل ہیں، دوسرے علماء کا یہ کہنا ہے کہ ان صوفیاء کی گواہی قبول ہوگی جو دف پر ناچتے ہیں اس لئے کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ اس طرح ناچنا عبادت میں شامل ہے، جس طرح سے اس حنفی کی گواہی قبول ہوتی ہے جس نے نبیذ پی ہو کیوں کہ اس کے نزدیک نبیذ مباح ہے۔

اسی طرح سے ہر وہ ایسا عمل کرنے پر ایسا ہی حکم نافذ کیا جائے گا جس کا کرنے والا اس عمل کے مباح ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو، مگر اس قول کی یوں تردید کی گئی کہ اس طرح سے قیاس کر کے ایسے شخص کی شہادت کو معتبر سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے کیوں کہ ایک حنفی کا اعتقاد صحیح تقلید پر مبنی ہوتا ہے جبکہ دوسرے کا اعتقاد ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اسکی بنیاد جہالت اور کوتاہی ہوتی ہے لہذا ایسا خیال باطل ہوگا اور لائق اعتقاد نہیں ہوگا۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

یہ کوئی مستبعد امر نہیں کہ صاحب حال سماع سے حرکت کرنے لگے، اور سماع کے نتیجہ

میں ایسی کیفیت طاری ہوجس کی وجہ سے ناچنے لگے یا تالی بجانے لگے یا بے ہوش ہوجائے اور چیخنے لگے، اور کپڑے پھاڑنے لگے یا اس جیسی دوسری حرکت کرنے پر مجبور ہوجائے جو یا تو مکروہ ہو یا حرام ہو، اس سلسلہ میں جو بات میری سمجھ میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اسے بذات خود ان تمام کیفیتوں کا علم ہو جن کا ذکر ہوا تو ایسی صورت میں سماع کا حکم اس پر طاری ہونے والی کیفیت کے اعتبار سے حرام، مکروہ تجویز کیا جائے گا۔

اور اگر ان کیفیتوں کے طاری ہونے کے سلسلہ میں سامع متردد ہو تو گرچہ میں کراہت کا قائل نہیں مگر اس کے حق میں محتاط پہلو یہ ہے کہ وہ سماع سے گریز کرے، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے: "**دع ما یریبک إلی ما لا یریبک**" (جس کام کا معاملہ مشکوک ہو اسے مت کرو اور جس کا معاملہ مشکوک نہ ہو اسے کرو)۔

مگر وہ شخص جس پر محض سن کر بلا ارادہ اس طرح کی کیفیت طاری ہوجائے، اور وہ اسے ختم کرنے پر بھی قادر نہ ہو تو وہ مستحق لعنت وملامت نہیں، ایسے شخص کا حکم اس شخص کے جیسا ہے جسے چھینک آئے یا کھانسی ہو۔

اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جن پر یا تو مطلقا قرآن سن کر یا اچھی آواز کی وجہ سے اس طرح کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے جبکہ کسی بندہ کامل کو قرآن یا اس طرح کی دوسری چیزیں سن کر بہت کم ایسا ہوتا، اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ کچھ لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو بے ہوش ہوجاتے ہیں تو ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم اس سے کہیں بڑی کتاب ہے کہ اس کی وجہ سے بندوں کی عقل سلب کی جائے، لیکن یہاں معاملہ اس طرح جس طرح قرآن کریم میں بتایا گیا ہے، "**وتقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم إلى ذكر الله**"۔

مگر اکثر ایسا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ سننے والا معنوی کیفیت کے دباؤ کو برداشت نہیں کر پاتا، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض تصنع پسند حضرات ریاکاری میں ایسی حرکت کرتے ہیں۔

حضرت ابن سیرین سے اس شخص کی بابت دریافت کیا گیا جو قرآن سن کر بے ہوش ہو کر گر جاتا ہو، انہوں نے فرمایا ایک وقت ہم لوگ اپنے اور ان کے درمیان طے کریں اور اس وقت میں وہ لوگ دیوار پر بیٹھیں اور ان کے سامنے پورا قرآن شروع سے آخر تک پڑھا جائے اگر اس درمیان وہ گر جاتے ہیں تو معاملہ بالکل ویسے ہی ہے جیسا کہ ان حضرات کا کہنا ہے۔

علامہ آلوسی نے اس مسئلہ پر لمبی بحث ونقاش اور مسئلہ غناء کے مسئلے میں ائمہ کرام کے اختلافات اور ان کا حکم بالخصوص میوزیکل آلات کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

کبھی آپ کو اسطرح کے عمل کا واسطہ پڑے تو ہر حال میں اسے عبادت وقربت نہ سمجھیں جیسا کہ وہ صوفیاء سمجھتے ہیں جنہیں بالکل شدید نہیں ہوتی کیونکہ اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ ان حضرات کا خیال ہے تو انبیاء علیہم السلام ایسا کرنے سے نہ چوکتے اور اپنے متبعین کو حکم دینے سے گریز نہ کرتے جبکہ ایسا نہ کسی نبی (علیہ السلام) سے منقول ہے اور نہ آسمانی کتابوں میں کہیں ایسا اشارہ ہے اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے :"**الیوم أکملت لکم دینکم**" (المائدہ:۳)۔

اگر قلب کے لئے اس طرح کے مستی انگیز اور نفس کے لئے لذت بخش چیزوں کا استعمال یا ان کا سماع دین میں مطلوب ہوتا یا قربت الٰہی کا ذریعہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ ضرور اسے امت کے سامنے بیان فرماتے کیونکہ آپ کا ہی ارشاد ہے :"**والذی نفسی بیده ما ترکت شیئاً یقربکم من الجنة ویباعدکم عن النار إلا أمرتکم به وما ترکت شیئاً یقربکم من النار ویباعدکم عن الجنة إلا نهیتکم عنه**"۔

## مذہبی گانوں کے چند ایسے نمونے جن پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا :

کچھ مذہبی گانے ایسے ہیں جن کی مشروعیت میں اختلاف کی گنجائش نہیں جیسے کہ وہ نغمے جن میں اللہ تعالی کی بڑائی، بزرگی، اس کی عزت وتوقیر اور اس سے لو لگانے کا تذکرہ ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ذکر اور اس کی بڑائی بیان کرنا مناسب موقع ومحل میں ایک قابل تعریف

اور مقبول امر معلوم ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص نرم آواز میں یوں مناجات کرے :

يا من ألوذ به فيما أومله ومن أعوذ به مما أحازره

لا يجبر الناس عظماً أنت كاسره ولا يهيضون عظماً أنت جابره

یا کوئی شخص ابونواس کے مندرجہ ذیل اشعار کو گا کر پڑھے :

إن كان لا يرجوک إلا محسن فيمن يلوذ ويستعيذ المجرم؟

مال إليک وسيلة إلا الرجا وجميل عفوک ثم أی مسلم

یا کسی دوسرے شاعر کا یہ شعر خوبصورت آواز میں پڑھے :

تليف الذی بينی وبيک عامر وبينی وبين العالمين خراب

وليتک تحلو والحياة مريرة وليتک ترضی والأنام غضاب

إذا ضح منک الود فالکل هين وكل الذی فوق التراب تراب

اس طرح کے موزوں کلام جو ذکر الٰہی رب کریم کے سامنے گریہ وزاری اور اس کے مناجات پر مشتمل ہیں ان کے جواز میں کسی مسلمان کو شک نہیں، بالخصوص جبکہ مساجد کے علاوہ دوسری جگہ پڑھے جائیں اور عبادت کا جزء نہ ہو اور نہ میوزک کے ساتھ پیش کئے جائیں۔

ان جیسے اشعار کے جواز کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ خاص خاص مواقع پر جیسے کہ مسجد کی تعمیر کا موقع ہوتا اور غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا موقع ہوتا اشعار پڑھا کرتے تھے۔

انہی اشعار میں بارگاہ آپ ﷺ میں پیش کیا جانے والا نعت ومنقبت کا نذرانہ بھی ہے، جس میں حضرت حسانؓ کی شاعری بصیری کے قصیدہ بردہ یا ہمزیہ اور شوقی کی وہ شاعری جو بردہ یا ہمزیہ کے طرز کی ہے کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

اور اس سنت کو سب سے پہلے مدینہ منورہ کی چھوٹی چھوٹی بچیوں نے جاری کیا، جن کی زبان مبارک سے پڑھے جانے والے ترانہ کے الفاظ وکلمات آج بھی ہر کس وناکس کی

زبان پر جاری ہیں اور اپنی شیرینی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں :

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

اسی طرح یہ شعر :

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمد من جار

مذہبی گانوں میں وہ گانے بھی شامل ہیں جو دینی جوش وحمیت سے معمور ہیں، اور جنہیں اکثر وبیشتر ایک فرد نہیں پڑھتا ہے، بلکہ پورا گروپ بیک آواز پڑھتا ہے، اور جنگوں میں بہادروں کے عزائم کو مضبوطی اور تقویت بخشنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں، اور ثابت قدمی اور شہادت دینے کی ترغیب دیتے ہیں یا نوجوانوں کو اسلام کے بندھن سے مضبوطی سے جڑنے کی تعلیم دیتے ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کرنے پر آمادہ کرتے ہیں اگر چہ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں دینی پڑے۔

اس میں کوئی تعجب نہیں کہ ہمیں تاریخ کی کتابوں میں اتنی بڑی تعداد میں وہ اشعار ملے ہیں جنہیں بچے جنگ کے میدان میں گنگناتے تھے اور جن سے حوصلے بلند ہوتے دل بیدار ہوتے جیسے کہ وہ اشعار جنہیں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ موتہ میں رومیوں سے جنگ کے موقع پر پڑھا کرتے تھے :

یا حبذا الجنة واقترابها

طيبة وبارد شرابها

والروم روم قددنا عذابها

كافرة بعيدة أنسانها

عليّ إذا لاقيتها ضرابها

اس لئے اس عہد کے شعراء اور ادباء نے بھی اسلامی ترانے کہے ہیں جن سے نوجوانوں کے دل میں جوش وحمیت بیدار ہوتے ہیں، اور دعوت دین اور جہاد فی سبیل اللہ کے عزم وارادہ کو تقویت ملتی ہے۔

جیسے کہ عروبہ کا ترانہ جو عربی کے مشہور ادیب مصطفی صادق رافعی کی تخلیق ہے :

ربنا إياک ندعو ربنا آتنا النصر الذی دعوتنا
إننا نبغی رضاک إننا ما ارتضينا غير ما ترضی لنا

اور جیسے اللہ اکبر کے نام سے موسوم ترانہ جسے مصر میں بپا ہونے والی تیسری جنگ کے زمانہ میں عبد اللہ شمس الدین نے تخلیق کی تھی، جسے پورا ایک گروپ ایسے طرز سے پڑھتا تھا جس سے لوگوں کے احساسات اور ضمیر بیدار ہوجاتے تھے۔

اسی طرح مسلمون، مسلمون کے نام سے معروف ہمارا ترانہ جسے اس زمانہ میں جب کہ لوگ قومیت کو اپنا مایہ افتخار سمجھ رہے تھے اسلام کو سرمایہ عزت وافتخار کی دعوت دینے کی خاطر کہا گیا تھا :

مسلمون، مسلمون، مسلمون حيث كان الحق والعدل نكون
نرفض الموت ونأبی أن نهون فی سبيل الله ما أحلی المسنون
نحن صممنا وأقسمنا اليمين أن نموت أو نعيش مسلمين
مستقمين علی الحق المبين متحدين ضلال المبطلين
جاهدين أن يسود المسلمون

سائلوا التاريخ عنا ما دعی من حمی حق فقير ضيعا
من بنی العلم صرحا أرضعا من أقام الدين والدنيا معا
سائلوه يجيب : المسلمون

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ کسی اسلامی یونیورسٹی کے جوانوں کا ایک گروپ جو چھٹی

کے موقع سے اجتماعی ٹور پر نکلا تھا، ان میں سے کچھ لوگوں کی زبان سے ان میں سے بعض اشعار پڑھے گئے جن سے ان کی روحیں بیدار ہوگئی اور عقل وہوش ٹھکانے لگ گئے مگر بعض نوجوانوں نے یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ یہ تو بدعت ہے جبکہ صحابہ کرامؓ سے اس طرح کے اشعار کا ثبوت ایک امر مسلم ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو بھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے نماز تراویح پر لوگوں کو متفق ومتحد کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

## (۷)

# اسلامی تاریخ میں گانے اور رقص وسرور کی حقیقت

# اسلامی تاریخ میں گانے اور رقص وسرور کی حقیقت

تاریخ میں کسی ایسی قوم کا تذکرہ نہیں ملتا جسے گانے، بجانے اور رقص وسرور سے واسطہ نہ رہا ہو، بلکہ صرف کمیت وکیفیت (مقدار ونوعیت) کے لحاظ سے فرق رہا ہے، گانے بجانے اور رقص وسرور سے ان کی زندگی کے کن گوشوں کو متاثر کیا؟ اور کہاں تک ان میں اس کی مہارت تھی؟ اور کہاں تک وہ اس میں مبتلا تھے؟ بعض اس میں ازسرتا مبتلا تھے اور بعض بہت کم حد تک، اور بعض سادگی پسند تھے جو سادہ لوحی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، اور بعض ایسے ماہر فنکار تھے جس نے اس میں اپنی بے مثال کاریگری کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ اسے پیشہ بنالیا اور سکہ رائج الوقت بن گیا اور اس کے واسطے نئے نئے آلات پیدا ہوگئے جو اس کی رنگینی اور خوبصورتی میں اضافے کا ذریعہ سمجھے جانے لگے۔

جس طرح خوشحالی میں قوموں کی پوزیشن الگ ہوتی ہے اور خستہ حالی میں الگ ہوتی ہے، امن وعافیت کی حالت الگ ہوتی ہے اور ابتلاء وآزمائش کی حالت الگ ہوتی ہے، سکون واطمینان کی حالت الگ ہوتی ہے اور حرب وضرب کی حالت الگ ہوتی ہے۔

عرب غیر قوموں کی طرح گانے بجانے اور رقص وسرور کی مجلس آراستہ کرنے میں ماہر تھے، ان کے یہاں بھی گانے بجانے والی اور دلوں کو راحت پہنچانے والی خواتین ہوتی تھیں جو اس طرح کے کاموں میں مشہور ہوتی تھیں، اور یہ سب پیشہ ور گانے والی ہوتی تھی، یا پھر باندیاں ہوتی کیونکہ وہ اسے عیب سمجھتے تھے کہ آزاد عورتیں اس کام میں مشغول ہوں، جس طرح سے یہ بھی ان کے یہاں عیب تھا کہ مرد اس کام کو کرے اور ان کے عرف میں یہ ایک قابل احترام رواج تھا۔

اور زیادہ تر گانے بجانے اور رقص وسرور کی مجلسیں شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں سے معنعن ہوتی تھیں، اور یہ مجلسیں بے حیائی اور آوارگی کے مظاہرے کا ذریعہ تھیں، مگر ان کی زندگی میں ان چیزوں سے روکنے والی کوئی شیئ کارفرمانہ تھی۔

لیکن جب اسلام اپنے عقائد اقدار اور اخلاق کے ساتھ جلوہ افروز ہوا اور لوگوں کو نئی چیز نئی فکر عطا کی تو ان میں یکا یک تبدیلی رونما ہوئی اور ایک زندگی سے دوسری ایسی زندگی میں منتقل ہوئے جن کے مقاصد و سائل، اور عزائم وخواہشات بدلے ہوئے تھے اقدار اور طریقہ زندگی بدلا ہوا تھا، گویا ایک مسلمان انسان ایک دوسری مخلوق کی شکل میں پیدا کیا گیا تھا، چنانچہ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جاہلیت کے انسان اور اسلام کے انسان کے درمیان کتنا بڑا فرق تھا۔

مکی زندگی میں مسلمان دعوت وتبلیغ اور اس کی راہ میں ابتلاء وآزمائش برداشت کرنے میں اور اس کی صعوبتوں پر صبر کرنے میں مشغول رہے، اور مدنی زندگی میں دعوت وتبلیغ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی خاطر مسلح جدوجہد میں لگے رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں نے اور رسول اللہ ﷺ نے ستائیس جنگیں کی اور انسٹھ سریوں میں شریک رہے۔

گویا دعوت وتبلیغ اور اس کی خاطر جہاد کرنے والی یہ جماعت اور اس راستہ کی تکلیف کو برداشت میں مشغول رہنے والی اس جماعت کو اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنی زندگی میں سماع گانے بجانے اور رقص وسرور کے لئے وقت فارغ کرتی اس کا کام ایک قربانی کے بعد دوسری قربانی دینا اور شہداء کے ایک قافلہ کے بعد دوسرے قافلہ کا ساتھ دینا تھا۔

اس کے باوجود ان کی زندگی میں خوشی ومسرت کے مواقع بار بار آتے رہے جیسے شادی بیاہ کے مواقع اور دوسرے خوشی کے مواقع جیسے کسی لاپتہ اور گمشدہ کی آمد ہوتی تو انہی جیسے مواقع کے متعلق گانے بجانے کی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن کا ہم نے اس سے پہلے اباحت غناء کے قائل حضرات کے دلائل میں تذکرہ کیا ہے۔

## کیا دورنبوت اور دورصحابیت میں گانے والے مردوخواتین موجود تھے؟

اس جگہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صحابہ کرام انبیاءعلیہم السلام اور صالحین کے دور میں گانے والے مردوخواتین ایسے موجود تھے جنہوں نے گانا گانے کو اپنا پیشہ بنایا ہو؟

اس سلسلہ میں جو بات سمجھ میں آرہی ہے وہ یہ کہ عہدنبوی میں مردوں میں کوئی گانے والا نہ تھا، مطلب اس کا یہ ہے کہ ایسا شخص جومعروف اصولوں کے مطابق اچھی طرح گانا جانتا ہو، بلکہ ایسے لوگ تھے جن کی آواز اچھی تھی جو اچھے طرز سے کچھ حدی خوانی کرتے جن میں ایک نام انجشہ کا ہے جس نے حدی خوانی کی تو اونٹنی برق رفتاری سے چلنے لگی اور اس پر خواتین سوار تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا :"یا أنجشة رفقاً بالقواریر" (اے انجشہ آہستہ چلاؤ آبگینے کے ساتھ تم سبک رفتاری سے کام لو) ، یہ زبان نبوت سے نکلے ہوئے بلیغ کلمات ہیں جن میں عورتوں کو ان آبگینوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ عرب زمانہ جاہلیت سے گانا گانے کو مردوں کے شایان شان نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ آزاد خواتین کے لئے بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے، اس لئے گانے والی باندیوں کے لئے خاص کر رکھا تھا۔

رہی بات گانے والی خواتین کی تو بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں بعض خواتین تھیں جو گایا کرتی تھیں، اور زمانہ جاہلیت سے ہی اہل مدینہ کو غناء کی صفت ورثہ میں ملی تھی، اس لئے اہل مدینہ گانا کے اہل مکہ کے مقابلے زیادہ دلدادہ تھے جیسا کہ اس حدیث سے اس کی جانب اشارہ ہوتا ہے، "انصار کو کھیل تماشہ پسند ہے"، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ زیادہ عورتیں اس کام میں مصروف نہیں تھیں، وہ چند عورتیں تھیں جن کے نام مندرجہ ذیل احادیث سے سمجھ میں آتے ہیں :

پہلی خاتون وہ تھیں جن کے نام کا اظہار نسائی کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں

آپ ﷺ نے فرمایا حضرت عائشہؓ سے کیا تم اسے جانتی ہو؟ عرض کیا نہیں، فرمایا یہ بنی فلا ں کی گانے والی باندی ہے کیا تم چاہتی ہو کہ تمہیں بھی گا کے سنائے؟ تو انہیں بھی گا کے سنایا۔

دوسری خاتون کا نام ارنب تھا، حافظ ابن حجر نے ''الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ نی' میں ان کا یوں تذکرہ کیا ہے :

ارنب مدینہ کی گانے والی خاتون تھی ہم نے امالی المحاملی کی تیسری جلد میں اصبہانیوں کی ایک روایت ابن جریج کے طریق سے نقل کی ہے کہ ابوالاصبع نے مجھے بتایا کہ جمیلہ نام کی مغنیہ خاتون نے انہیں بتایا کہ اس نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے گانا کے متعلق پوچھا تو فرمایا کسی انصاری صحابی نے حضرت عائشہؓ کے خاندان کی کسی خاتون سے شادی کی، تو حضرت عائشہؓ انہیں قباء تک پہنچا کر آئیں آپ ﷺ نے فرمایا تم دلہن کو پہنچا آئی؟ فرمایا ہاں، فرمایا اس کے ساتھ گانے والی کو بھیجا ہے اس لئے کہ انصار اسے پسند کرتے ہیں فرمایا نہیں، فرمایا ارنب کو لے کر جاؤ اور وہاں پہنچا آؤ، ارنب ایک خاتون تھی جو مدینہ میں گایا کرتی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاتون اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک بھی اس کام کے حوالے سے معروف تھی، اور چونکہ اس حدیث میں جمیلہ مغنیہ کا نام آیا ہے اس لئے ہم نے اسے وہاں سے لیا ہے۔

تیسری مغنیہ خاتون کا نام حمامہ تھا، اس کا تذکرہ بھی ''الاصابۃ'' میں یوں آیا ہے کہ حمامہ انصار کی لونڈی تھی، حضرت عائشہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت سیدنا ابوبکرؓ عید کے دن ان کے گھر پہنچے تو دو باندیاں گا رہی تھیں ان میں سے ایک کا نام ''حمامہ'' تھا جیسا کہ فلیح بن ابی الدنیا عن ہشام عن ابیہ عن عائشہؓ کی روایت میں ہے۔

چوتھی مغنیہ خاتون (سیرین) تھی جو مشہور شاعر رسول حضرت سیدنا حسانؓ کی باندی تھی، ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں اسی طرح ان کا تعارف کرایا ہے کہ وہ حضرت حسانؓ کے لڑکے کی ماں تھی، اور قبط کے امیر نے رسول اللہ ﷺ کو دو باندی ہدیہ میں دی تھی ان میں سے

ایک کا نام ماریہ تھا جن سے آپ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم پیدا ہوئے، اور دوسری باندی حضرت حسان ؓ کو دی تھی ان سے عبدالرحمن ؓ پیدا ہوئے۔

حافظ فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے یہ روایت بشر بن محمد مؤدب کے طریق سے عن ابی اویس عن حسین بن عبد اللہ عن عکرمہ عن ابن عباس نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حضرت حسان ؓ کے پاس سے گزرے اور ان کے ساتھ ان کے رفقاء صف بستہ کھڑے تھے اور ان کی ایک باندی جس کا نام سیرین تھا، وہ بھی موجود تھی وہ ان لوگوں کو گانا سنا رہی تھی تو آپ ﷺ نے نہ انہیں منع فرمایا اور نہ حکم دیا، ابن وہب عن ابی اویس اس طرح کی روایت نقل کی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے ''وجاریۃ طریۃ تغنی لھم'' ایک جھومنے والی باندی تھی جو انہیں گا کر سنا رہی تھی، شاید اس واقعہ کو ابوالفرج اصفہانی نے نقل کیا ہے۔

ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب ''آداب السماع'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حضرت حسان بن ثابت ؓ کے پاس سے گزرے اس وقت وہ اطحہ کے صحن میں تھے اور ان کے ساتھ ان کے رفقاء دو صفوں میں کھڑے ہوئے تھے اور ان کی باندی انہیں گا کر سنا رہی تھی اس تک اللہ کے رسول ﷺ پہنچے تو وہ پڑھ رہی تھی :

هل علَيّ ويحكما إن لهوت من حرج؟

تو آپ ﷺ مسکرانے لگے اور فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس واقعہ کو ابن عبدربہ ؒ نے ''العقد الفرید'' میں نقل کیا ہے۔

لیکن اس طرح کے واقعہ کو ادب کی کتابوں میں جن سندوں سے ذکر کیا گیا ہے ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

مگر دور نبوت اور دور صالحین کے بعد گانے بجانے اور رقص و سرور کی محفلوں کو وسعت ملی اور چند مشہور گانے والی خواتین پیدا ہوئیں جن میں عزۃ المیلاء جیسی خواتین کے نام سرفہرست

ہیں۔

بنوامیہ کے دور میں صالحین کے دور سے بھی زیادہ اس فن کو ترقی ملی۔

تاہم بنوعباس کے دور میں اسے مزید تنوع حاصل ہوا اور اسے مزید وسعت کے ساتھ بطور پیشہ اختیار کیا گیا، اور گانے والوں میں چند اور اہم نام شامل ہوئے، اور گویا کے واسطے طرز اور نئے نئے نغمے کتابی شکل میں مدون ہوئے۔

# گانا بجانا اور مسلم سماج

جومسلمانوں کے حالات پر غور کرے گا اوران کی زندگی کی صحیح صورت حال کا جائزہ لے گا تو اسے اس سلسلہ میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا کہ دین دار مسلمان کی دینداری اور اچھے اشعار وکلمات کوسن کر محظوظ ہونا ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

ایک عام مسلمان کے کان خشک آوازی سے پڑھے جانے والے کلمات کو سننے کے لئے بے تاب ہوتے ہیں اوران سے لذت لیتے ہیں اور روزانہ ان سے غذا حاصل کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ قرآن کریم جس کی تلاوت ترتیل اور تجوید کے ساتھ اچھی آوازمیں کی جاتی ہے کہ ہم اسے سنتے ہیں اوراسے بہترین قراءت تصور کرتے ہیں۔

اسی طرح سے اذان کے کلمات جنہیں پانچوں وقت اچھی آواز میں سن کر ہم جھوم اٹھتے ہیں یہ عہد نبوت سے ہمیں ورثہ میں ملا ہے۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس صحابی سے فرمایا : جنہیں سچے خواب میں اذان کے کلمات بتلائے گئے تھے کہ انہیں بلال کوسکھاؤ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔

اللہ تعالی کے سامنے گریہ وزاری کے وہ کلمات جوخوبصورت طرز کے ساتھ رقت انگیز آواز میں پڑھے جاتے ہیں ان سے دل جھوم اٹھتے ہیں اورتمام اعضاء وجوارح لرزجاتے ہیں۔

اور نعتیہ اشعار جو مسلمانوں کو اس دن وراثت میں ملے جس دن مسلمانوں نے انصاری لڑکیوں سے جناب نبی کریم ﷺ کے استقبال میں خوبصورت ترانہ سنے :

طلع البدر علینا من ثنیاۃ الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا اللہ داع

مجھے یاد ہے کہ میں تقریباً ۲۵ ؍سال کا تھا اس وقت میں نے انڈونیشیا کے ایک اسلامک بیسک اسکول کی طالبات سے یہ ترانہ سنا تھا جو اجتماعی طور پر رقت انگیز طرز سے پڑھ رہی تھیں اور ہم لوگ حکومت قطر کی طرف سے ایک وفد کی شکل میں دورہ پر تھے، ہمارے دل اس ترانہ کو سن کر پسیج گئے، اوراس کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

گذشتہ زمانہ میں مسلمانوں نے اپنے واسطے مختلف طرح کے اچھے ترانے اوراشعار تخلیق کئے جن سے اپنا غم دور کرتے اور خصوصاً گاؤں دیہاتوں ان کے ذریعہ اپنی زندگی سنوارتے۔

جس کا مشاہدہ ہم نے بچپن کے زمانہ میں اور جوانی کی ابتدائی دور میں کیا یہ سارے اشعار فطرت سے ہم آہنگ ہیں، ماحول کی عکاسی کرتے ہیں اور ماحول کے مقدار کو بیان کرتے ہیں ان اشعار میں قابل اعتراض کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

حواویل کا فن بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے جسے لوگ دل ہی دل میں گاتے ہیں اور اجتماعی طور پر اس سے سنتے تھے جس کی آواز اچھی ہوتی تھی اکثر اس طرح کے اشعار محبت، عشق وعاشقی، اور وصال وفراق کی کہانی بیان کرتے ہیں، مگر کچھ اشعار دیناا وراس کی پریشانی اور لوگوں کے ظلم وزیادتی کو واضح کرتی ہے، ان اشعار سے لوگوں کے دلوں پر بہت گہرے اثرات پڑتے تھے، اکثر وبیشتر لوگ انہیں بغیر کسی میوزیکل آلے کے گاتے تھے اور کچھ لوگ ارغول نامی باجے کے ساتھ گاتے تھے، اوران فطرت سے ہم آہنگ فنکاروں میں کچھ ایسے بھی تھے جو قوال سے نومس تھے اورا سے ایک ہی وقت میں خوش آوازی سے پڑھتے تھے۔

اورانہیں میں سے بہادری کے قصے بھی ہیں جن میں بعض قبائلی بہادروں کی بہادری کے نغمے گائے گئے ہیں، جن میں مدافعت کی بہادری یا صبر وتحمل کی بہادری شامل ہیں، جنہیں لوگ سنتے اور سن کر جھوم جاتے ہیں اور دہراتے اور زبانی یاد کر لیتے اور سن کر جھوم جاتے ہیں اور دہراتے اور زبانی یاد کر لیتے اس سلسلہ میں (اور ہم شرقاوی) (شفیقہ بثومی) (ایوب بصری) اور (سعد الہیثم) کے قصے مصریوں کے درمیان مشہور تھے۔

اور انہیں میں مشہور ومعروف بہادروں کے قبائلی جنگوں کے نغمے بھی ہیں جن میں ابو زید الہلال اور سیرت بنی ہلال خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جنہیں سننے کے لئے لوگ جمع ہوئے ان جنگوں کے واقعات سننے اور ساتھ ہی ساتھ ربابہ کے نغمے کسی ایسے قبائلی شاعر سے سنتے جو اس فن کا ماہر ہوتا اور یہ سارے جنگی واقعات جو اشعار کے قالب میں ڈھلے ہوئے تھے ان کے عشاق بڑی تعداد میں موجود تھے جو اس زمانہ میں مسلسلات کی قائم مقامی کرسکتے ہیں میں نے بچپنے میں اسکا مشاہدہ کیا اور اپنے گاوں کے بچوں کے ساتھ سنا۔

انہیں میں شادی بیاہ بچوں کی ولادت چھوٹے بچوں کے ختنے، گمشدہ کی آمد، مریض کی شفایابی، اور حاجیوں کی واپسی کے خوش کن موقع پر پڑھے جانے والے اشعار بھی جو زمانے میں لوگوں کے درمیان مشہور تھے، اور لوگوں کی زبان پر جاری تھے، انہیں کچھ غیر معروف لوگوں نے تخلیق کیا تھا، اور وہ برابر وقتاً فوقتاً نئی نئی چیزیں تالیف کرتے رہتے ہیں جن سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں اور ایک سے دوسرے تک نقل کرتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے کچھ دوسرے ترنم آمیز گیت ایجاد کئے جن کو لوگ خود سے مختلف مواقع جیسے پھلوں کے توڑنے، یا روئی وغیرہ کے کاٹنے کے موقع پر پڑھتے تھے۔

اور جیسے کام کرنے والے مزدوروں کے ترنم آمیز گیت جو وہ تعمیر کرتے وقت اور بوجھ اٹھاتے وقت پڑھا کرتے تھے جیسے ہیلا، ہیلا صل علی النبی۔

صحابہ کرام کے طرز عمل اس کی شرعی بنیاد ہے صحابہ کرام خود مسجد نبوی کی تعمیر کرتے اور اپنے کندھوں پر پتھر اٹھاتے ہوئے یہ شعر پڑھتے :

اللهم لا عيش إلا عيش الآخرة

فاغفر الأنصار والمهاجرة

یہاں تک کہ مائیں بھی بچے کو تھپکی دیتیں اور انہیں سونے پر آمادہ کرتیں اور یارب ینام، یارب ینام پڑھتیں۔

اور رمضان المبارک کے مہینہ میں سحری کے موقع سے اٹھانے والے لوگ آج بھی یاد ہے وہ لوگوں کو آدھی رات کے بعد اچھے اچھے اشعار پڑھ کر اور ڈھول بجا کر اٹھاتے جنہیں سن کر لطف آتا اور ان میں سے کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو اس طرح کی ترنم آمیز گیت یا وعظ ونصیحت پر مشتمل اشعار تخلیق کرتے اور سبھی حد درجہ معیاری ہوتے اور لطف انگیز ہوتے اور سب سے بہتر قابل ذکر بات اس موقع کی یہ ہے کہ بازاروں میں بیچنے والے یا پھیری لگانے والے جو اپنے سامانوں کو بیچتے وقت منظوم آواز لگاتے ہیں اور انہیں اچھی آواز سے پڑھنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی سعی کرتے۔

جسے عرقسوس بیچنے والے میوہ اور سبزیاں بیچنے والے ہر سامان کے واسطے خاص عبارتیں ہوتی ہیں جنکے ذریعہ اس سامان کو خریدنے پر آمادہ کیا جاتا ہے، اسی طرح سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مغنی کا یہ فن انسان کی دینی اور دنیوی زندگی دونوں میں سرایت کر چکا ہے اور لوگ اسے فطری اور کسبی طور پر قبول کرتے جا رہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اپنے دینی تعلیم میں کوئی ایسی چیز اس قسم کی نظر نہیں آتی جو ان کے لئے اس سے مانع ہو اور نہ ان قبائلی اشعار میں ان کے علماء کو قابل مذمت کوئی چیز نظر آتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر وبیشتر اشعار ایسے ہیں جو دین ایمانی روحانی اقدار اور اخلاق عالیہ سے اس طرح قربت رکھتے ہیں جس طرح جسم روح سے قربت رکھتا ہے، یعنی توحید، ذکر الٰہی، دعا اور درود اور ان جیسی چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں۔

اس کا تجربہ ہم نے مصر میں کیا اور یہی چیز ہمیں شام میں ملی اور مغربی مما لک میں بھی ملی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆